خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

حیا

کراچی

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

آئینہ

آئینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمانِ الٰہی

خواہشات نفس

خواہشات نفس عام طور سے انسان کو اچھائی کی طرف نہیں برائی کی طرف لے کر جاتی ہیں، آج کل دولت کی خواہش کے علاوہ جنسی خواہشات کو بھی لوگ ڈھیلا چھوڑ رہے ہیں، کیونکہ ہر طرف موج مستی کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، اختلاط مرد وزن کا ماحول بن رہا ہے، بہت سے لڑکوں لڑکیوں کے درمیان دوستیاں پروان چڑھ رہی ہیں، کبھی پارکوں میں دیر تک ملاقاتیں ہو رہی ہیں، کبھی تنہائیوں میں باتیں ہو رہی ہیں اور کبھی موبائل فون پر گفتگو کا سلسلہ جاری ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان دوستی کے بعد جس خدشہ کا اظہار کیا جا سکتا ہے وہ اب حقیقت کی شکل میں سامنے آ رہا ہے، بات صرف یہیں نہیں بلکہ ایک لڑکا کئی لڑکیوں سے اور ایک لڑکی کئی لڑکوں سے دوستی کر رہی ہے، آج اس کے ساتھ، تو کل کسی دوسرے کے ساتھ، کیونکہ نفس کی خواہش ایک دائرہ تک محدود نہیں رہنے دیتی اور جب کوئی نفسانی خواہشات کا غلام بن چکا ہو تو وہ کہاں اپنے آپ کو محدود رکھ سکتا ہے، خواہشات نفس کو آزاد چھوڑنے کا نتیجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں عریانیت اور جنسی بے راہ روی کا سیلاب آ چکا ہے، صرف مغربی ممالک ہی نہیں بلکہ مشرقی ممالک میں بھی اب زنا کی وارداتیں اس قدر ہو رہی ہیں کہ "الامان والحفیظ"

یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں عریانیت وفحاشیت اور زنا کاری کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ولا تقربوا الزنی انہ کان فاحشۃ وساء سبیلاً" اور پاس نہ جاؤ زنا کے، وہ ہے بے حیائی اور بری راہ۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۲)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ نبوت

ترتیب: مولانا محمود عباسی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ پر لشکر کشی کا ارادہ فرمایا تو یہ احتیاط رکھی کہ قریش مکہ کو مسلمانوں کی تیاریوں کا حال معلوم نہ ہونے پائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی جانب روانگی کے لئے مکمل تیاری کر لی تو ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کو مسلمانوں کی تیاریوں کی اطلاع دینے کے لئے ایک خط ایک عورت کے ہاتھ روانہ کیا۔

وہ عورت روانہ ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ سے فرمایا:

"تم مکہ کی طرف جاؤ، راستے میں روضہ خاخ کے باغ میں تمہیں ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس جو خط ہے وہ لے آؤ۔" حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ تیز رفتار سواریوں پر مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا روضہ خاخ کے باغ میں اس عورت کو پکڑ لیا۔ انہوں نے اس سے خط کے بارے میں پوچھا تو اس نے خط کی موجودگی سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے سارے سامان کی تلاشی لی گئی مگر خط نہ ملا۔ اس کے کپڑوں کی تلاشی لی گئی، پھر بھی خط نہ ملا۔ اس پر حضرت علیؓ نے عورت سے کہا:

"اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی اور نہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں یا تو خط ہمارے حوالے کر دو ورنہ میں ابھی تلوار سے تمہارا سر قلم کر دوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے حضرت علیؓ نے تلوار سونت لی تو عورت نے اپنے بالوں میں سے خط نکال کر حضرت علیؓ کے حوالے کر دیا۔ تینوں صحابیوںؓ نے عورت کو گرفتار کر لیا اور اسے خط سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کو بلایا، ان کی موجودگی میں خط پڑھا گیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کی طرف، جان لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔" حضرت عمرؓ موجود تھے انہوں نے جوش میں آ کر کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عمرؓ! حاطب رضی اللہ عنہ بدری ہیں اور اللہ تعالیٰ اہل بدر کے گناہ معاف کر چکا ہے۔" پھر حضورؐ نے حاطبؓ سے دریافت فرمایا: "اے حاطبؓ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خدا کی قسم! میں اللہ اور اللہ کے رسول کا سچا وفادار ہوں، میرے اقرباء مکہ میں محصور ہیں، میں نے صرف ان کی حفاظت کے خیال سے قریش کو خط لکھا تھا۔" اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کا قصور معاف فرما دیا اور اس عورت سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جو شریک جرم تھی۔ (البدایہ والنہایہ)

آوازِ حیا

آج اگر ہم اپنی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو ہمیں اپنی کھوئی ہوئی ان صلاحیتوں کی بہت ہی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے، جو ہم مسلمانوں کی خصوصی اور امتیازی خوبیاں ہوا کرتی تھیں۔ خود اعتمادی، قوتِ فیصلہ، حوصلہ اور ہمت، یہ صلاحیتیں ہم مسلمانوں کو ایک خاص شان اور رعب عطا کرتی تھیں۔ دشمن نے کئی عشروں قبل ہی یہ اندازہ کرلیا تھا کہ کردار کی ان عظمتوں کے ہوتے ہوئے ہم کسی بھی طرح ان کو زیر نہیں کر سکتے۔

ہماری خوداعتمادی کو معذرت خواہی میں، ہماری قوت فیصلہ کو کمزوری میں اور ہمارے ہمت و حوصلہ کو خوف و بزدلی میں بدلنے کے لئے تمام قوتیں اپنے ہر قسم کے ہتھکنڈوں سے لیس ہوکر میدان میں آگئیں، کہیں ہمیں نت نئے طریقوں سے فیشن زدہ بنایا گیا، کہیں ہمیں کھانے، کھانے اور صرف کھانے میں لگایا گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں زندگی کی دوڑ میں کامیابی کا واحد راستہ بے مقصد و بے سمت اعلیٰ سے اعلیٰ دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اندھادھند پیسہ اس راستے میں خرچ کرنا سکھایا گیا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اقوام عالم کے درمیان کسی کمزور پوزیشن

آوازِ حیا

میں آجائیں۔ اعلیٰ دنیاوی تعلیم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ ہمیں سائنسدان بھی چاہئیں اور انجینئرز بھی۔ ڈاکٹر بھی چاہئیں اور ٹیکنوکریٹس بھی۔ ہمیں تعلیمی درسگاہیں بھی چاہئیں، اساتذہ بھی اور زرعی ماہرین بھی۔ ہمیں اسپتال بھی چاہئیں اور فیکٹریاں بھی۔ مگر یہ سب ہمیں اپنے دین اور اپنے وسائل کے دائرے میں رہتے ہوئے حاصل کرنا ہوگا۔ اپنے صحیح عقائد جذبوں اور امنگوں کے عین مطابق۔

آخر ہم کس طرح خوداعتماد، بلند حوصلہ اور باہمت بن سکتے ہیں۔ یقین کیجئے کہ اس کا ایک بہت ہی آسان اور سہل طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم خود کو بھی اور اپنے بچوں کو بھی محنت کا عادی بنائیں۔ اپنے نوجوان کو اپنے زور بازو پر انحصار کرنا سکھائیں۔ بچوں کو دنیاوی تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ بچپن ہی سے ان کے دل میں دین کا جذبہ، نظریہ پاکستان اور امت کی محبت اور تڑپ اس طرح پیدا کریں کہ وہ دشمن کے کسی بھی حملے کا پوری جرأت و مضبوطی سے مقابلہ کرسکیں، کیا ہم ملک وملت و امت کی فلاح کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ یہ سوچئے اور ضرور سوچئے..........

آپ کی مدیرہ ......راحت ارشد

گناہوں کے دنیاوی نقصانات

حکیم الامت حضرت
مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

گناہ کرنے سے دنیا کا کیا نقصان ہے، یوں تو یہ مضرتیں (نقصانات) اس کثرت سے ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا، مگر اس مقام پر اولاً کچھ آیات واحادیث سے اجمالاً (مختصراً) بعض آثار بتلاتے ہیں، اس کے بعد کسی قدر تفصیل وترتیب سے لکھیں گے۔

قرآن مجید میں نافرمانوں کے جابجا قصے اور اس کے ساتھ ان کی سزائیں مذکور ہیں، کسی کو معلوم نہیں، وہ کیا چیز ہے جس نے ابلیس کو آسمان سے نکال کر زمین پر پھینکا، یہی نافرمانی ہے جس کی بدولت وہ ملعون ہوا، صورت بگاڑ دی گئی، باطن تباہ ہوگیا، بجائے رحمت کے لعنت نصیب ہوئی، قرب کے عوض بعد حصہ میں آیا، تسبیح و تقدیس کی جگہ کفر وشرک، جھوٹ، فحش انعام ملا، وہ کیا چیز ہے جس نے نوح علیہ السلام کے زمانہ میں تمام اہل زمین کو طوفان میں غرق کردیا، وہ کون سی چیز ہے کہ جس سے ہوائے تند کو قوم عاد پر مسلط کیا گیا، یہاں تک کہ زمین پر پٹک پٹک کے مارے گئے، وہ کون سی چیز ہے جس سے قوم ثمود پر چیخ آئی، جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور تمام ہلاک ہوگئے، وہ کون سی چیز ہے جس سے قوم لوط کی بستیاں آسمان تک لے جاکر الٹی گرائی گئیں اور اوپر سے پتھر برسائے گئے، وہ کون سی چیز ہے جس سے قوم شعیب پر بہ شکل سائبان ابر کا عذاب آیا اور اس سے آگ برسی، کون سی چیز ہے جس سے قوم فرعون بحر قلزم میں غرق کی گئی، وہ کون سی چیز ہے جس سے قارون زمین میں دھنسایا گیا اور پیچھے سے گھر اور اسباب اس کے ہمراہ ہوا، وہ کون چیز ہے جس نے ایک بار بنی اسرائیل پر ایسی قوم کو مسلط کیا کہ جو سخت لڑائی والی تھی اور وہ ان کے گھروں کے اندر گھس گئے اور ان کو زیروزبر کر ڈالا اور پھر دوسری بار مخالفین کو ان پر غالب کیا جس سے ان کا بنا بنایا کارخانہ تباہ و برباد ہوا، اور وہ کون سی چیز ہے جس نے انہیں (بنی اسرائیل کو) طرح طرح کی مصیبت وبلا میں گرفتار کیا، کبھی قتل ہوئے، کبھی قید، کبھی ان کے گھر اجاڑے گئے، کبھی ظالم بادشاہ ان پر مسلط ہوئے، کبھی وہ جلاوطن کیے گئے۔

وہ چیز جس کے یہ آثار ظاہر ہوئے، اگر نافرمانی نہیں تھی تو پھر کیا تھی؟ ان قصوں کو جابجا ذکر فرمایا گیا اور نہایت مختصر الفاظ میں اس کی وجہ ارشاد ہوئی:

"وما کان اللہ لیظلمهم ولکن کانوا انفسهم یظلمون"

یعنی "اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ ان پر ظلم کرتے لیکن وہ تو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔"

دیکھئے، ان لوگوں نے اسی گناہ کی بدولت دنیا میں کیا خرابیاں بھگتیں، امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ جب قبرص فتح ہوا، جبیر بن نفیر نے ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ اکیلے بیٹھے رو رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ اے ابو درداء ایسے مبارک دن میں رونا کیسا؟ جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت دی، انہوں نے جواب دیا کہ اے جبیر! افسوس ہے کہ تم نہیں سمجھتے، جب کوئی قوم اللہ کے حکم کو ضائع کر دیتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسی ذلیل و بے قدر ہو جاتی ہے، دیکھو، کہاں تو یہ قوم برسر حکومت تھی، خدا کا حکم چھوڑ نا تھا کہ ذلیل و خوار ہوئی، جس کو تم اس وقت ملاحظہ کر رہے ہو۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان الرجل یحرم الرزق بالذنب یصیبہ "یعنی بے شک آدمی محروم ہو جاتا ہے رزق سے گناہ کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔

ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمانے لگے: "پانچ چیزیں ہیں، میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ، جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں گے وہ طاعون میں مبتلا ہوں گے اور ایسی ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوں گے جو ان کے بڑوں کے وقت میں نہیں ہوئیں اور جب کوئی قوم ناپنے تولنے میں کمی کرے گی قحط اور تنگی اور ظلم حکام میں مبتلا ہو گی اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو مگر بند کیا جائے گا بارانِ رحمت ان سے، اگر بہائم نہ ہوتے تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی، اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلط فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو غیر قوم سے جو زبردستی لے لیں گے ان کے اموال کو۔

ابن ابی الدنیا روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زلزلہ کا سبب دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: جب لوگ زنا کو امر مباح کی طرح بے باکی سے کرنے لگتے ہیں اور شرابیں پیتے ہیں اور معازف (باجے) بجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو آسمان میں غیرت آتی ہے، زمین کو حکم فرماتے ہیں کہ ان کو ہلا ڈال۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جا بجا شہر میں حکم نامے بھیجے، جن کا مضمون یہ ہے:

"بعد حمد و صلوٰۃ کے مدعا یہ ہے کہ یہ زلزلہ زمین کا، علامت عتاب الٰہی ہے، میں نے تمام شہروں میں لکھ بھیجا ہے کہ فلاں تاریخ فلاں مہینے میں میدان میں نکلیں یعنی دعا و تضرع کے لئے اور جس کے پاس کچھ روپیہ، پیسہ بھی ہو وہ خیرات بھی کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی"

اور کہو کہ جس طرح آدم علیہ السلام نے کہا تھا:

"ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین"

اور جس طرح نوح علیہ السلام نے کہا تھا:

"وان لم تغفر لی وترحمنی اکن من الخسرین"

اور جس طرح یونس علیہ السلام نے کہا تھا:

"لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین"

ابن ابی الدنیا نے روایت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ عزوجل بندوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں، بچے بکثرت مرتے ہیں اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں کتب حکمت میں پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، بادشاہوں کا مالک ہوں، ان کا دل میرے ہاتھ میں ہے، بس جو شخص میری اطاعت کرتا ہے میں ان بادشاہوں کا دل اس پر مہربان کر دیتا ہوں اور جو میری نافرمانی کرتا ہے میں انہی بادشاہوں کو اس شخص پر عقوبت (بطور سزا) مقرر کرتا ہوں، تم بادشاہوں کو برا کہنے میں مشغول مت ہو، میری طرف رجوع کرو، میں ان کو تم پر نرم کر دوں گا۔

امام احمدؒ نے وہب سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی غضبناک ہوتا ہوں لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک رہتا ہے۔

امام احمدؒ نے وکیع سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط میں لکھا: جب بندہ اللہ تعالیٰ کی بے حکمی (نافرمانی) کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والا خود بخود ہجو (برائی) کرنے لگتا ہے۔ بہت سی احادیث و آثار میں گناہ کی مضرتیں جو دنیا میں پیش آتی ہیں، مذکور ہیں اب بعض نقصانات ترتیب و تفصیل سے مرقوم (ذکر) ہوتے ہیں:

(۱)......ایک اثر معاصی کا یہ ہے کہ آدمی علم سے محروم رہتا ہے کیونکہ علم ایک باطنی نور ہے اور معصیت سے نور باطن بجھ جاتا ہے، امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کو وصیت فرمائی تھی:

"انی اری اللہ تعالیٰ قد القیٰ علی قلبک نورا فلا تطفئہ بظلمۃ المعصیۃ "یعنی میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلب میں ایک نور ڈالا ہے سو تم اس کو تاریکی معصیت سے مت بجھا دینا۔

(۲)......رزق کم ہو جاتا ہے۔

(۳)...... عاصی (گناہ گار) گناہ گار کو خدائے تعالیٰ سے ایک وحشت سی رہتی ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ ذرا بھی ذوق ہو وہ تو سمجھ سکتا ہے۔ کسی شخص نے ایک عارف سے وحشت کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا: "اذا کنت قد وحشتک الذنوب فدعا اذا شئت واستانس "(جب تمہیں گناہوں کی وجہ سے وحشت ہو تو وہ ما نگو اور اللہ سے انس پیدا کر لو)

(۴)......معصیت کرنے سے آدمیوں سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے، خصوصاً نیک لوگوں سے، ان کے پاس بیٹھ کر دل نہیں لگتا اور جس قدر وحشت بڑھتی جاتی ہے، ان سے دور اور ان کے برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ مجھ سے کبھی معصیت سرزد ہو جاتی ہے تو اس کا اثر اپنی بی بی اور جانور کے اخلاق میں پاتا ہوں کہ وہ پوری طرح مطیع نہیں رہتے۔

(۵)...... عاصی کو اکثر کارروائیوں میں دشواری پیش آتی ہے جیسے تقویٰ کرنے سے کامیابی کی راہیں نکل آتی ہیں، ایسے ہی ترک تقویٰ سے کامیابی کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔

(۶)......قلب میں ایک تاریکی سی معلوم ہوتی ہے، ذرا بھی دل میں غور کیا جائے تو یہ ظلمت صاف محسوس ہوتی ہے، اس ظلمت کی قوت سے ایک حیرت پیدا ہو جاتی ہے اس سے بدعت و ضلالت و جہالت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے اور اس ظلمت کا اثر قلب سے آنکھ میں آتا ہے اور پھر چہرہ پر ہر شخص کو یہ سیاہی نظر آنے لگتی ہے، فاسق کیسا ہی حسین و جمیل ہو، مگر اس کے چہرہ پر ایک بے رونقی کی کیفیت ضرور ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نیکی کرنے سے چہرہ پر رونق، قلب میں نور، رزق میں وسعت، بدن میں قوت، لوگوں کے قلوب میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بدی کرنے سے چہرہ پر بے رونقی، قبر اور قلب میں ظلمت، بدن میں سستی، رزق میں تنگی، لوگوں کے دلوں میں بغض ہوتا ہے۔

(۷)......معصیت سے دل اور جسم میں کمزوری پیدا ہوتی ہے، دل کی کمزوری تو ظاہر ہے کہ امور خیر کی ہمت گھٹتے گھٹتے بالکل نابود (ختم) ہو جاتی ہے، رہ گئی بدن کی کمزوری سو بدن تو قلب کے تابع ہے جب یہ کمزور ہے تو وہ بھی ضعیف ہوگا، دیکھو تو کفار فارس و روم کیسے قوی الجثہ (بہادر) تھے مگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔

(۸)......آدمی طاعت سے محروم ہو جاتا ہے، آج ایک اطاعت گئی کل دوسری چھوٹ گئی، پرسوں تیسری رہ

گئی یوں ہی سلسلہ وار تمام نیک کام گناہ کی بدولت اس کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، جیسے کسی نے ایک لقمہ لذیذ ایسا کھایا جس سے ایسا مرض پیدا ہوگیا کہ ہزاروں لذیذ کھانوں سے محروم کردیا۔

(۹) ..... معصیت سے عمر گھٹتی ہے اور اس کی برکت گھٹتی ہے کیونکہ (بر) نیکی سے عمر بڑھ جانا حدیث صحیح سے ثابت ہے تو فجور (گناہ) سے گھٹنا اسی سے سمجھ لیجئے۔

اور یہ شبہ نہایت ضعیف ہے کہ عمر تو مقدر ہے وہ کیسے گھٹ اور بڑھ سکتی ہے؟ عمر کی کیا تخصیص ہے یہ سب چیزیں مقدر ہی ہیں، امیری اور غریبی، صحت و مرض سب میں یہی شبہ ہوسکتا ہے، مگر پھر بھی ان امور کو اسباب کے ساتھ مربوط (جڑا) سمجھ کر تدبیر کا استعمال کیا جاتا ہے، یہی حال عمر کا سمجھ لینا چاہئے۔

(۱۰)..... ایک معصیت دوسری معصیت کا سبب ہوجاتی ہے اور وہ تیسری کا، اسی طرح شدہ شدہ (آہستہ آہستہ) معاصی کی کثرت ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ عاصی گناہوں میں گھر جاتا ہے، دوسرے یہ کہ کرتے کرتے اس کی عادت ہوجاتی ہے کہ چھوڑنا دشوار ہوتا ہے، پھر اس کو اسی ضرورت سے کرتا ہے کہ نہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہے اور پھر اس کمبخت میں لطف و لذت بھی نہیں رہتی۔

(۱۱)..... گناہ کرنے سے ارادہ توبہ کا کمزور ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ بالکل توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، اسی حالت میں موت آجاتی ہے۔

(۱۲)..... چند روز میں اس معصیت کی برائی دل سے نکل جاتی ہے، اس کو برا نہیں سمجھتا، نہ اس بات کی پرواہ ہوتی ہے کہ کوئی دیکھ لے گا بلکہ خود تفاخراً اس کا ذکر کرتا ہے، ایسا شخص معافی سے دور ہوجاتا ہے، جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کل امتی معافی الاالمجاھرین وان من الاجھاران یستر اللہ علی العبد ثم یصبح یفضح نفسہ ویقول یا فلان عملت یوم کذا وکذافضح نفسہ و قد بات سترہ ربہ"

خلاصہ مطلب کا یہ ہے کہ سب کے لئے معافی کی امید ہے مگر جو لوگ کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں اور یہ بھی کھلم کھلا ہی کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ستاری فرمائی تھی مگر صبح کو خود اپنے کو فضیحت (رسوا) کرنا شروع کیا کہ میاں ہم نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا، خود اپنی پردہ دری کی، حالانکہ خدا تعالیٰ نے چھپالیا تھا۔

کبھی گناہ کی برائی کم ہوتے ہوتے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اسی واسطے ایک بزرگ کا قول ہے کہ "تم تو گناہوں سے ڈرتے ہو اور مجھے کفر کا خوف ہے۔"

(۱۳)..... ہر معصیت دشمنانِ خدا میں سے کسی کی میراث ہے تو گویا یہ شخص ان ملعونوں کا وارث بنتا ہے، مثلاً لواطت قوم لوط کی میراث ہے، کم ناپنا کم تولنا قوم شعیب کی میراث ہے، غلو و فساد فرعون اور اس کی قوم کی میراث ہے، تکبر و تجبر قوم ہود کی، تو یہ عاصی ان لوگوں کی وضع و ہیئت بنائے ہوئے ہیں، مسند احمد میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من تشبہ بقوم فھو منھم" یعنی جو شخص کسی قوم کی وضع بنائے اس کا شمار انہیں میں ہے۔

(۱۴)..... گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شخص بے قدر و خوار ہوجاتا ہے اور جب خالق کے نزدیک خوار و ذلیل ہوگیا تو مخلوق میں بھی اس کی عزت نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم﴾

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اگرچہ لوگ اس کے ظلم و شرارت کے خوف سے اس کی تعظیم کرتے ہوں مگر کسی کے دل میں عظمت نہیں رہتی۔

(۱۵)..... گناہ کی نحوست جیسے اس شخص کو پہنچتی ہے، اسی طرح کا ضرر دوسری مخلوقات کو بھی پہنچتا ہے، وہ سب

اس پر لعنت کرتے ہیں، گناہ کی سزا تو الگ ہوگی، یہ لعنت اس پر طرہ (اضافی) ہے، مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ "بہائم (جانور) نافرمانی کرنے والے آدمیوں پر لعنت کرتے ہیں جبکہ قحط سخت ہوتا ہے اور بارش رک جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ابن آدم کے گناہ کی نحوست سے ہے۔"

(۱۶)..... گناہ کرنے سے عقل میں فتور و فساد آجاتا ہے کیونکہ عقل ایک نورانی چیز ہے کدورت و معصیت سے اس میں کمی آجاتی ہے، بلکہ خود گناہ کرنا کم عقلی کی دلیل ہے اگر اس شخص کی عقل ٹھکانے ہوتی تو ایسی حالت میں کہیں گناہ ہوسکتا ہے کہ یہ شخص خدا کی قدرت میں ہے، ان کے ملک میں رہتا ہے اور وہ دیکھ بھی رہے ہیں، ان کے فرشتے گواہ بن رہے ہیں، قرآن مجید منع کررہا ہے، ایمان منع کررہا ہے، موت منع کررہی ہے، دوزخ منع کررہی ہے، گناہ کرنے سے اس قدر سرور و لذت نصیب نہ ہوگا، جس قدر دنیا اور آخرت کے منافع اس سے فوت ہوگئے، بھلا کوئی سلیم عقل والا ان باتوں کے ہوتے ہوئے گناہ کرسکتا ہے؟؟

(۱۷)..... گناہ کرنے سے یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت میں داخل ہوجاتا ہے، کیونکہ آپ نے بہت سے گناہوں پر لعنت فرمائی ہے اور جو گناہ ان گناہوں سے بڑھ کر ہیں ان پر تو بدرجہ اولیٰ استحقاق لعنت ہے، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو (جسم) گودے اور گدوائے اور جو غیر کے بال اپنے بالوں میں ملا کر دراز کرے اور جو دوسرے سے یہ کام لے اور لعنت فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پر اور دینے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہ پر، اور لعنت فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ ہو، یعنی جب نکاح میں اس کو شرط ٹھہرایا جائے اور لعنت فرمائی ہے چور پر اور لعنت فرمائی ہے شراب پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے پر اور بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر، اور اس کے دام کھانے والے پر اور جو اس کو لاد کر لائے اور جس کے لئے لاد کر لائی جائے، اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو اپنے باپ کو برا کہے اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو جاندار چیز کو نشانہ بناوے اور لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی وضع بنائیں اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے، اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو دین میں کوئی نئی بات نکالے یا ایسے شخص کو پناہ دے اور لعنت فرمائی ہے تصویر بنانے والے پر اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو قوم لوط کا سا عمل کرے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو کسی جانور سے صحبت کرے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو جانور کے چہرہ پر داغ لگائے اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ فریب کرے اور لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جائیں اور ان لوگوں پر جو وہاں پر سجدہ کریں یا چراغ رکھیں اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو کسی عورت کو اس کے خاوند سے یا غلام کو اس کے آقا سے بہکا کر بگڑ کائے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو کسی عورت کے پیچھے کے مقام میں صحبت کرے اور ارشاد فرمایا کہ جو عورت اپنے خاوند سے خفا ہوکر رات کو الگ رہے صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور سے نسب ملائے اور فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی طرف لوہے (اسلحہ) سے اشارہ کرے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہے اور لعنت فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر جو زمین میں فساد مچائے اور قطع رحمی کرے اور اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو احکام خداوندی کو چھپائے اور لعنت فرمائی ہے ان لوگوں پر جو پارسا بیبیوں کو جو کہ ان قصوں کی خبر تک نہیں اور ایمان دار ہیں، زنا کی تہمت لگائے اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو کافروں کو مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھیک بتائے اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو رشوت دے اور جو لے اور جو درمیان میں پڑے اور بہت سے افعال پر لعنت وارد ہوئی ہے، اگر گناہ میں اور بھی کوئی ضرر نہ ہوتا تو یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ اللہ ورسول کی لعنت کا مورد ہوگیا!!! نعوذ باللہ

(۱۸)...... گناہ کرنے سے فرشتوں کی دعا سے محروم ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الذین یحملون العرش و من حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ ویستغفرون للذین آمنوا ربنا وسعت کل شی رحمۃ وعلماً فاغفر للذین تابوا و اتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم" خلاصہ مطلب یہ ہے کہ "جو فرشتے عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے گرد وپیش ہیں وہ تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں کہ یا اللہ! آپ کی رحمت اور علم بہت وسیع ہے، ایسے لوگوں کو بخش دیجئے جو آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ کی راہ کی پیروی کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو عذاب جہنم سے بچالیجئے۔"

دیکھئے اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ فرشتے ان مومنوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ پر چلتے ہیں جس حالت میں گناہ کرے تو وہ راہ چھوڑ دی اس دولت کا کہاں مستحق رہا۔

(۱۹)...... گناہ کرنے سے طرح طرح کی خرابیاں زمین میں پیدا ہوتی ہیں۔ پانی، ہوا، غلہ اور پھل ناقص ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس" (الروم) یعنی "ظاہر ہوگیا بگاڑ جنگل اور بستی میں بسبب ان اعمال کے جن کو لوگوں کے ہاتھ کررہے ہیں" اور امام احمد نے ایک حدیث کے ضمن میں فرمایا ہے کہ "میں نے بنی امیہ کے کسی خزانہ میں گیہوں کا دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر دیکھا، ایک تھیلی میں تھا" اور اس پر یہ لکھا تھا کہ یہ زمانہ عدل میں پیدا ہوتا تھا اور بعض صحرائی لوگوں کا بیان ہے کہ پہلے زمانے کے پھل اس وقت کے پھلوں سے بڑے ہوتے تھے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آئے گا چونکہ اس وقت طاعت کی کثرت ہوگی اور زمین گناہوں سے پاک ہوجائے گی پھر اس کی برکتیں عود (لوٹ) کر آئیں گی یہاں تک کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ "ایک انار بڑی جماعت کو کافی ہوگا اور وہ اس کے سایہ میں بیٹھ سکیں گے انگور کا خوشہ اتنا بڑا ہوگا کہ ایک اونٹ پر بار ہوگا۔" اس سے معلوم ہوا کہ یہ روز روز کی بے برکتی ہماری خطا اور گناہ کا ثمرہ ہے۔

(۲۰)...... گناہ کرنے سے غیرت جاتی رہتی ہے اور جب شرم نہیں رہتی تو یہ شخص جو کچھ کر گزرے اس شخص کا کچھ اعتبار نہیں۔

(۲۱)...... گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے دل سے نکل جاتی ہے، بھلا اگر خداوندی عظمت اس کے دل میں ہوتی تو مخالفت پر قدرت ہوسکتی؟! جب اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھی اس کی عزت نہیں رہتی، پھر یہ شخص اور لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل وخوار ہوجاتا ہے۔

(۲۲)...... گناہ کرنے سے نعمتیں سلب (چھین) ہوجاتی ہیں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا ہجوم ہوتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں: "نہیں نازل ہوئی کوئی بلا مگر بسبب گناہ کے اور نہیں دور ہوئی کوئی بلا مگر بسبب توبہ" کے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر"

یعنی "جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب سے آتی ہے اور بہت سی باتوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں" اور ارشاد ہے:

"ذلک بان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمھا علیٰ قوم حتیٰ یغیر وا ما بانفسھم"

یعنی "یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اس نعمت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے ذاتی حالات کو بدل ڈالیں" اس سے معلوم ہوا کہ زوال نعمت، گناہ ہی سے ہوتا ہے۔

(۲۳)...... گناہ کرنے سے مدح و شرف کے القاب سلب ہوکر مذمت اور ذلت کے خطاب ملتے ہیں، مثلاً نیک کام کرنے سے یہ القاب عطا ہوئے تھے، مومن، مطیع، نجیب، ولی، ورع، مصلح، عابد، خائف، اواب، طیب، رضی، تائب، حامد، راکع، ساجد، مسلم، قانت، صادق، صابر، خاشع، متصدق، صائم، عفیف، ذاکر وغیرہ وغیرہ، جب برا کام کیا تو یہ خطابات ملے، فاجر، فاسق، عاصی، مخالف، مسی، مفسد، خبیث، مسخوط، زانی، سارق، قاتل، کاذب، خائن، لوطی، قاطع رحم، متکبر، ظالم، ملعون، جاہل وغیرہ وغیرہ۔

(۲۴)...... گناہ کرنے سے شیاطین اس پر مسلط ہوجاتے ہیں کیونکہ اطاعت ایک خداوندی قلعہ ہے جس کے سبب اعداء (دشمنوں) کے غلبہ سے محفوظ رہتا ہے، جب قلعہ سے باہر نکلا تو دشمنوں نے گھیر لیا پھر وہ شیاطین جس طرح چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں اور اس کے قلب وزبان، دست و پا (ہاتھ پاؤں) چشم وگوش سب اعضا کو معاصی میں غرق کردیتے ہیں۔

(۲۵)...... گناہ کرنے سے قلب کا اطمینان جاتا رہتا ہے، کچھ پریشان سا ہوجاتا ہے ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کسی کو خبر نہ ہوجائے۔ کہیں عزت میں فرق نہ آجائے، کوئی بدلہ نہ لینے لگے، میرے نزدیک معیشۃ ضنک بمعنی تنگ زندگی کے یہی معنی ہیں۔

(۲۶)...... گناہ کرتے کرتے وہی دل میں بس جاتا ہے، یہاں تک کہ مرتے وقت کلمہ تک منہ سے نہیں نکلتا، بلکہ جو افعال حالت حیات میں غالب تھے، وہی اس وقت بھی سرزد ہوتے ہیں۔ ایک تاجر اپنے عزیز کی حکایت بیان کرتا ہے کہ مرتے وقت اس کو کلمہ کی تلقین کرتے تھے اور وہ یہ بک رہا تھا کہ یہ کپڑا بڑا نفیس ہے، یہ خریدار بہت خوش معاملہ ہے، آخر اسی حالت میں مرگیا، کسی سائل کی حکایت ہے کہ مرتے وقت کہتا تھا اللہ کے واسطے ایک پیسہ، اللہ کے واسطے ایک پیسہ، اسی میں تمام ہوگیا اسی طرح ایک شخص کو نزع کے وقت کلمہ پڑھانے لگے، کہنے لگا، آہ آہ میرے منہ سے کلمہ نہیں نکلتا اور بھی بہت سے حالات اس وقت بنے کہ ہم کو معلوم بھی نہیں ہوتے، خدا جانے اوکیا گزرتی ہوگی، خدا کی پناہ۔

(۲۷)...... گناہ کرنے سے خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی ہوجاتی ہے، اس وجہ سے توبہ نہیں کرتا اور بے توبہ مرتا ہے، کسی شخص سے مرتے وقت کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ کہہ تو اس نے گانا شروع کیا اور کہنے لگا کہ جو کلمہ مجھ سے پڑھواتے ہو، اس سے مجھ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے کوئی گناہ تو میں نے چھوڑا نہیں، آخر کلمہ نہ پڑھا اور رخصت ہوا، کسی اور شخص سے کلمہ پڑھوانے لگے تو بولا: اس کلمہ سے کیا ہوگا؟ میں نے کبھی نماز تک تو پڑھی نہیں، وہ بھی یوں ہی مرا، کسی اور شخص سے کلمہ پڑھنے کو کہا، کہنے لگا: میں تو اس کلمہ کا منکر ہوں اور چل دیا، ایک شخص نے یہ بیان کیا کہ کوئی میری زبان پکڑ لیتا ہے۔ اللھم احفظنا

خلاصہ کلام:...... یہ چند مضرتیں (نقصانات) دنیوی جو گناہ کرنے والے لاحق ہوتی ہیں اور علاوہ ان کے بہت سے ضرر ظاہری وباطنی ہیں جو قرآن وحدیث میں غور کرنے سے اور خود دل میں سوچنے سے بہت جلد سمجھ میں آسکتے ہیں اور آخرت میں جو مضرتیں ہیں وہ الگ رہیں، عاقل ہرگز پسند نہیں کرسکتا کہ ذرا سی اشتہائے کاذب کے لئے اتنا بڑا پہاڑ مصائب اور کلفتوں کا اپنے سر پر لے، روزانہ معاملات میں جس چیز میں مفاسد اور مضرتیں غالب ہوتی ہیں، آدمی اس کے پاس نہیں پھٹکتا، یہی برتاؤ معاصی کے ساتھ کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی نافرمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین!

☆......☆......☆

تعلیمِ قرآن کی اہمیت



حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

قرآن کریم کے تین حقوق:..... قرآن کریم کے کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپر مقرر فرمائے گئے ہیں، وہ تین حقوق ہیں: پہلا حق یہ ہے کہ قرآن کریم کی صحیح طریقے سے اس طرح تلاوت کرنا جس طرح وہ نازل ہوا اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاوت فرمائی۔ دوسرا حق یہ ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور اس کے حقائق اور معارف کو اپنے دل میں اتارنا، تیسرا حق یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات اور ہدایات پر عمل کرنا۔ اگر قرآن کریم کے یہ تین حقوق کوئی شخص ادا کرے، تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے قرآن کریم کا حق ادا کر دیا، لیکن اگر ان تین میں سے کسی ایک حق کی ادائیگی نہ کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کا حق ادا نہیں کیا۔۔۔۔۔

تلاوت قرآن خود مقصود ہے:..... سب سے پہلا حق ہے صحیح طریقے پر تلاوت کرنا، آج کل لوگوں میں پروپیگنڈا کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کو طوطا مینا کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ، جب تک کہ انسان اس کے معنی اور مطلب نہ سمجھے اور اس کے مفہوم کا اس کو ادراک نہ ہو، اس طرح بچوں کو قرآن کریم رٹانے سے کیا حاصل ہے؟ (العیاذ باللہ) یاد رکھئے! یہ شیطان کی طرف سے بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے جو مسلمانوں کے اندر پھیلایا جا رہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جن مقاصد کے لئے بھیجا گیا، قرآن کریم نے ان کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا۔ ان مقاصد میں دو چیزوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا۔ ایک طرف فرمایا: "یتلوا علیہم آیاتہ" اور دوسری طرف فرمایا: "ویعلمہم الکتٰب

والحکمۃ"

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے تشریف لائے، تاکہ کتاب اللہ کی آیات لوگوں کے سامنے تلاوت کریں، لہٰذا تلاوت کرنا ایک مستقل مقصد ہے اور ایک مستقل نیکی اور اجر کا کام ہے، چاہے سمجھ کر تلاوت کرے یا بے سمجھے تلاوت کرے اور یہ تلاوت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے جس کو سب سے پہلے ذکر فرمایا:" یتلو علیہم آیاتہ"

قرآن کریم اور فن تجوید:..... اور قرآن کریم کی تلاوت ایسی بے وقعت چیز نہیں کہ جس طرح چاہا تلاوت کر لیا، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو باقاعدہ تلاوت کرنے کا طریقہ سکھایا اور اس کی تعلیم دی کہ کس لفظ کو کس طرح ادا کرنا ہے، کس طرح زبان سے نکالنا ہے، اس کی بنیاد پر دو مستقل علوم وجود میں آئے، جن کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ہے۔ ایک علم تجوید، دوسرا علم قرأت، علم تجوید سکھاتا ہے کہ قرآن کریم کو پڑھنے کے لئے کس حرف کو کس طرح نکالا جائے گا اور کس حرف کو نکالنے کے لئے کن باتوں کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے اور اس علم کے اندر وہ طریقہ بتایا گیا ہے جس طریقے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم پڑھا اور اس علم پر بے شمار کتابیں موجود ہیں جس میں علمائے کرام نے محنت کر کے اس علم کو مرتب کیا ہے، اس علم کی نظیر دنیا کی کسی دوسری قوم کے پاس نہیں ہے کہ الفاظ کی ادائیگی کے لئے کیا کیا طریقے ہوتے ہیں اور کس طرح الفاظ کو زبان سے نکالا جاتا ہے۔ یہ صرف امت مسلمہ کی خصوصیت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے اور یہ علم آج تک اس طرح محفوظ ہے کہ آج پورے اطمینان کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآن کریم پڑھا تھا اور جس طرح آپ پر قرآن کریم نازل کیا گیا تھا، الحمد للہ، اسی شکل و صورت میں وہ قرآن کریم آج بھی محفوظ ہے، کوئی شخص اس کے اندر کسی قسم کی تبدیلی نہیں لا سکا۔

قرآن کریم اور علم قرأت:..... دوسرا قرأت کا علم ہے، وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا تو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم پڑھنے کے کئی طریقے بھی نازل فرما دیئے گئے کہ اس لفظ کو اس طرح بھی پڑھا جا سکتا ہے اور اس طرح بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کو "علم قرأت" کہتے ہیں۔ اس علم کو بھی امت مسلمہ نے جوں کا توں محفوظ رکھا اور آج تک محفوظ چلا آ رہا ہے۔

یہ پہلی سیڑھی ہے:..... بہرحال، تلاوت بذات خود ایک مقصد ہے اور یہ کہنا کہ بغیر سمجھے صرف الفاظ کو پڑھنے سے کیا حاصل؟ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ یاد رکھئے! دوسری منزل پر قدم رکھ ہی نہیں سکتا، جب تک پہلی سیڑھی پر قدم نہ رکھ لے، قرآن کریم سمجھے بغیر پڑھنا پہلی سیڑھی ہے، اس سیڑھی کو پار کرنے کے بعد دوسری سیڑھی کا نمبر آتا ہے، اگر کسی شخص کو پہلی سیڑھی پار کرنے کی توفیق نہ ہوئی تو دوسری سیڑھی تک کیسے پہنچے گا۔

ہر حرف پر دس نیکیاں:..... اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو ہر حرف کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ لہٰذا جس شخص نے "الٓمٓ" پڑھا تو اس کے نامۂ اعمال میں تیس نیکیوں کا اضافہ ہو گیا۔ اگرچہ بعض علماء نے تو اس حدیث کی تشریح میں یہ فرمایا کہ "الٓمٓ" پڑھنے پر نوے نیکیاں لکھی جائیں گی، کیونکہ خود "الف" تین حرفوں پر مشتمل ہے اور "لام" بھی تین حرفوں پر مشتمل ہے اور "میم" بھی تین حرفوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح یہ نو حروف ہوئے اور ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے تو اس طرح نوے نیکیاں

اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔ اتنی فضیلت تلاوت قرآن کریم پر اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔

"نیکیاں" آخرت کی کرنسی:...... آج ہمارے دلوں میں نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اضافے کی اہمیت اور اس کی قدر معلوم نہیں ہوتی، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ یہ نیک کام کرو گے تو تمہیں نوے روپے ملیں گے تو اس کی ہمارے دلوں میں بڑی قدر و منزلت ہوتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آج ہمیں ان نیکیوں کی قدر معلوم نہیں، لیکن یاد رکھئے! یہ نیکیاں ہی درحقیقت آخرت کی کرنسی ہیں، جب تک یہ ظاہری آنکھ کھلی ہوئی ہے اور جب تک انسان کا سانس چل رہا ہے، اس وقت تک اس نیکی کا اجر و ثواب اور اس کا حقیقی فائدہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا، لیکن جب یہ آنکھ بند ہوگی اور آخرت کا اور برزخ کا عالم شروع ہوگا تو اس وقت تم وہاں نہ تو پیسے ساتھ لے جاسکو گے اور نہ روپے ساتھ لے جاسکو گے، وہاں تو صرف یہ سوال ہوگا کہ کتنی نیکیاں اپنے اعمال میں لے کر آئے ہو؟ اس وقت ان نیکیوں کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

ہم نے تلاوت قرآن کریم چھوڑ دی:...... بہر حال، قرآن کریم کی تلاوت مستقل فضیلت کا باعث اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء اسلام سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا معمول رہا ہے کہ صبح کو بیدار ہونے کے بعد جب تک قرآن کریم کی تھوڑی سی تلاوت نہ کر لیتے، اس وقت تک دنیا کے دوسرے کاموں میں نہیں لگتے تھے۔ صبح کے وقت مسلمانوں کے محلے سے گزریں تو گھر گھر سے قرآن کریم کی تلاوت کی آوازیں آیا کرتی تھیں اور تلاوت کی آواز آنا یہ مسلمانوں کے محلے کی نشانی تھی۔ افسوس ہے کہ آج ہم نے ایک طرف کفر اور شرک سے بھی آزادی حاصل کر لی اور دوسری طرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور ان کی تعلیمات سے اور دین سے بھی آزاد ہوگئے اور اب ہر سال آزادی کا جشن منایا جاتا ہے، چراغاں کیا جاتا ہے، جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں کہ ہمیں آزادی حاصل ہوگئی۔ لیکن ایسی آزادی حاصل ہوئی کہ اس کے بعد ہم دین سے بھی آزاد ہوگئے اور اس کے نتیجے میں نہ ہماری جانیں محفوظ ہیں، نہ مال محفوظ ہے، نہ آبرو محفوظ ہے بلکہ فسق و فجور کا بازار گرم ہے۔ اسی کو ہم نے آزادی کا نام دے دیا اور اب ہماری پوری قوم یہ عذاب بھگت رہی ہے۔

قرآن کریم کی لعنت سے بچیں:...... آج قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا نہیں ملتا اور اگر کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا بھی ہے تو وہ اس طرح تلاوت نہیں کرتا جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات انسان تلاوت کرتا ہے لیکن قرآن کریم کے حروف اس کو لعنت کر رہے ہوتے ہیں، اس لئے کہ قرآن کریم کو بگاڑ کر پڑھتا ہے اور صحیح طریقے سے پڑھنے کی فکر، دھیان اور خیال نہیں ہے، اگر ایک شخص آج ہی مسلمان ہوا اور وہ غلط طریقے سے قرآن کریم پڑھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معذور ہے، لیکن اگر کسی نے ساری عمر گزار دی، پھر بھی سورۂ فاتحہ صحیح طریقے سے پڑھنا نہ آئی تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا عذر پیش کرے گا۔ اس لئے ہمیں اس طرح تلاوت کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا۔ یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے جس کے بغیر وہ قرآن کریم کا پہلا حق بھی ادا نہیں کرسکتا۔ دوسرا حق اور تیسرا حق تو وہ کیا ادا کرے گا۔

ایک صحابی کا واقعہ: ..... ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمان قرآن کریم کے الفاظ سیکھنے کے لئے محنتیں اور مشقتیں اور قربانیاں دیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک صحابی عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میں اس وقت بچہ تھا اور میرا گاؤں مدینہ منورہ سے بہت فاصلے پر تھا۔ میرے قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی دولت قرآن کریم ہے، مجھے یہ خواہش ہوئی کہ میں قرآن کریم کے الفاظ یاد کروں، اس کا علم سیکھوں، لیکن پوری بستی میں قرآن کریم پڑھانے والا کوئی نہیں تھا اور قرآن کریم سیکھنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ چنانچہ میں یہ کرتا کہ میری بستی کے باہر قافلوں کے گزرنے کا جو راستہ تھا، روزانہ صبح کے وقت وہاں جا کر کھڑا ہو جاتا، جب کوئی قافلہ گزرتا تو میں پوچھتا کہ کیا یہ قافلہ مدینہ منورہ سے آیا ہے؟ جب قافلے والے بتاتے کہ ہم مدینہ منورہ سے آئے ہیں تو پھر ان سے درخواست کرتا کہ آپ میں سے کسی کو قرآن کریم کا کچھ حصہ یاد ہو تو مجھے سکھا دیں، جن کو یاد ہوتا میں ان سے وہ حصہ یاد کر لیتا۔ یہ میرا روزانہ کا معمول تھا۔ اس طرح چند مہینوں کے اندر میں اپنی بستی میں سب سے زیادہ قرآن کریم کا یاد کرنے والا ہوگیا اور سب سے زیادہ سورتیں مجھے یاد تھیں۔ چنانچہ جب میری بستی میں مسجد کی تعمیر ہوئی اور امامت کے لئے کسی کو آگے بڑھانے کا وقت آیا تو لوگوں نے مجھے آگے کر دیا، اس لئے کہ سب سے زیادہ قرآن کریم مجھے یاد تھا۔

قرآن کریم اسی طرح محفوظ ہے:...... بہر حال، اس طرح لوگوں نے محنت اور مشقت کر کے قرآن کریم حاصل کیا اور انہی کی محنت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج "الحمدللہ" یہ قرآن کریم بفضلہ تعالیٰ صحیح شکل و صورت میں موجود ہے اور نہ صرف الفاظ بلکہ معانی بھی محفوظ ہیں۔ آج الحمدللہ پورے اطمینان کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی وہ صحیح تفسیر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ تک اور صحابہ کرامؓ سے لے کر ہم تک پہنچی ہے وہ اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ ہے، اس میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کے الفاظ کی حفاظت کا انتظام فرمایا ہے، اسی طرح اس کے معانی کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا ہے۔

عربی لغت کی حفاظت کا ایک طریقہ:...... معانی کی حفاظت کس طرح فرمائی؟ اس کی ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں، ایک بزرگ اور عالم گزرے ہیں، علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ، ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "معجم البلدان" اس کتاب میں انہوں نے اپنے زمانے تک کے مشہور شہروں کے حالات اور ان کی تاریخ بیان فرمائی ہے۔ گویا کہ یہ جغرافیہ اور تاریخ کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو قبیلے تھے: ایک کا نام عکاد اور دوسرے کا نام ضرائب تھا۔ ان دونوں کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی مہمان دوسرے شہر اور دوسری بستی کا ان کے قبیلے میں آتا تو یہ لوگ اس مہمان کو اپنے یہاں تین دن سے زیادہ ٹھہرنے نہیں دیتے تھے۔ حالانکہ اہل عرب بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں اور مہمان کی آمد پر خوشیاں مناتے ہیں، لیکن عکاد اور ضرائب کے قبیلے کے لوگ مہمان کو اپنے یہاں تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم مہمانوں کو تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرنے دیتے؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی باہر کا آدمی ہمارے یہاں تین دن سے زیادہ ٹھہر جائے گا تو وہ ہماری زبان خراب کر جائے گا اور زبان سے الفاظ کی ادائیگی کے طریقے، زبان کا مفہوم، زبان کے مختلف الفاظ کے معانی اور ان کے طریقہ استعمال میں وہ شخص اثر انداز ہو جائے گا اور ہماری زبان کو تبدیل کر دے گا اور ہماری زبان قرآن کریم کی زبان ہے، لہٰذا اس زبان کو محفوظ رکھنا ضروری ہے، اس وجہ سے ہم کسی مہمان کو تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے الفاظ اور اس کے معانی کو محفوظ رکھا۔

قرآن کریم کی تعلیم کیلئے بچوں کا چندہ: ..... آج قرآن کریم اور اس کے تمام علوم پکی پکائی روٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں، اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس

قرآن کریم کو اور اس کے علوم کو حاصل کریں اور اس کو اپنی زندگی کے اندر داخل کریں۔ ہمارے ملک اور شہر میں بہت سے مدارس اور مکاتب قائم ہیں جن کے اندر قرآن کریم کی تعلیم اور تعلم کا انتظام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس جگہ پر بھی ایک مدرسے کے قیام کا انتظام ہوا ہے اور اس کے لئے یہ جگہ مختص کی گئی ہے۔ بہت سے مدرسے قائم ہوتے رہتے ہیں اور ان کے لئے چندے بھی بہت کئے جاتے ہیں، لیکن جب بھی کسی مدرسے کے لئے چندے کا معاملہ سامنے آتا ہے تو مجھے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات یاد آتی ہے: وہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مدرسے کے لئے پیسوں کے چندے کا تو بڑا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ پیسوں کا چندہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ میرا یہ تجربہ ہے کہ جب ایک کام اخلاص کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرماتے ہیں اور اس کا انتظام فرماتے ہیں۔ اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہے اور اس وقت جتنے مدارس چل رہے ہیں، ان سب کے اندر جا کر کھلی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، حالانکہ وہاں کوئی اپیل نہیں ہے، کوئی چندہ نہیں ہے، کوئی سفیر نہیں ہے۔ اگر کام کے اندر اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ عطا فرما ہی دیتے ہیں۔ لیکن مدارس کے لئے اصل چندہ بچوں کا چندہ ہونا چاہئے۔ اب اگر قائم کرنے والوں نے مدرسے تو قائم کر دیئے اور اس پر پیسے بھی خرچ کر دیئے، عمارتیں بھی کھڑی کر دیں اور درس و تدریس بھی شروع ہو گیا، لیکن یہ سب ہونے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ مسلمان اس مدرسے میں اپنے بچوں کو بھیجنے کے لئے تیار نہیں، وہ مسلمان اپنے بچوں کو اس لئے بھیجنے کے لئے تیار نہیں کہ مدرسے میں بھیجنے سے نیکیاں ملتی ہیں اور دوسری جگہ بھیجنے سے روپے ملتے ہیں، تو روپے کے مقابلے میں نیکیوں کو ترجیح کس طرح دیں۔

مدرسہ عمارت کا نام نہیں:۔۔۔۔۔بہرحال، یہ مدرسہ تو قائم ہو رہا ہے، لیکن مدرسہ عمارت کا نام نہیں، مدرسہ جگہ اور پلاٹ کا نام نہیں، مدرسہ درگاہ کا نام نہیں، بلکہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کا نام مدرسہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا نام تو آپ سب نے سنا ہوگا، اتنی بڑی دینی درسگاہ، لیکن جب وہ قائم ہوا تو اس وقت اس کی نہ کوئی عمارت تھی، نہ کوئی جگہ تھی، نہ کوئی کمرہ تھا بلکہ انار کے درخت کے نیچے بیٹھ کر ایک استاد اور ایک شاگرد نے پڑھنا پڑھانا شروع کر دیا اور اس طرح "دارالعلوم دیوبند" قائم ہو گیا اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چبوترے پر پہلا مدرسہ قائم فرمایا اور ایک "صفہ" پر صحابہ کرام آکر جمع ہو گئے اور دنیا کا عظیم الشان مدرسہ قائم ہو گیا۔

اور اگر مدرسہ تو قائم ہو گیا لیکن سارے محلے کے لوگ اس سے غافل ہیں، نہ تو خود قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے کو تیار ہیں اور نہ بچوں کو اس میں بھیجنے کیلئے تیار ہیں تو اس طرح مدرسے کا حقہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ حضرات سے میری گزارش یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس مدرسے کے ساتھ مالی تعاون فرمائیں بلکہ ساتھ ساتھ اس بات کی کوشش کریں کہ لوگوں کے دلوں میں قرآن کریم سیکھنے اور پڑھنے کا اہتمام پیدا ہو اور اپنے بچوں کو بھیجیں اور جن بڑوں کا قرآن کریم صحیح نہیں ہے وہ اپنے قرآن کریم صحیح کرنے کا اہتمام کریں۔ اگر یہ کام ہم نے کر لیا تو ان شاء اللہ یہ مدرسہ بڑا کامیاب اور مفید ہوگا اور ہمارے لئے ذخیرہ آخرت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس مدرسے کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے اور اس مدرسے کے قیام میں جن لوگوں نے محنت اور کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور اس مدرسہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اس مدرسے سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ فرمائے آمین

☆......☆......☆

افضل الخلائق بعد الانبیاء

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

اہلیہ محمد ساجد میمن

زندگی کے ابتدائی دن:۔۔۔۔۔واقعہ فیل کے تین سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتویں پشت پر جا کر ملتا ہے، آپ کا نام پہلے عبدالکعبہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھا، آپ کی کنیت ابو بکر تھی، آپ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے والد محترم کا نام عثمان بن ابی قحافہ تھا اور والدہ کا نام ام الخیر سلمیٰ بنت صخر تھا۔ صدیق اور عتیق آپ کے لقب ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے آپ کو عطا فرمائے تھے۔ آپ کا خاندانی پیشہ تجارت تھا، مکہ میں آپ کے خاندان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بعثت سے قبل ہی آپ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گہری دوستی تھی، ایک دوسرے کے پاس آنا جانا تھا، ہر اہم معاملے میں صلاح و مشورہ روز کا معمول تھا، مزاج ایک جیسا ہونے کی وجہ سے آپس میں خوب محبت تھی۔ جب بعثت کا اعلان ہوا تو سب سے پہلے بالغ مردوں میں سے حضرت ابو بکرؓ نے اسلام قبول کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق: خوش نصیب ترین شخصیت، افضل الخلائق بعد الانبیاء، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار اور سفر و حضر کے ساتھی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے والد جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت کا یہ حال تھا کہ جب ایک مرتبہ صحن کعبہ میں کفار و قریش، دین اسلام کے خلاف سازشوں میں محو تھے، اتفاق سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے تو کفار کی شرارت کی حس جاگ اٹھی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا اور گردن مبارک کو چادر سے لپیٹ کر کھینچنا شروع کر دیا تو حضرت ابو بکرؓ کو کسی طرح خبر پہنچ گئی، بس پھر کیا تھا، فوراً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لئے دوڑے، لیکن کفار نے ان کی بھی پرواہ نہ کی بلکہ الٹا آپؓ کو بھی شدید تشدد کیا کہ آپؓ بے ہوش ہو گئے اور تین دنوں تک مسلسل ہوش نہیں آیا لیکن قربان جایئے حضرت ابو بکرؓ پر کہ جب بھی کچھ ہوش آتا تو زبان پر صرف ایک ہی جملہ ہوتا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں نا؟؟؟"

شجاعت :...... حضرت ابوبکرؓ شجاعت اور بہادری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، ایک دفعہ حضرت علیؓ نے سب لوگوں سے دریافت کیا کہ تم یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ سب نے جواب دیا آپ! لیکن انہوں نے دوبارہ دریافت فرمایا کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ کیونکہ میں تو اپنے برابر والے سے لڑتا ہوں، سب نے جواب دیا ہمیں نہیں معلوم، تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ حضرت ابوبکرؓ سب سے زیادہ بہادر ہیں۔ جنگ بدر میں صحابہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک سائبان سا بنا دیا پھر باہم گویا ہوئے کہ یہاں کون پہرہ دے گا؟ بظاہر کوئی بھی راضی نظر نہیں آرہا تھا لیکن اس نازک مرحلہ پر حضرت ابوبکرؓ شمشیر بکف آگے بڑھے اور اس ذمہ داری کو دل و جان سے قبول کیا اور دشمن کو قریب آنے بھی نہیں دیا۔

سخاوت :...... شجاعت کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکرؓ میں صفتِ سخاوت بھی بدرجہ اتم موجود تھی اور وہ اپنا مال ہر وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بے تاب رہتے تھے۔ آپ کی اس صفت کو تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ طوالت کے خوف سے سخاوت کے صرف ایک دو واقعات ہی یہاں تحریر کر رہی ہوں ورنہ واقعات تو بہت ہیں۔ امام احمدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی زبانی لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جتنا نفع مجھے ابوبکرؓ کے مال نے دیا، اتنا کسی اور کے مال نے نہیں دیا“۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے روتے ہوئے عرض کیا: ”میرا سب مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہے“۔

ابن عساکرؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبانی تحریر کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس اسلام قبول کرنے کے وقت چالیس ہزار دینار تھے جو آپؓ نے سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کر دیئے تھے۔ آپؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کر کے خوش ہوتے تھے۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

پروانے کو شمع، بلبل کو پھول بس
صدیق اکبر کے لئے ہے خدا کا رسول بس

مزید خصوصیات:...... اس کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کو علم الانساب میں بھی ملکہ حاصل تھا، خواب کی تعبیر بتانے میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، فن شعر سے بھی دلچسپی تھی، لیکن قبول اسلام کے بعد شعر و شاعری چھوڑ دی تھی۔ آپؓ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ قرآن دان تھے۔ ایک دفعہ چند صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، پھر وہی مسئلہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو دونوں کے جوابوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ آپؓ فصیح اللسان بھی بہت تھے، حضرت زبیرؓ بن بکار کا بیان ہے کہ میں نے سنا ہے کہ صحابہ اکرامؓ میں سب سے زیادہ فصیح مقرر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ تھے۔

فضائل صدیق اکبرؓ:...... حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس قوم میں (حضرت) ابوبکرؓ موجود ہوں، وہاں ان کے سوا کسی دوسرے کو امامت کا حق حاصل نہیں“۔

اس حدیث سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۃ المسلمین کے منصب جلیلہ پر سوائے حضرت ابوبکرؓ کے کوئی بھی فائز نہ ہو۔

☆...... حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک لشکر کا امیر بنا کر ذات السلاسل کے مقام پر بھیجا، جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ فرمایا: عائشہؓ سے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ مردوں میں کس سے زیادہ محبت ہے؟

فرمایا: عائشہ کے والد (یعنی ابوبکر صدیقؓ) سے۔

☆...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو صدیق اکبر کو بناتا“۔

☆...... حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ”ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ محبوب ہیں“۔

☆...... حضرت ابوبکرؓ تو عشرہ مبشرہ (وہ دس خوش نصیب جنہیں ان کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنت کی بشارت دے دی تھی) میں شامل ہیں۔

☆...... امام بخاریؒ نے محمد بن علیؒ کی زبانی لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون افضل ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر، میں نے پوچھا کہ ان کے بعد پھر کون افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ، اس کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ اب آپ (حضرت علیؓ) حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے۔ چنانچہ میں نے پوچھا کہ ان کے بعد آپ افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔

عہدہ خلافت پر تقرری:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیائے فانی سے چلے جانے کے تمام صحابہ کرام کے مشورے سے حضرت ابوبکرؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنایا گیا۔ آپ کی تقرری امت مسلمہ کا پہلا اجماع کہلاتی ہے۔ خلافت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد آپ نے مسلمانوں کے سامنے پہلا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”میں آپ لوگوں پر خلیفہ بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ میں آپ سب لوگوں سے بہتر ہوں، اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نے یہ منصب اور امارت اپنی خواہش سے نہیں لیا، نہ میں یہ چاہتا تھا کہ کسی دوسرے کو ملنے کے بجائے یہ منصب مجھے مل جائے اور نہ ہی میں نے کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کے لئے دعا کی اور نہ ہی کبھی میرے دل میں اس عہدے کی حرص پیدا ہوئی۔ میں نے اس کو اس لئے قبول کیا کہ مجھے مسلمانوں میں اختلاف اور عرب میں فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ تھا، میرے لئے اس عہدے میں کوئی راحت نہیں بلکہ یہ ایک بہت بڑا بوجھ ہے جو مجھ پر ڈال دیا گیا ہے، جس کے اٹھانے کی مجھ میں ہمت نہیں سوائے اس کے کہ اللہ رب العزت میری مدد فرمائے، اب اگر میں صحیح راہ پر چلوں تو آپ سب میری مدد کرنا اور اگر میں غلطی پر ہوں تو آپ میری اصلاح کرنا۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تمہارے درمیان جو کمزور لوگ ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں اس کا حق اس کو دلواؤں اور جو تم میں قوی ہیں وہ میرے نزدیک کمزور ہے، یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کر لوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی قوم نے فی سبیل اللہ جہاد کو فراموش کر دیا ہو اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر ذلت مسلط نہ کی ہو اور نہ ہی کبھی ایسا ہوا کہ کسی قوم میں فحاشی کا غلبہ ہوا ہو اور اللہ اس کو مصیبت میں مبتلا نہ کرے۔ میری اس وقت تک اطاعت کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی راہ پر چلوں اور اگر میں روگردانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں“۔

وفات :...... 22 جمادی الاولیٰ 13 ہجری کو 63 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کی مدتِ خلافت دو سال تین ماہ اور گیارہ دن تھی۔ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب اس طرح دفن کیا گیا ہے کہ آپ کا سر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک تک آتا ہے۔

☆......☆......☆

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

مفتی محمد ساجد میمن

"اس کم ترین بندہ کو "فہم قرآن" کا تو نہیں مگر محبت قرآن کا دعویٰ ضرور ہے، اس محبت ہی کے نتیجے میں اس کے دل میں یہ آرزو، دعا بن کے مچلتی رہتی ہے کہ وہ قادر و مختار، جو ناممکن کو امکان کا، عدم کو وجود کا لباس پہنا دیتا ہے، کاش! وہ کوئی ایسی صورت پیدا فرما دے کہ قرآن کریم کی تلاوت و خدمت اور تدریس و اشاعت اس کا اور اس کی اولاد کا اوڑھنا بچھونا بن جائے، اس کا قلم، اس کی زبان، اس کا دل و دماغ بلکہ پورا وجود ہمہ وقت نورِ قرآن، فیضانِ قرآن، فہم قرآن اور تفہیم قرآن کے نور سے منور رہے، زندگی گزرے تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم معجزے کے سایہ تلے اور موت آئے تو اسے ورد زبان بناتے ہوئے۔"

یہ الفاظ مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ شہید کے ہیں، جن

انہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب "خلاصۃ القرآن" کی ابتداء میں لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مخلص بندے کے دل سے نکلی ہوئی اس مخلصانہ دعا کو شرف قبولیت بخشا اور آپ زندگی بھر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم معجزے کی خدمت اور ترویج میں مصروف رہے اور شہادت سے کچھ دیر قبل بھی یہ اعظم کتاب آپ کے وردِ زبان تھی......

مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید سے محبت اور عقیدت کا غائبانہ تعارف تو آپ کی تصانیف اور Darsguran.com کے ذریعہ سے تھا ہی، زمانہ طالب علمی میں ہی آپ کی طلبہ میں مقبول کتاب "ندائے منبر و محراب" کا مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا، اس کے علاوہ بھی آپ کی دیگر تصانیف سے وقتاً فوقتاً استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن باقاعدہ پہلی ملاقات اور زیارت کا اس وقت شرف حاصل ہوا، جب ہمارے ادارے جامعہ تراث الاسلام میں دورہ تفسیر کی اختتامی تقریب اور تخصص فی الفقہ الاسلامی کے طلبہ کی دستار بندی کے موقع پر بطور مہمانِ خصوصی آپ کو مدعو کیا گیا۔ منتظم ہونے کی حیثیت سے بندہ تقریب کے دیگر امور میں مشغول و مصروف تھا کہ ایک طالب علم نے آکر اطلاع دی کہ مولانا اسلم شیخوپوری صاحب تشریف لا چکے ہیں، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ دفتر میں تشریف فرما ہیں۔ بندہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر پہنچا تو حضرت اپنے داماد اور دو صاحبزادوں سمیت تشریف لا چکے تھے اور دفتر میں آرام فرما تھے۔ مختصراً اسلام و دعا کے بعد تعارف کرایا اور بندے نے مزید کلام مناسب نہ سمجھا کہ آرام میں خلل واقع ہوگا۔ نمازِ عصر سے قبل نیند سے بیدار ہوئے اور نماز کی تیاری کی، عصر کی نماز کے بعد حضرت نے بیان فرمایا اور بیان بھی اپنے خاص اور محبوب موضوع "قرآن" پر تھا، رمضان اور قرآن میں مناسبت، عشاقِ قرآن کے ایمان افروز واقعات اور آخر میں فارغ ہونے والے طلبہ کو نصائح......

نمازِ مغرب کے بعد افطار حضرت کے ساتھ کیا جس میں مختلف موضوعات پر حضرت سے استفادہ کرنے کا خوب موقع ملا......

دوسری ملاقات ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ میں جامعہ میں ہی تخصص فی الفقہ الاسلامی کے فارغ التحصیل علمائے کرام کی دستار بندی اور حفظ مکمل کرنے والے طلبہ کرام میں تقسیم انعامات کی تقریب میں ہوئی......

اس موقع پر بھی حضرت مہمان خصوصی تھے، نمازِ عصر کے بعد آپ کا بیان طے تھا لیکن قرآن کا یہ عاشق چونکہ دنیا کے کونے کونے میں قرآن کی دعوت کو عام کرنا چاہتا تھا اس لیے جہاں سے بلاوا آتا، حضرت اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ضرور شرکت کرتے، اس دن حضرت تاخیر سے پہنچے، مغرب سے تقریباً 20 منٹ پہلے...... جس کی بنیادی وجہ وہی تھی کہ ایک دوسرے مقام پر آپ کا بیان طے تھا وہاں سے فارغ ہو کر ہمارے ادارے میں تشریف لائے..... لیکن اس مختصر وقت میں بھی آپ نے قرآن اور اس کی عظمت سے متعلق اس قدر جامع اور عمدہ بیان فرمایا کہ تشنگی نہ رہی......اس موقع پر بھی افطاری میں حضرت کی رفاقت نصیب ہوئی اور اہل علم کی اس مجلس میں بھی خوب استفادہ نصیب ہوا......

یہ حضرت سے میری دو ملاقاتیں ہوئی، اس کے بعد بھی مسجد "توابین" میں ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا لیکن حضرت کے سفر پر ہونے کی وجہ سے ملاقات نہ ہو سکی......

ان دو ملاقاتوں نے حضرت شہید کی ذات کے جو انمٹ نقوش دل پر چھوڑے وہ مٹائے نہیں مٹتے، حضرت کا جو تصور دل و دماغ میں قائم تھا آپ کو اس سے بڑھ کر پایا۔ شرم و حیا کے پیکر، سادگی اور معصومیت سے بھرپور منور چہرہ، خندہ پیشانی، کینہ، حسد اور بغض سے پاک و صاف دل، بیان و خطاب کا وہ مسحور کن انداز کہ سامعین کو اپنے سحر میں جکڑ لے......

حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن من البیان لسحرا" یعنی "بعض بیان جادو ہوتے ہیں" حضرت کا اس مصداق تھے۔ آپ لوگوں کی ذہنی سطح اور لوگوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر بات کرتے۔ آج کے اس دور میں جب لوگ علماء سے دور بھاگتے ہیں، لیکن آپ کے درسِ قرآن میں ایک عام آدمی سے لے کر صاحب ثروت، ہر طبقہ کے افراد شریک ہوتے اور آپ سے استفادہ کرتے، جو آپ کے مقبول عام ہونے کی دلیل ہے۔

مولانا شہید دونوں پاؤں سے معذور تھے، مگر یہ معذوری آپ کے راستہ میں رکاوٹ نہیں بنی اور نہ آپ نے اس کو رکاوٹ بننے دیا، بلکہ اس معذوری کے ساتھ مولانا شہیدؒ نے وہ کارنامے سرانجام دیئے کہ ہم تندرستوں کی گردن شرم سے جھک جائے......

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ جب مالٹا جیل سے رہا ہو کر تشریف لائے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"جہاں تک میں نے جیل کی تنہائیوں میں بیٹھ کر امت کی پستی اور تنزلی کے اسباب پر غور و فکر کیا ہے تو مجھے اس کی دو وجہ معلوم ہوئیں: اول، مسلمانوں کی قرآن کریم سے دوری۔ دوم، باہمی افتراق"۔

مولانا شہیدؒ پر بھی بس یہی دھن اور فکر سوار تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کا تعلق، اللہ کی اس آخری کتاب سے جڑ جائے، کسی طرح یہ امت قرآن پر عمل کرنے والی بن جائے، اسی دھن اور فکر کو لئے قریہ قریہ، بستی بستی تشریف لے جاتے اور مسلمانوں کو قرآن سے تعلق جوڑنے کی اور قرآنی احکامات پر عمل کرنے کی اس پُر سوز میں تلقین فرماتے کہ سامعین و حاضرین متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔

مولانا شہیدؒ امن کے داعی تھے، فرقہ واریت کے شدید مخالف تھے اور اسے مسلمانوں کے لئے سم قاتل سمجھتے تھے، اتحاد بین المذاہب کے حامی تھے، جس پر آپ کے دروس، بیانات اور تحریر گواہ ہیں۔

آج حضرت شہید ہم میں نہیں...... آپ خلعت شہادت سے سرفراز ہو کر ایک ایسے سفر کی طرف روانہ ہو گئے ہیں، جہاں سے واپسی نہیں..... موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے انکار نہیں، جو اس دنیا میں آیا اسے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے ضرور جانا ہے، یہ ہمارا ایمان ہے ہمارا عقیدہ ہے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے سے چہار سو صف ماتم بچھ جاتی ہے، وہ جاتے ہیں تو ملت کا صبر و سکون بھی ساتھ لے جاتے ہیں...... جن کے جانے سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں رک جاتی ہیں..... بلاشبہ حضرت شہیدؒ بھی انہی لوگوں میں تھے جن کے جانے سے چمن ویران ہو جاتے ہیں..... آپ کی شہادت فردِ واحد کا نقصان نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا نقصان ہے، شاعر نے ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا ہے:

وما کان قیس هلکه هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

مولانا شیخوپوری سے لاکھوں افراد نے نفع اٹھایا، آپ نے اپنے مقام و مرتبہ، علم و ہنر اور تحریر و تقریر کے ذریعے جو گہرے نقوش دلوں پر چھوڑے ہیں، اس پر ہر شخص کی کیفیت کا اندازہ جگر مراد آبادی کے اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے۔

جان کر من جملہ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حضرت اس دنیا سے جا چکے ہیں، سچ پوچھیے تو اب تک یقین نہیں آتا کہ حضرت شہید ہو چکے ہیں۔ جب حضرت کی شہادت کی خبر ملی تب بھی یقین نہ آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو آدمی امن کا داعی ہو، جس نے اپنے قول و فعل سے کسی کا دل نہ دکھایا ہو، اس کا دشمن کون ہو سکتا ہے، آپ کی شہادت کی خبر سن کر دماغ میں شورش کاشمیری کے یہ الفاظ گونجنے لگے:

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستین نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے، افق پر مہر جبین نہیں ہے
تیری جدائی میں مرنے والے! کون ہے کہ جو حزین نہیں ہے
مگر تیری مرگ ناگہاں کا مجھے اب تک یقین نہیں ہے
کئی دماغوں کا ایک انسان، سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے زبان سے زور بیان گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے امید کیا؟ کارواں گیا ہے
مگر تیری مرگ ناگہاں کا مجھے اب تک یقین نہیں ہے

مولانا شہیدؒ ماہنامہ "حیا" کراچی کے مجلس مشاورت کے رکن تھے، آپ کی دعاؤں اور مشوروں سے ماہنامہ "حیا" ترقی کی راہ پر گامزن تھا، آپ کی شہادت سے ماہنامہ "حیا" اور "ادارہ حیا" اپنے ایک سرپرست اور مربی کے سایہ سے محروم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی کامل مغفرت فرمائے، آپ کی شہادت سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر فرمائے اور آپ کی شہادت پر ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

چمن ویران ہے فضائیں اداس ہیں جن کے جانے پر
وہ لوگ چل بسے جنہیں عادت تھی مسکرانے کی

☆.....☆.....☆

سوانحی خاکہ

اسم گرامی:...... (مولانا) محمد اسلم شیخوپوری

والد کا نام:...... محمد حسین

بیٹے:............ 5 (مولانا محمد عثمان 21 سال، محمد اسامہ 19 سال، حمزہ 16 سال، طلحہ 13 سال، معاذ 11 سال)

بیٹی:........ ایک.... داماد:..... مولانا محمود

آبائی گاؤں:..... لدھڑ، سانگلہ ہل سے 12-14 کلومیٹر دور ضلع شیخوپورہ۔

خاندان:........ زمیندار

معذوری:........... تین سال کی عمر میں فالج کے باعث دونوں ٹانگوں سے معذور ہوئے۔

عصری تعلیم:...... گاؤں کے قریبی اسکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔

حفظ قرآن کریم:....... نو سال کی عمر میں عصری تعلیم ترک کر دی اور ایک ماہ کی مختصر مدت میں مقامی مسجد کے امام کی ہدایت پر قرآن کریم مکمل حفظ کر لیا۔

ابتدائی دینی تعلیم:....... شیخوپورہ اور جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی نگرانی میں حاصل کی۔

فراغت:...... جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

اساتذہ کرام:........ مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ، حضرت مولانا امین اورکزئی شہید رحمہ اللہ۔

تدریس و خطابت:..... پچیس سال تک جامعہ بنوریہ سائٹ ٹاؤن شہر میں تدریسی خدمات سرانجام دیں، اسی دوران جامعہ مسجد خدیجہ لیبر اسکوائر سائٹ میں خطابت کے فرائض بھی نبھائے، شہادت سے قبل جامع مسجد توابین گلشن معمار میں خطابت سے منسلک رہے۔

درس قرآن:...... 2003ء سے ہر اتوار کو درس قرآن کا خصوصی آغاز کیا۔ ابتدائی 19 پاروں کا درس مکمل کر چکے تھے۔ مختلف موضوعات پر درس قرآن و حدیث کی مجموعی تعداد 20 ہزار سے زائد ہے، جن میں سے اکثر ریکارڈنگ اور تحریری شکل میں محفوظ ہیں۔

اسفار:..... قرآن کریم کے پیغام کو عام کرنے کے لئے کئی ممالک کے دورے کئے۔

صحافت:..... گزشتہ دس سال سے ہفت روزہ ضرب مومن میں "پکار" کے عنوان سے مستقل کالم لکھتے رہے۔

مقام شہادت:...... کراچی کے علاقے دھوراجی میں رنگون والا ہال کے سامنے بارون چورنگی، ڈرائیور مولانا سفیر شہید، دو محافظ زخمی ہوئے۔

وقت شہادت:...... اتوار دوپہر سوا ایک بجے، دو موٹر سائیکلوں پر سوار چار دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ بنے۔

جنازہ کی امامت:........ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم۔

مقام جنازہ:...... توابین مسجد گلشن معمار کراچی۔

مقام تدفین:...... احاطہ توابین مسجد گلشن معمار کراچی۔

وقت جنازہ:..... رات آٹھ بج کر دس منٹ

سب سے بڑی خواہش:........ "تسہیل البیان" کے نام سے قرآن کریم کی شروع کردہ تفسیر کی تکمیل، ساڑھے سترہ پارہ مکمل کر چکے تھے۔

تصانیف:....... سات جلدوں پر مشتمل "ندائے منبر و محراب" 50 تقریریں، آسان درس قرآن و حدیث، خزینہ، عشاق قرآن کے ایمان افروز واقعات، خلاصۃ القرآن، درس صحیح مسلم، تفہیمات، زیر تکمیل "الہدایہ" کی شرح، غریب شہر کی التجاء، تفسیر تسہیل البیان، احسن القصص اور دیگر تصانیف۔

خلافت و اجازت:....... تا صبح الاست حضرت مولانا حافظ ابرار الحق کلیانوی زید مجدھم خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نور اللہ مرقدہ

قابلِ رشک زیست و مرگ!

فرید احمد نعمانی

آہ! داعیٔ قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری بھی دستِ قاتل کی نذر ہو گئے۔ درندہ صفت قاتلوں نے امتِ مسلمہ کو ایک اور مشفق باپ سے محروم کر دیا۔ کل تک اس طرح کے افسوس ناک سانحات و حادثات پر جو اپنی مؤثر و دل نشین تحریروں کے ذریعے غم زدہ قلوب کی تسکین کا سامان مہیا کیا کرتے تھے، آج ڈوبتے دل کے ساتھ ان کی جدائی اور فراق کا نوحہ لکھنا پڑ رہا ہے۔

موت اٹل حقیقت ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں۔ ہر آنے والا جانے کے لئے ہی آیا کرتا ہے۔ لیکن بعض افراد اپنی زیست و مرگ کے حوالے سے قابلِ صد رشک دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت مولانا اسلم شیخوپوری نوراللہ مرقدہ بھی انہی شخصیات میں سے ایک تھے۔ آپ کی زندگی اور موت دونوں ہی قابلِ افتخار اور باعثِ رشک ہیں۔ انہوں نے زندگی بھر کتاب اللہ سے اپنے آپ کو ایسے جوڑے رکھا کہ قرآن کریم ہی آپ کی پہچان و تعارف بن گیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا اور سننے والوں نے سنا کہ آپ کی کوئی محفل کلامِ الٰہی کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ جہاں جاتے بس ایک ہی دھن، ایک ہی لگن اور ایک ہی فکر سوار ہوتی کہ کسی طرح امت اپنی متاعِ گم گشتہ کی طرف پلٹ آئے۔ اہلِ ایمان کا تعلق اللہ کی آخری اور ابدی کتاب سے جڑ جائے۔ مسلمان اپنی زندگی میں اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو جائیں۔

اسی سوز دروں کو لے کر گزشتہ دس سالوں سے "درسِ قرآن" کے عنوان کے تحت، ابتداً بلاک این نارتھ ناظم آباد اور پھر جامع مسجد تو ابین گلشن معمار میں ہفتہ واری نشست کا سلسلہ شروع کیا۔ جس میں مسلمانوں کی موجودہ پستی، عملی بے حسی اور اس کے تدارک پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی۔ اہلِ ایمان کو قرآن کریم سے اپنا رشتہ مضبوط کرنے کی تلقین کی جاتی۔ آپ کے دروس کی محافل میں جہاں ایک عام آدمی شریک ہو کر استفادہ کرتا، وہاں صاحبِ ثروت اور دنیادار طبقے کی موجودگی بھی آپ کی ہر دل عزیزی پر دلالت کرتی۔ علاوہ ازیں ملک کے طول و عرض میں ہزاروں مدارس و جامعات کی سالانہ تقریبات اور محافل میں بھی تشریف لے جا کر عوام الناس کی ذہنی و فکری تربیت کا کام سرانجام دیتے۔ ان روحانی مجالس کے ذریعے جہاں آپ نے معاشرے میں پائے جانے والے فکری ارتداد کا راستہ روکا، وہاں عامۃ الناس کو صحیح معنوں میں قرآنی تعلیمات اور ہدایات سے آگاہی دی۔

مولانا شیخوپوری رحمہ اللہ کو اظہار مافی الضمیر کے حوالے سے بلا کی سلاست اور روانی ودیعت کی گئی تھی۔ قرآن کریم کی تبلیغ و دعوت کے میدان میں اللہ رب العالمین نے آپ کو گوناگوں خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا۔ تحریر ہو یا تقریر، بیان ہو یا طرزِ نگارش، سہل نگاری اور نکتہ رسی آپ کا خاصہ تھی۔ اگرچہ معروف معنوں میں آپ شعلہ جوالا خطیب نہیں تھے، مگر باتوں کی گہرائی اور گیرائی سے سامعین و حاضرین کے دل موہ لیا کرتے تھے۔ آپ کی گفتگو میں اعتدال کی وہ صفت نمایاں تھی، جس کا حکم قرآن کریم نے جا بجا دیا ہے۔ جسمانی معذوری کبھی آپ کے لیے رکاوٹ نہ بنی۔ بعض اہلِ تعلق نے بتایا کہ باوجود پیروں سے معذور ہونے کے آپ نے کبھی بھی دوسروں کی دست نگری قبول نہیں کی۔ حصولِ معاش کے لئے از خود کوشش کرتے رہے۔

آپ کی یہ خواہش اور آرزو تھی کہ علمائے کرام حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی اس فکر کو مشعلِ راہ بنا لیں، جس کا اظہار حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے مالٹا کی جیل سے واپسی کے بعد کیا تھا۔ حضرت شیخ الہند ارشاد فرمایا کرتے تھے: "جہاں تک میں نے جیل کی تنہائیوں میں بیٹھ کر امت کی پستی اور تنزلی کے اسباب پر غور و فکر کیا ہے، تو مجھے اس کی دو وجہ معلوم ہوئیں۔ اول، مسلمانوں کی قرآن کریم سے دوری۔ دوم، باہمی افتراق۔" یہی وجہ تھی کہ گزشتہ کچھ عرصے سے آپ رحمہ اللہ نے علما، طلبا اور ائمہ مساجد کو درسِ قرآن کی عملی تربیت دینے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اس حوالے سے کراچی اور بیرون کراچی آپ کے کئی پروگرام منعقد ہو چکے تھے۔ جس میں آپ پوری دل سوزی، فکرمندی اور قلبِ مضطر کے ساتھ اہلِ علم کو درس کی تیاری، طریقۂ کار اور اسلوبِ بیان کے مراحل سے آگاہ فرماتے۔

شہادت سے کچھ دن قبل اپنے ایک بیان میں آپ رحمہ اللہ نے اپنی دینی تڑپ، جستجو اور قرآنی مشن کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: "دورِ نبوت کے لوگوں اور آخری دور کے لوگوں کی اصلاح کا طریقہ ایک ہی ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی و اطاعت ہی میں نجات ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی چلتی پھرتی تفسیر تھے۔ قرآن فہمی کے لیے واسطۂ رسول ضروری ہے۔ اس کے بغیر لوگ گمراہی کا شکار ہو جائیں گے۔ آج قرآن کریم کو دستورِ زندگی بنانے کی بجائے صرف حصولِ برکت اور ایصالِ ثواب تک محدود کر دیا گیا ہے۔

علما کی غفلت کے باعث بہت سے ماڈرن مادر پدر آزاد لوگوں نے درسِ قرآن شروع کر رکھے ہیں۔ جو علمی لحاظ سے مضبوط نہ ہونے اور زہد و تقویٰ والی صفات سے خالی ہونے کی وجہ سے من مانی تفسیر سے خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ چوں کہ نوجوانوں کی نفسیات سے آگاہ اور عصری علوم پر عبور رکھتے ہیں، ایسے نوجوان بہت جلد ان سے متاثر ہو کر گمراہ ہو رہے ہیں۔ پختہ اور مستند علما درسِ قرآن کے حلقے قائم کر کے اس کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح عوام سے ان کا ٹوٹا ہوا تعلق بھی جڑ سکتا ہے۔"

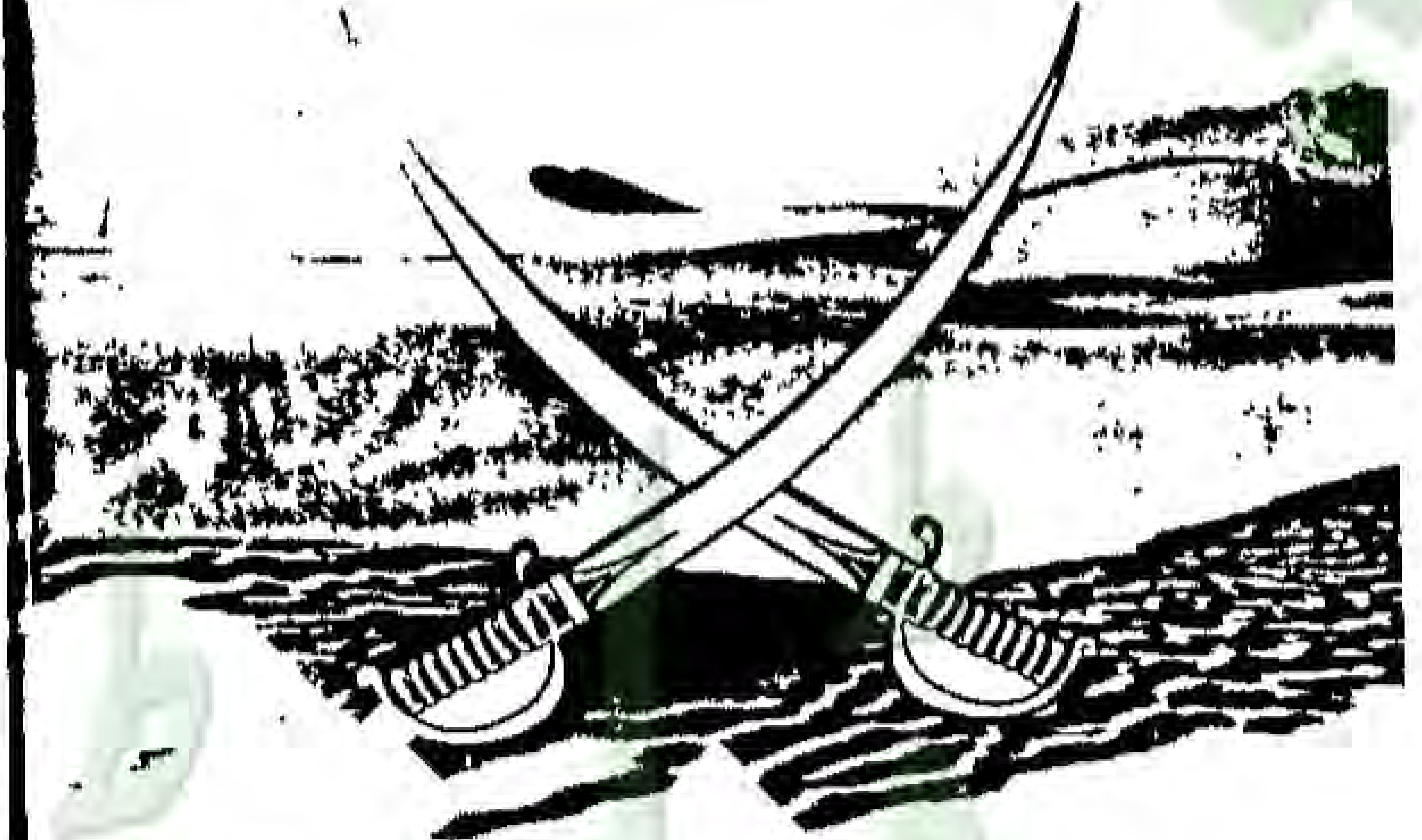
آپ کے اساتذہ میں امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر، محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا یوسف لدھیانوی شہید، مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مفتی ولی حسن ٹونکی اور مولانا محمد امین اورکزئی شہید رحمہم اللہ جیسے اساطینِ علم و عمل شامل ہیں۔ بلاشبہ آپ جس قافلے کے فردِ فرید اور حدی خواں تھے، اس نے کبھی حالات کے جبر و ستم کا شکوہ نہیں کیا۔ اس قافلۂ حق میں شامل صاحبانِ عزیمت نے کسی موقع پر کلمۂ حق بلند کرنے سے چوک نہیں کی۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل اس طبقے کا نمایاں اور امتیازی وصف رہا ہے۔ طاغوت کے پیروکار ازل سے حق والوں کا راستہ روکنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اندھیروں میں رہنے والے بھلا روشنی کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ جہالت و ضلالت کے علم بردار علم و عرفان کی شمع کو کب فروزاں و تاباں ہوتا دیکھ سکتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ گزشتہ پندرہ سالوں کے دوران کئی نامور علمائے حق کا خونِ ناحق کراچی کی سڑکوں پر بہا دیا گیا۔

خاکم بدہن ظالم، سفاک اور اسلام دشمن عناصر کی نظریں اس وقت ہر اس عالمِ ربانی پر لگی ہوئی ہیں، جن کے وجودِ مسعود سے امتِ مسلمہ کو راہ نمائی مل رہی ہے۔ جو عوام و خواص میں یکساں محبوبیت و مقبولیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔ جن کے فیض سے ایک عالم فیض یاب ہو رہا ہے۔ باطل کے ہرکارے چن چن کر اپنے ہدف کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ امت کو کتنی بڑی خیر اور سعادت سے محروم کیا جا رہا ہے، اس کا احساس ہی دل کو بے کل و بے چین کیے دیتا ہے۔ بہرحال حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مفتی عبدالسمیع، حضرت لدھیانوی، مفتی نظام الدین شامزئی کی مظلومانہ شہادت ہو یا مفتی عتیق الرحمٰن، مولانا مفتی سعید احمد جلال پوری، مولانا شیخوپوری رحمہم اللہ کا ظالمانہ قتل۔ ان بلند مرتبت شہیدوں کا لہو پکار پکار کر گواہی دے رہا ہے۔!!

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

قسط نمبر 39

پروفیسر خیال آفاقی



یوم جمعہ، پھر مدینہ میں! چہل پہل کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، مسجد نبوی کی نورانی فضا میں، اہل ذوق وشوق پروانوں کی طرح جمع ہو جاتے ہیں، نماز دوگانہ ادا کرنے کے بعد، در حبیب پر صلوٰۃ وسلام کے نذرانے

پیش کیے جاتے ہیں، لگتا ہے عاشقان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سینوں کی جگہ دل نکال کر رکھے دے رہے ہیں۔ حیان کا تو حال ہی عجیب ہے، وہ ایسے موقعوں پر حال سے نکل کر ماضی میں چلا جاتا ہے، اس کی بند آنکھوں میں وہ محفل سج جاتی ہے جس کی ایک جھلک دیکھنے کی قدسی بھی آرزو کرتے رہے اور جس کی حاضری کی تمنا ان پاک ہستیوں کو رہی جو اللہ عزوجل کے برگزیدہ پیغمبر کہلائے۔ حیان اسی بارگاہ رسالت کے نوری اور بابرکت ماحول میں حاضری کی سعادت حاصل کرتا رہا، اس کا جی اس فضا سے کہاں بھرتا ہے کہ زید نے اس کا بازو پکڑ کر سرگوشی کی "سب لوگ تمہارے منتظر ہیں" حیان اپنی بھیگی آنکھیں اپنی چادر کے کونے سے خشک کرتا ہوا اس کے ساتھ چل دیا۔ کافی دیر تک اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا، پھر جب وہ صُفّہ کے پاس آیا تو اس نے ایک بار پھر زہیر سے معانقہ کر کے اسے عمرہ کی مبارکباد پیش کی اور پھر وہ اور دوسرے طالبان صفہ مطبخ کی طرف چلے گئے، یہاں زہیر کی آمد پر اس کے رفقا نے ضیافت کا اہتمام کیا ہے۔

کھانے کے بعد، بڑی دیر تک زہیر حرم کے سفر اور عمرہ کے دوران پیش آنے والے روحانی تجربات دہراتا رہا جس سے سامعین کی روحانی تشنگی اور ذوق حاضری کو آسودگی ملی اور یوں یہ بزم شوق، عصر تک قائم رہی۔

اور اب یہ دوسری محفل روحانی ہے جو استاذ عبدالرحمٰن کے حجرے میں منعقد ہے، استاد صاحب نے گزشتہ مجلس میں جہاں موتہ کے واقعات پر توقف کیا تھا، دوبارہ وہیں سے سلسلہ جوڑنے کی ابتدا کی، کہنے لگے۔

"بیٹا جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا موتہ کے مقام پر ہونے والے معرکہ میں فریقین کی تعداد کا تذکرہ ناقابل یقین ہے، دشمن کی فوج لاکھوں سپاہیوں پر مشتمل ہے، اسلحہ بھی ان کے پاس جدید اور بھاری ہے اور ادھر چند ہزار لنفوس ہیں اور ہتھیار بھی فرسودہ اور کسی حد تک ناقابل استعمال ہیں، لیکن بس ایک ایمانی طاقت ہے جو یہ معجزہ عمل میں آرہا ہے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والوں کو سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہیں، نہ وہ دشمن کی طاقت سے مرعوب ہیں، اور نہ ان کی جنگی مہارت سے خوفزدہ ہیں اور نہ ہی موت سے خائف نظر آتے ہیں۔ پہلے معرکہ میں مسلمان اپنے تین بہادر اور جاں باز سالاروں کو شہادت سے سرفراز ہوتے دیکھ چکے ہیں، ان کی شجاعت اور جذبۂ شہادت نے دشمن کو بھی حیران کر دیا ہے، پھر تم نے دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامزد کردہ اسلامی فوج کے تینوں سرخیل جب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تو مسلمانوں نے بالاتفاق خالدؓ بن ولید کو اپنا سالار منتخب کر لیا جو بلاشبہ اپنی دلیری اور عسکری مہارت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اس کے باوجود تم ذرا غور کرو بیٹا تو اس وقت یہ ان کا سخت امتحان ہے، مسلمان دشمنوں کے جس حصار میں موجود ہیں، یہ گویا موت کا قلعہ ہے جس میں وہ محصور ہو کر رہ گئے ہیں، اب مسئلہ موت سے بچنے کا نہیں کہ اہل ایمان، اللہ کی راہ میں موت کو خاطر میں نہیں لاتے، سوال اس حرمت کی پاسداری کا ہے جو جذبۂ جہاد سے وابستہ ہے یعنی اللہ کے دشمنوں سے لڑ کر مرنا، اور عزت وآبرو کے ساتھ شہادت کو گلے لگانا۔ چنانچہ خالدؓ بن ولید، پہلے دن کی معرکہ آرائی کے بعد، انہی دونوں باتوں پر، رات کے کافی حصے تک غور وفکر کرتے رہے، اور آخر وہ ایک جنگی حکمت عملی طے کرنے میں کامیاب ہو گئے، یعنی دشمن کو پشت دکھائے بغیر اسلامی فوج کو دشمن کی غارت گری سے بچانا، اس کے نرغہ سے نکالنے کے ساتھ ساتھ موقع بہ موقع اس کو للکارنا اور اس سے زور آزمائی بھی کرنا تو ہم دیکھتے ہیں کہ عجیب منظر ہے، اس نازک وقت میں بھی مسلمان فوج کا سالار اپنے جانبازوں کو بے فکر ہو کر سو جانے کی ہدایت دے کر خود بھی اللہ کی نصرت پر تکیہ کیے نیند کی وادی میں اتر گیا ہے۔

"واقعی استاد محترم ایسے عالم میں مسلمانوں کا بے فکر ہو کر سونا ان کا اللہ تعالیٰ پر کامل یقین اور ایمان کی پختگی کا

بین ثبوت ہے۔" حیان تحسین کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"اب ہم دیکھتے ہیں کہ صبح ہو چکی ہے، مؤذن نے اللہ کی عظمت کا اعلان کر دیا ہے، توحید کے متوالے، اپنے رب کا نام سن کر اس کی معبودیت کا اقرار کرتے ہوئے اٹھنے لگے ہیں۔ اللہ والے، رب اکبر کے آگے سربسجود ہونے کے بعد، اپنے سپہ سالار کے پرچم تلے جمع ہونا شروع ہو رہے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے گزشتہ رات اس وقت کے لئے جس حکمت کا نقشہ اپنے ذہن میں ترتیب دیا تھا، اسے عملی جامہ پہنانے کا وقت آ گیا ہے، سب سے اول تو یہ کیا کہ لشکر کی ترتیب ہی بدل ڈالی، میمنہ کی جگہ میسرہ والوں کو لے آئے اور میمنہ والوں کو میسرہ کی جگہ متعین کیا ہے۔ ساقہ یعنی عقب میں جو مصروف پیکار تھے، انہیں مقدمہ، یعنی اگلی صف میں جگہ دی گئی اور جو گزشتہ کل مقدمہ پر صف بندی کئے ہوئے تھے انہیں ساقہ پر لایا گیا اور انہیں اس بات کے لئے سختی سے تاکید کی گئی ہے کہ وہ مستعد رہیں اور دشمن اگر اسلامی سپہ کے مقدمہ کو گھیرنے کی کوشش کرے تو تمہیں نہایت چابکدستی سے ان کی اس چال اور کوشش کو ناکام بنانا ہے۔" اس طرح سپہ سالار خالدؓ بن ولید جب اپنی فوج کی صف بندی کر چکے تو نتیجہ اللہ پر چھوڑ کر دشمن کے مقابل ہو گئے۔ ایک بار پھر اسی بات کو تازہ کرتے چلیں کہ ان تمام جنگی مہارت، حکمت عملی اور بہتر صف بندی کے باوجود، مسلمانوں کا دشمن کی فوج سے بہ اعتبار تعداد کوئی مقابلہ ہی نہیں، تاہم مجاہدین کے پیش نظر صرف ایک ہی بات ہے، فتح یا شہادت اور یہ وہ جذبہ ہے کہ جس کے سامنے عددی قوت اور جنگی ساز و سامان کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ادھر دشمن جب مجاہدین اسلام کے مقابل آیا تو وہ اسلامی فوج کی ترتیب اور صف بندی دیکھ کر دھوکے میں آ گیا۔ اس نے اپنے مقابل جو نئے چہرے دیکھے تو گمان کرنے لگا کہ مسلمانوں کو تازہ دم کمک پہنچ گئی ہے، جبکہ سپاہ اسلامی کا سالار، پرچم فتح لئے میدان میں کھڑا دشمن کی سمجھ پر خنداں

اور اپنی حکمت عملی پر شاداں نظر آ رہا ہے۔ وہ یہ آد

مجاہدین کو جذبۂ جہاد، دشمن پر غالب ہونے اور آگے

کر حملہ کرنے کے عزم کا اظہار کر رہا ہے۔ ادھر یہ جو

آواز بلند ہوتی ہے، ادھر جواب میں نعرۂ تکبیر گونجتا

آخر باطل نے حرکت کی، پیش قدمی کرنی چاہی کہ

سپاہی سینہ سپر ہو گیا، تلوار بجلی بن گئی، جو اس کی زد میں

ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر جاتا۔ لوہے سے لوہا ٹکرا

گھوڑوں کے ہنہنانے کے شور میں نعرۂ تکبیر، اللہ ا

فلک شگاف آوازیں جنگ کا ایک اور ہی منظر پیش کر

لگیں۔ ہر ایک مجاہد زندگی سے بے پرواہ ہو کر، موت

آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، اللہ اور اس کے رسول

دشمنوں سے نبرد آزما ہے، ان کے ذہن و دل پر اپنے

اعظم کا یہ ارشاد سایہ فگن ہے کہ "الجنۃ تحت السیوف" ج

تلواروں کے سائے میں ہے، دشمن کے جاں باز،

قوت سے آگے بڑھتے ہیں لیکن چٹان سے ٹکرا کر

ریزہ ہو جاتے ہیں، شمشیر خالدی دشمن کے لئے موت

گئی ہے، امیر سپہ کی شمشیر زنی دیکھ کر فلک ششدر

جوش جہاد قوت بازو بن گیا ہے اور تلوار برق کی صور

مدمقابل کو پگھلائے دے رہی ہے، جوش و جذبہ بہادرا

شمشیر زنی کا یہ عالم ہے کہ یکے بعد دیگرے نو تلواریں ٹو

ہیں اور اب دسویں اور نئی تلوار، صفیحہ یمانیہ سنبھال کر د

کی طرف رخ کیا ہے تو صفیں الٹتے چلے گئے ہیں۔ جنگ

کا نقشہ بدلنے لگا ہے۔ یاد رہے یہ سب کچھ بے سبب

نہیں، نگاہ رسولؐ کو انداز خالدی بھا گیا ہے، چشم دور بین

مدینہ سے، موتہ کا نقشہ ملاحظہ کر رہی ہے، رسول صادق

مقدسہ پر تشریف فرما، معرکہ موتہ کا چشم دید حال بیان

رہے ہیں، حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت جعفرؓ بن

طالب اور حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ کی شہادت کی خبر پہلے

ہی مسلمانوں کو سنا چکے ہیں، فرمایا جا رہا ہے۔ "اب خا

بن ولید نے علم سنبھال لیا ہے، جو سیوف اللہ یعنی اللہ

تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ زبان مبارک پر دعا

پھول کھلتے ہیں۔ "یا اللہ خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، تو بس تو ہی اس کی مدد فرما!" اس کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مژدہ سناتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ضرور فتح سے ہمکنار فرمائے گا۔" بے شک، میدان جنگ یہی نقشہ پیش کر رہا ہے، رومیوں کا لشکر جرار، تین ہزار مجاہدین کے سامنے بے بس نظر آنے لگا ہے۔ مجاہدین اسلام ان کی راہ میں چٹان بن گئے ہیں، سپہ سالار کی مہارت حرب، دانشمندی اور جوش جہاد، اپنے کمال پر ہے، دشمن پسپا ہونے لگا ہے، مجاہدین ان کے تعاقب میں جانا چاہتے ہیں، سپہ سالار انہیں ایسا کرنے سے روک دیتا ہے، کیونکہ اس طرح ممکن ہے دشمن مسلمانوں کی سیسہ پلائی ہوئی صف بندی کو منتشر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس طرح خالد کی جنگی بصیرت ان کی اس چال کو بھی ناکام بنا دیتی ہے۔ خالدؓ نے اپنے جاں بازوں کو اپنی جگہ سے ہلنے نہ دیا، سختی سے حکم ہے کہ اپنی جگہ ڈٹے رہیں، کیونکہ وہ حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ کی شہادت کے بعد محسوس کر چکے ہیں کہ مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہو گیا ہے، اور اگر ابھی ان کے پیروں میں لغزش آئی تو رومی ان کا تعاقب کر کے یلغار کر دیں گے اور پھر پوری اسلامی سپہ تہہ تیغ ہو کر رہ جائے گی۔ لہٰذا ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے جو حکمت عملی اپنائی اور جنگی مہارت کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے، ایک طرف نہ صرف رومیوں کی عددی قوت اور جنگی صلاحیتوں کو ناکام کر دکھایا، اور جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا، دوسری طرف دشمن کو مرعوب کر کے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا، اور نہایت ہوشیاری اور اس چابکدستی سے آہستہ آہستہ اپنے جوانوں کو پیچھے ہٹانا شروع کیا اور دشمن کو ذرا محسوس نہیں ہونے دیا کہ کہیں وہ یہ سمجھنے لگے کہ مسلمان میدان چھوڑ رہے ہیں، دراصل جنگی تدابیر میں پسپائی کا عمل نہایت حساس، نازک اور خطرناک ہوتا ہے، یعنی اگر دشمن محسوس کر لے کہ مقابل پسپائی اختیار کر رہا ہے تو وہ یک بارگی ہلہ بول دیتا ہے اور پھر

شکست خوردہ فوج کو گھیر کر جس قدر اور جس طرح چاہے اس کا قتل عام کرنے میں کوئی چیز اسے مانع نہیں ہوتی۔ لیکن خداداد جنگی صلاحیتوں کے حامل اور امور حرب کے ماہر اور تجربہ کار سپہ سالار نے، جس کو اللہ عزوجل کی نصرت اور رسولؐ کی مرضی حاصل ہے، اپنی اس پسپائی کو بھی فتح سے بدل دیا، دشمن کو محسوس کرائے بغیر، اپنی سپاہ کا رخ شمال سے ہٹا کر جنوب کی طرف موڑ دیا، اور یوں پوری سپاہ اسلام، دشمن کے نرغہ سے نکل کر آزاد فضا میں آ گئی۔ سپاہ اسلام کے سالار کا یہ انداز اس قدر پُر اعتماد اور پروقار ہے کہ رومیوں کو تذبذب میں مبتلا کر دیا، وہ سوچ رہے ہیں، مسلمانوں کا تعاقب کریں کہ نہ کریں، انہیں خدشہ ہے، کہیں یہ مسلمانوں کی کوئی جنگی چال نہ ہو، کہیں وہ خود انہیں دعوت نہ دینا چاہتے ہوں کہ وہ تعاقب میں آئیں اور مسلمان یک بارگی یلغار کر کے انہیں نرغہ میں لے لیں۔ یہاں تک کہ متحارب گروہوں میں فاصلہ بڑھنے لگا اور آخر دونوں فوجیں ایک دوسرے سے دور ہو گئیں۔" استاد صاحب ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ حیان خاموش رہا، استاد صاحب دوبارہ کہنے لگے۔

"اس سے قبل کہ ہم لشکر اسلام کی مدینہ واپسی کا حال بیان کریں، ضروری سمجھتے ہیں کہ اس جنگ کے نتائج پر کچھ تبصرہ کر لیں۔"

"جی استاد گرامی!" حیان جلدی سے بولا۔ شاید وہ اس وقت اسی لئے خاموش تھا اور سوچ رہا تھا۔ استاد صاحب کہنے لگے۔ "دراصل، اس بات میں کہ جنگ کا کیا نتیجہ نکلا، یعنی فتح و شکست کس کے حصے میں آئی، کافی اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنگ موتہ بے نتیجہ رہی، یعنی فیصلہ کن ثابت نہ ہو سکی، اس لئے کہ دونوں ہی مدمقابل فوجیں کسی منطقی نتیجے پر پہنچنے سے قبل ہی اپنے اپنے محاذ سے ہٹ گئیں۔ کسی نے یہ بھی کہا کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں بہرحال شکست ہوئی، لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ اپنے وقت کی

ایک طاقت عظمیٰ سے مقابلہ کرنا اور وہ بھی ایک مختصری سپہ کے ساتھ اور پھر بھی ان نامساعد حالات میں فتح نہ سہی، شکست سے بچے رہنا بھی بجائے خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے، جس پر عرب ہی نہیں، عجم نے بھی حیرانگی کا اظہار کیا ہے۔ اور بھی زیادہ غور کریں اور جنگ کے تمام حالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کریں تو جنگ موتہ میں ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آئی کہ اسلامی فوج کو شکست خوردہ قرار دے دیا جائے، لاکھوں رومیوں سے چند ہزار مجاہدین کا مقابلہ کرنا اور صرف بارہ حضرات کی شہادت دے کر پوری فوج کو کئی لاکھ فوج کے نرغے سے نکال لانا اس الزام کی نفی کرتا ہے کہ یہ شکست خوردہ فوج ہے۔ بلکہ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ مسلمان پسپا ہوئے تو کیا دو لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل فوج کے لئے یہ امر فاتحانہ اور قابل فخر ہے کہ وہ چند ہزار سپاہ کے مقابلے میں لڑی تھی، اور کیا یہ شکست اس ایک مٹھی بھر لشکر کے لئے باعث شرم وذلت ہے، جس نے کئی لاکھ تجربہ کار اور شاہی فوج سے برابر کا مقابلہ کیا اور اس کے کئی بہادروں کو خاک وخون میں لوٹا دیا، اور اس زور کا مقابلہ کیا کہ سالار سپہ نے دشمن کے تمام تیر اپنے سپہ پر کھائے، دوسرے علمبردار نے دست بریدہ ہونے کے باوجود پرچم لشکر کو گرنے نہیں دیا، اور آخری سالار نے اس جوش وجذبے کے ساتھ رومیوں سے زور آزمائی کی کہ میدان کارزار میں نو تلواریں اس کے ہاتھ سے ٹوٹیں۔ اور پھر یہ بھی تو دیکھو کہ مسلمان اپنے مرکز سے دسیوں منزلیں دور خود دشمن کے علاقے میں جنگ کررہے تھے۔ اور پھر واپس بھی ہوئے تو اس طرح کہ دشمن کو ان کے تعاقب کی جرأت وہمت نہ ہوسکی۔ اور خالدؓ کوئی بڑا نقصان اٹھائے بغیر صرف بارہ حضرات کی قربانی دے کر، اپنی تمام سپہ کو بحفاظت لئے لوٹ آئے۔ یہ ایک طرف امیر لشکر کی حربی صلاحیتوں کا روشن ثبوت اور حیرت انگیز کارنامہ ہے، دوسری طرف سالار اعظمؐ کی بارگاہ سے سیف اللہ کا خطاب ودیعت ہونے پر اس بات کا اشارہ ہے کہ مسلمان موتہ سے سرخرو ہوکر لوٹے ہیں، بتائیے کیا کسی شکست خوردہ فوج کے سالار کو بہادری کا اتنا عظیم الشان خطاب عطا ہونے کا کوئی تصور بھی کرسکتا ہے؟

"سبحان اللہ، استاد گرامی آپ نے نہایت واضح اور جائز تجزیہ فرمایا ہے۔" حیان خوش ہوکر بولا۔ اس کا دل جواب سے کسی قدر ملول سا ہونے لگا تھا، اب شاد اور مطمئن ہوگیا۔

"تمہیں یاد ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو روانہ کرتے وقت اپنے ارشادات میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنے رفقاء کا خیال رکھنا، چنانچہ حضرت خالدؓ نے جو اپنے پیش رو امیران لشکر کے منتخب جاں نشیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر صدق دل سے عمل کیا، اہل لشکر کو رومیوں کی دست وبرد سے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوئے، ان کی جانوں کو ضائع ہونے سے بچالیا، اور یہ ثابت کیا کہ اللہ کی راہ میں جان دینا ہی سعادت نہیں، اعلائے کلمۃ الحق کے لئے زندگی کو اٹھا رکھنا بھی اللہ کی نعمت کی قدر کرنا ہے۔ بلکہ فریقین کے نقصان سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس جنگ میں فتح وشکست کا معیار کیا ہے۔" استاد صاحب نے مزید بتایا۔ "کہا جاتا ہے کہ دشمن کا مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ جانی نقصان ہوا، یعنی جیسا کہ میں نے بتایا، شہید ہونے والے مجاہدین کی تعداد، بشمول تینوں امرائے لشکر، بارہ ہے، ان عظیم شہدا کے اسماء مجھے ازبر ہیں، کہ ان پاک طینت حضرات کے نام دہرانا بھی باعث سعادت ہے، ان شہداء کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ حضرت زیدؓ بن حارث، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ، حضرت مسعود بن اُرس، حضرت وہب بن سعد، حضرت عباؓد بن قیس، حضرت نعمانؓ بن حارث، حضرت سراقہؓ بن عمر، حضرت ابوکلیبؓ بن عمرو، حضرت جابرؓ بن عمرو بن زید، حضرت عمروؓ بن سعد اور حضرت عامر بن سعد بن حارث رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔" حیان نے بھی ان پاک ارواح کی بلندی درجات کی دعا کی۔

"اسی جنگ موتہ کے حوالے سے ایک اور بات مجھے یاد آتی ہے جو تاریخ کا حصہ ہے۔" استاد صاحب یکا یک دیوار کا سہارا چھوڑتے ہوئے بولے۔ "قبیلہ بنو جذام سے تعلق رکھنے والا، ریاست معان کا حاکم فروہ بن عمرو غالباً اس جنگ کے نتیجہ سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگیا اور اس خبر کے ساتھ کہ وہ ایمان لے آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ تحائف روانہ کئے۔ لیکن رومی حکام کو جیسے ہی اس بات کی اطلاع ملی، فروہ کو قتل کرادیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔"

"حیان نے بھی اس نومسلم مقتول کے لئے کلمۂ خیر بلند کیا اور استاد الرحمٰن نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"یہی نہیں، بلکہ اس معرکۂ موتہ کے بعد اکثر قبائل مسلمانوں کی طرف مائل ہونے لگے، ان میں کچھ قابل ذکر یہ ہیں، مثلاً بنوسلیم، بنواشجع، بنوذبیان، بنوغطفان اور بنوفزارہ وغیرہ۔"

"سبحان اللہ ماشاءاللہ" حیان نے خوشی کا اظہار کیا۔

"جنگ موتہ سے ایک بہت بڑا فائدہ مسلمانوں کو یہ ہوا کہ انہیں سلطنت روم کی طاقت اور ان کے طریقہ جنگ کا اندازہ ہوگیا اور وہ جو اہل عرب پر رومیوں کا رعب اور دبدبہ برسوں سے چلا آتا تھا، اس معرکہ کے تجربہ نے اس خوف کو اہل ایمان کے اندر سے رفع کردیا، اس کے ساتھ ہی وہ زمین شام اور اس کی جغرافیائی کیفیت سے بھی واقف ہوگئے، جو بعد میں ان کے ساتھ معرکہ آرائیوں اور فتوحات میں مددگار ثابت ہوئی۔

"بیٹا ایک بات میرے ذہن سے نہ نکل جائے، جس کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔" یکایک استاد عبدالرحمٰن نے درمیان میں کہا۔ "جس وقت صادق رسول منبر مقدسہ پر تشریف فرما، موتہ کا جنگی نقشہ مسلمانوں کے سامنے پیش فرمارہے تھے، اور لشکر کے تینوں امیروں کی شہادت کا آپؐ نے چشم دید حال بیان فرمایا تھا اور آپؐ کسی قدر آبدیدہ ہوگئے تھے، اس کے بعد ہی آپؐ حضرت جعفرؓ کے گھر تشریف لے گئے، اس وقت حضرت جعفرؓ کی اہلیہ آٹا گوندھ رہی تھیں، آپ کو دیکھ کر مودب ہوگئیں، حضورؐ خاموش رہے، فرمایا، "جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ!" حضرت جعفرؓ کی بیوی نے جلدی جلدی بچوں کے سروں میں کنگھی کی، سنوارا اور حضور کی خدمت میں پیش کردیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں بچوں کی پیشانیوں کو ازراہ شفقت ومحبت بوسہ دیا، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ حضرت جعفرؓ کی زوجہ یہ دیکھ کر سہم سی گئیں۔ عرض کی۔ "یا رسول اللہ، کیا جعفر کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے؟" فرمایا، "ہاں جعفر بھی اور ان کے ساتھی بھی شہید ہوگئے ہیں!" یہ سن کر جعفرؓ کی بیوہ رونے لگیں۔ ان کی گریہ وزاری سن کر ہمسائے کی عورتیں بھی آگئیں۔ تو آپؐ وہاں سے اٹھ کر تشریف لے آئے اور امہات المومنین سے فرمایا، "جعفر کے اہل خانہ کی طرف سے غفلت نہ کرنا، ان کے ہاں کھانا بھیجو کہ وہ سب دل گرفتہ ہیں!"

یہ کہتے وقت خود استاد عبدالرحمٰن گلوگیر ہوگئے اور حیان تو آنسوؤں میں ڈوب گیا۔

"حضرت جعفرؓ کی شہادت پر حضرت حسان نے جو اشعار کہے، ان کا دہرا کر ہم شہید کو خراج عقیدت پیش کرسکتے ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ایک کاغذ اٹھایا اور پڑھنے لگے۔

"آج جعفر بن ابی طالب شہید ہوگئے ہیں، یہ شہادت رسول اللہ پر سب سے زیادہ گراں گزری ہے، جعفر، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین صحابی تھے، اس لئے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے ہیں، اے جعفر! جب تمہاری شہادت کی خبر ملی تو میں بے تحاشا گریہ کرنے لگا، جس وقت تلواریں بے نیام ہوں گی، جس وقت نیزے لہرائیں گے اور اپنی پیاس بجھانے کے لئے آگے بڑھیں گے تو ان نیزوں کو اٹھا کر

رسول اللہ کے پرچم عقاب کے سائے میں کون کھڑا ہوگا، جعفر کے بعد، یہ مقام کون لے سکے گا، جعفر وہ ہیں جو فاطمہ بنت اسد کے لخت جگر تھے، اور ساری دنیا میں بہترین انسان تھے۔ ان کی شہادت دنیا میں سب سے اہم سب سے اکرم اور اشرف ہے۔ وہ ظلم کو قبول نہیں کرتے تھے، ظلم کے سامنے وہ مضبوط اور غالب تھے، اگر حق کی بات آجاتی تو جعفر سب سے زیادہ عاجز اور متشکر نظر آتے تھے وہ فیاضی میں سب سے زیادہ تھے، وہ فحش اور لغویت سے دور رہتے تھے، وہ سخاوت کے وقت سب سے بڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ خرچ اور داد و دہش میں سب سے آگے ہوتے۔ وہ نیکی میں سب سے زیادہ کشادہ دل اور کشادہ دست تھے۔ ہاں صرف رسول اللہ کی ایسی ہستی ہے جو ساری دنیا میں اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے اعلیٰ اور برتر ہے۔"

اب استاد صاحب نے پھر اپنے مخصوص انداز میں کہنا شروع کیا۔

"لشکر اسلام، معرکۂ موتہ کے بعد، واپس ہوا اور ابھی مدینہ کے مضافات میں پہنچا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس شہر سے باہر تشریف لے جاتے ہیں، اہل مدینہ بھی لشکر کے استقبال کے لئے آپ کے ساتھ ہیں، ان میں بوڑھے جوان اور نوعمر سب ہی شامل ہیں، بچے دوڑ دوڑ کر ان کی طرف جاتے ہیں کہ حضور اکرمؐ، مجاہدین سے فرماتے ہیں، اپنے بچوں کو اپنی سواریوں پر بٹھالو۔ پھر ارشاد کیا جعفرؓ کے بیٹے کو یہاں میرے پاس لاؤ، عبداللہؓ ابن جعفرؓ کو لایا گیا تو آپؐ نے انہیں اپنی سواری پر بٹھالیا۔

"اللہ اللہ!" حیان کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"ایک طرف یہ منظر ہے اور اس لشکر کے استقبال کے موقع پر اہل مدینہ کے ساتھ خود رسول اللہ شریک ہیں، ادھر ایک ناخوشگوار واقعہ یہ ہوا کہ جیسے ہی مجاہدین مدینہ کے قریب مقام حرف میں داخل ہوئے، کچھ لوگوں نے مٹھی بھر بھر کر مٹی ان کی طرف پھینکنی شروع کردی اور طعن دینے لگے۔ "تم اللہ کی راہ میں پشت دکھا کر آئے ہو، فراری ہو تم، فراری ہو!" نبی علیہ السلام کے گوش مبارک میں جو یہ آوازیں آئیں تو آپ نے فرمایا۔ "یہ فرار نہیں کرار ہیں!"

"استاد محترم! اس کا کیا مطلب ہے؟"

"فرار کا مطلب فراری اور کرار سے مراد پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہونے والے۔" حیان کے سوال پر استاد صاحب نے بتایا اور پھر اسی لمحہ کسی قدر تیز آواز میں بولے۔ "اور سچ فرمایا میرے رسول محترم نے، آپ کی یہ پیش گوئی پوری ہوکر رہی، یعنی چار سال کے بعد ہی، انہی خالدؓ بن ولید نے قیصر و کسریٰ دونوں عظیم سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجاوی، حمیرہ اور غسانی قبائل کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں۔"

"سبحان اللہ!" حیان نے خوشی کا اظہار کیا۔ استاد عبدالرحمٰن نے زیر لب اپنے شاگرد کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے بیٹا پانی پی لیں تو پھر آگے چلیں گے۔"

حیان اسی وقت حکم بجالایا۔ اور جس طرح آب نوشی کی روایت چلی آتی ہے اسے پورا کیا۔

"حضرت حسانؓ جنگ موتہ کے دوسرے شہدا کو بھی نہیں بھولے۔ اپنے اشعار میں انہیں نہایت دل سوزی سے یاد کیا ہے۔" اس بار پھر انہوں نے ایک کاغذ اپنے قریب سے اٹھایا اور اس پر چہرہ جھکا کر پڑھنے لگے۔

مدینہ میں ایک رات مجھ پر بڑی گراں گزری۔ اس رات ساری دنیا نیند کا لطف اٹھا رہی تھی، لیکن میں اپنے ایک دوست کی یاد میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا، میری آہ و بکا کا سبب اس حبیب کی یاد کے بغیر کیا ہوسکتا ہے جو میدان جنگ میں شہید ہوگیا تھا۔ اس میں کیا شک کیا جاسکتا ہے کہ دوست کا فراق ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔ لیکن دنیا میں کتنے ایسے عالی ظرف اور اشراف لوگ ہیں جو اس امتحان سے

گزرے ہیں اور انہیں یہ مصیبت برداشت کرنی پڑی۔ میں نے چیدہ چیدہ عاشقان رسول کو شہید ہوتے دیکھا ہے۔ ان لوگوں کا جواب نہیں ملتا اور ان کے جانشین آئے دن نہیں ملتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان شہداء سے دور نہ رکھے جو جنگ موتہ میں کام آئے، جن میں حضرت جعفرؓ، زیدؓ بن حارث اور عبداللہ بن رواحہ تھے، جو ایک ایک کرکے میدان جنگ میں شہید ہوئے، ان کے سامنے موت کے کئی ذرائع تھے، مگر انہوں نے شہادت کی موت کو ہی قبول کیا۔ اے اللہ ان شہدا کو ہم سے دور نہ کرنا جو جنگ موتہ میں شہید ہوئے ہیں۔ مجھے اس دن کی بات یاد ہے؟ جب یہ شہدا مسلمانوں کے ایک لشکر کے ساتھ میدان کارزار کی طرف بڑھ رہے تھے اور ان کی قیادت ایک ہاشمی کررہا تھا، جو خوش بخت بھی تھا، سفید چہرہ لئے ہوئے اور بدر کامل کی طرح روشن۔ ہر برائی اور رسوائی سے پاک تھا، دلیر بھی تھا اور شجاع بھی۔ یہ ہاشمی جنگ موتہ میں بڑی بے جگری سے نیزہ بازی کا مقابلہ کرتا رہا۔ وہ اپنے بدن پر زخم برداشت کرتا گیا اور میدان جنگ میں ہی گر گیا اور اس کے جسم پر نیزوں پر نیزے ٹوٹتے گئے، آخرکار یہ ہاشمی نوجوان ان شہدا کی صف میں جالیٹا اور اس کے سامنے جنت کے باغات اور سرسبز وادیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب جعفر کسی بات کا اعلان کرتے تو ہمیں محسوس ہوتا تھا کہ سید الانبیاء کی روح اس سے بول رہی ہے۔ وہ حضورؐ کا عاشق تھا، وفادار تھا، اور ان سے پختہ کاری سیکھی تھی، آج آل ہاشم کے قابل فخر اور باوقار نوجوان اسلام کے عظیم ستون بن کر میدان جنگ میں کھڑے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ اسلام کی حفاظت کرتے رہیں گے۔"

یہاں ایک بات جو رہ نہ جائے کہتا چلوں کہ جس طرح اتنی پرہجوم فوج کے مقابل مسلمانوں کا جانی نقصان اس کی نسبت کم ہوا، وہیں کچھ مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا، خصوصاً ایک واقعہ تمہاری دلچسپی کے لئے بیان کرتا ہوں۔" وہ ذہن پر زور دے کر کہنے لگے۔ "اس معرکہ میں قبیلہ حمیر کے ایک مجاہد کا مقابلہ ایک رومی بہادر سے ہوا جو ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مجاہد نے اپنے شکار کا کُل سامان سمیٹنا چاہا لیکن امیر لشکر خالدؓ بن ولید نے انہیں سارا اسباب لینے سے روک دیا، یہ دیکھ کر ایک صحابی حضرت عوفؓ بن مالک نے مداخلت کی اور امیر کو بتایا کہ رسول اللہ، مجاہد کو مقتول کا کل سامان عطا فرماتے رہے ہیں۔" خالدؓ نے کہا۔ "بے شک آپ نے درست فرمایا، لیکن مجھے یہ سامان بہت زیادہ لگتا ہے۔" چنانچہ مدینہ واپسی پر یہ معاملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ رسول اللہ نے خالدؓ سے وضاحت طلب فرمائی، حضرت خالدؓ نے جواب میں وہی عرض کیا جو وہ پہلے کہہ چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا۔ "مجاہد کو اس کا تمام سامان دے دو!" حضرت خالدؓ تعمیل ارشاد کے لئے اپنی جگہ سے اٹھے اور جب حضرت عوفؓ کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے خالدؓ کی چادر کھینچ کر کہا۔ "وہی ہوا نا جو میں نے کہا تھا۔" حضور نبی کریمؐ نے دیکھ لیا اور عوفؓ کی بات بھی سن لی جو آپ کو ناگوار گزری، ناراض لہجے میں فرمایا۔ "اے خالد! اب کچھ نہ دو، بس رہنے دو۔" پھر عوفؓ کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد کیا۔ "تم لوگ میرے امرا کا بھی خیال نہیں کرتے!"

"اللہ اکبر، کیا انداز دل نوازی ہے!" حیان اپنے تاثرات نہ چھپا سکا۔

"اس وقت ہم چاہیں گے کہ ایک سریہ ذات السلاسل کا حال دہرالیا جائے جو جنگ موتہ کے فوری بعد پیش آیا۔"

"جی استاد محترم، براہ کرم۔" حیان کا شوق تو ہر دم تازہ دم رہتا ہے۔ فوراً ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ استاد صاحب بتانے لگے۔ "یہ سریہ جس کا ہم تذکرہ کرنے چلے ہیں، ذات السلاسل کہلاتا ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مدینہ اور وادی القریٰ کے درمیانی فاصلے پر ایک قریہ ہے جو اپنے ایک چشمے کی نسبت سے سلسل کہلاتا ہے۔ مدینہ سے سلسل کی مسافت میں کوئی دس روز لگتے

ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی قضا کے کچھ لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے جمع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے فوراً اس کا تاثر لیا اور مہاجر و انصار میں سے تین سو مجاہدین منتخب فرمائے اور تیس گھڑ سواروں کا ایک دستہ بھی ان میں شامل کر کے، عمروؓ بن العاص کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا اور انہیں سفید علم سے نواز کر وادی القریٰ کی جانب روانہ کیا۔"

"استاد محترم، یہ عمروؓ بن العاص وہی ہیں جو حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے اور جو پہلے قریش کی طرف سے سفیر بنا کر حبشہ بھیجے گئے تھے؟"

"ہاں، اللہ کی شان ہے، کل یہ مسلمانوں کو گرفتار کرنے گئے تھے، اور آج انہی کے ساتھ اسلام کی سر بلندی کے لئے جہاد کرنے نکلے ہیں۔" استاد صاحب نے مستحسن لہجے میں کہا، پھر بیان کرنے لگے۔ "حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ حکمت عملی اپنائی کہ رات کے حصے میں سفر کرتے اور صبح ہوتے ہی پہاڑوں میں روپوش ہو جاتے، جہاں سارا دن گزارتے، اس طرح وہ جب دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا تعداد میں وہ کئی گنا ان سے زیادہ ہیں، چنانچہ ایک صاحب رافع بن کمیث جہنی کو مدینہ روانہ کیا گیا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال سے آپ کو آگاہ کیا۔ چنانچہ آپؐ نے دو سو مجاہدین مزید منتخب فرمائے، ان میں حضرت ابوبکرؓ صدیق اور عمر فاروقؓ ایسے جلیل القدر حضرات بھی شامل ہیں، حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح کو علم کے ساتھ ان مجاہدین کی سربراہی کا اعزاز بخش کر اس ارشاد کے ساتھ روانہ فرمایا کہ فوراً عمرو بن العاص سے جاملو، اور فرمایا، کوئی اختلاف نہ کرنا، اتحاد قائم رکھنا۔" اللہ اللہ تم نے سنا حیان کہ حضور نبی کریم نے خصوصی طور پر اختلاف نہ کرنے اور اتحاد برقرار رکھنے پر کیوں زور دیا تھا، اس کی وجہ اس وقت سمجھ آئی، جب ابوعبیدہؓ اپنے زیر تحت مجاہدین کو لئے عمروؓ بن العاص سے جا ملے اور جب نماز کا وقت آیا تو وہ امامت کے لئے آگے بڑھنا چاہتے ہیں کہ عمرو بن العاص نے انہیں یاد دلایا۔ "آپ میری معاونت کے لئے آئے ہیں، امیر نہیں ہیں!" حضرت ابوعبیدہؓ فوراً رک جاتے ہیں اور اختلاف نہیں کرتے، کیونکہ ان کے ذہن میں اپنے ہادیٔ اعظم کا ارشاد محفوظ ہے کہ اختلاف سے پرہیز کرنے کو فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ نہایت اتحاد اور یک جہتی کے ساتھ دونوں جماعتوں نے مل کر قضا کے لوگوں پر یلغار کی اور ان کے علاقوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھے، یہاں تک کہ کفار منتشر ہو کر ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ گویا یہ ثمرہ تھا اس اتحاد کا جس کا حکم نبی محترم نے فرمایا تھا اور یوں بھی مومن، کب کوئی کام اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے، اس کا مقصد حیات تو اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے، تو تم نے اہل ایمان کے اندر نظم و ضبط کی پابندی کا مظاہرہ دیکھا، صدیق و فاروق ایسے اکابرین اور ابوعبیدہ جیسے بطل جلیل، عمرو ابن العاص کی سرکردگی میں بے چون و چرا سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں، اس طرح کے باہمی احترام اور محبت کے مظاہرے کہیں اور کسی دوسری قوموں کے اندر کب دیکھنے میں آئے ہیں، اور وہ بھی ایسی قوم کے اندر جو صدیوں سے آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاتی آئی ہے، تو دراصل یہ انقلاب ان کے اندر کس چیز نے پیدا کیا؟ اسلام کے سوا کسی اور کو دخل نہیں، اور یہ سب تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات ہیں جو صحابہ کے ہر عمل سے ظاہر ہوتے ہیں۔"

"بے شک، ہمارے نبی رحمت عالم کی کیا تعریف ہو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہی اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کیا ہے۔"

"میں چاہوں گا کہ اس تسلسل میں ایک اور سریہ کا تذکرہ کر دیا جائے۔" کئی لمحے خاموش رہنے کے بعد استاد عبدالرحمن نے کہا۔ "یہ اس آٹھ ہجری کے ماہ رجب کی بات ہے، ساحلی علاقہ سیف البحر پر آباد قبیلہ جہینہ اسلام سے پُرخاش رکھے ہوئے ہے، اکثر اطلاعات ملتی رہتی ہیں کہ جہینہ کے لوگ حضور نبی کریم اور مسلمانوں کے خلاف سازشی منصوبہ سازی کرتے رہتے ہیں، چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرنا ضروری خیال فرمایا، کوئی تین سو افراد، مہاجر اور انصار میں سے آپؐ نے منتخب فرمائے اور حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح کو ان کا امیر مقرر فرما کر سیف البحر کی طرف روانہ کیا، روانگی کے وقت آنحضورؐ نے ایک زنبیل کھجور کی بطور زاد راہ ابوعبیدہؓ کو عنایت فرمائی۔ لیکن وہ ابھی راستے میں ہی ہیں کہ کھجوریں ختم ہو گئیں۔ یہاں تک کہ درختوں کے پتے توڑ توڑ کر کھانے کی نوبت آ گئی۔ اس وجہ سے اس سریہ کا نام سریہ الخبط پڑ گیا، خبط کا مطلب ہے پتے جھاڑنا، بہر حال ابوعبیدہؓ اپنے جوانوں کو لئے ساحل سمندر پر پہنچے تو ایک بڑی مچھلی ان کے ہاتھ لگی، اس کی جسامت کا عالم یہ ہے کہ تین سو افراد اس مچھلی کا گوشت ایک ماہ سے نوش جان کرتے رہے لیکن ختم ہونے میں نہ آ سکی۔ جہینہ کے لوگ مقابلے پر نہیں آئے اور یہ مہم واپس آ گئی، ابوعبیدہؓ نے حضور کی خدمت میں پہنچ کر جہاں دیگر تمام واقعات آپؐ کے گوش گزار کئے، وہیں اس مچھلی کا تذکرہ بھی کیا۔ آپؐ نے فرمایا، یہ رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سمندر سے نکالا تھا، اگر اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس ہو تو مجھے بھی کھلاؤ!"

یہ کہتے وقت استاد عبدالرحمن کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ حیان نے سمجھ لیا کہ اس کا کیا سبب ہے، وہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایسی ادا کا تذکرہ کرتے ہیں تو ضرور مسکراتے ہیں، اور حیان تو اپنے نبی کی ایک ایک ادا پر قربان ہونے کو تیار رہتا ہے۔

"بیٹا حیان، یہ دور جس میں اس وقت ہم سفر کر رہے ہیں، تحریک اسلامی کا ایک اہم ترین اور اب تک کے حالات سے کسی قدر مختلف دور ہے، یعنی یہ آٹھویں ہجری ہے جس میں ایک عجیب معرکہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان موتہ کے مقام پر پیش آیا، یہ جنگ مسلمانوں کے حق میں رہی کہ رومیوں کے؟ اس پر جو مختلف آرا ہیں ان کا ہم ابھی جائزہ لے چکے ہیں، اور اس تجزیہ کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اگر جنگ موتہ مسلمانوں کے لئے فتح نہیں تو شکست بھی نہیں کہلا سکتی۔ البتہ اس کا نتیجہ اسلام دشمن طاقتوں نے اپنے اپنے طور پر اخذ کیا، کچھ نے صرف اسی بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ مسلمان روم ایسی دنیا کی طاقتور ترین سلطنت سے آنکھیں چار کرنے اسی کی سرزمین میں جا پہنچے اور اتنی قلیل تعداد کے باوجود ڈٹ کر مقابلہ کیا اور میدان سے راہ فرار اختیار کرنے کے بجائے باوقار انداز میں واپس ہوئے، جو پسپائی، شکست خوردگی یا بزدلی نہیں کہلاتی، بلکہ ماہرین حرب اس کو جنگی حکمت عملی سے تعبیر کرتے ہیں، تاہم اس بات نے کہ سلطنت روما جیسی طاقت سے ٹکرانے مسلمان خود اس کی سرزمین پر پہنچ گئے، عرب کے بیشتر قبائل کو حیرت میں ڈال دیا، اس کے برعکس کچھ لوگوں نے اسے مسلمانوں کی شکست اور سبکی خیال کیا، خصوصاً قریش تو سمجھنے لگے، گویا مسلمان کمزور پڑ گئے اور رومیوں سے لڑ کر اپنی طاقت کھو بیٹھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو پھر سے آنکھیں دکھانی شروع کر دیں، اس کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ بنو خزاعہ جو مسلمانوں کے حلیف ہیں، ان پر ان کی دست درازیاں تیز ہو گئیں، یہ بنو خزاعہ تمہیں یاد ہوگا وہی ہیں جنہوں نے معاہدۂ حدیبیہ کے وقت قریش کے مقابلہ میں مسلمانوں کا حلیف بننا پسند کیا تھا اور جو مکہ کے قریب ترین علاقہ پر رہائش پذیر تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کی وفاداری خلوص پر مبنی ہے اس کے ثبوت میں وہ، مسلمانوں کے خلاف قریش کی سازشوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرتے رہتے ہیں، یہ تمہید ہم اس لئے باندھ رہے ہیں کہ اس رواں ہجری میں، تاریخ اسلامی کا بہت ہی اہم ترین واقعہ پیش آنے والا ہے جو فتح مکہ کہلاتا ہے،

بنوخزاعہ پر قریش کا دباؤ اور ان کے ساتھ متشددانہ سلوک، مکہ کی فتح کا گویا دیباچہ ہے، اس کی ابتدا کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کو کوئی اٹھارہ ماہ گزر چکے ہیں، اس عرصہ میں پیغمبر اسلام جو قریش کے ساتھ عدم جارحیت کا معاہدہ کرکے اپنے اس بنیادی حریف کی طرف سے مطمئن ہوگئے تھے اور آپؐ نے فتنہ ساز یہودیوں کا رخ کیا تھا جو اسلام کی راہ میں سب سے زیادہ رکاوٹ بنے ہوئے تھے اور اسلام اور خود نبی کریمؐ سے متعلق نہایت مکروہ اور مخالفانہ کردار ادا کررہے تھے، چنانچہ نبی کریمؐ نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کی سازشوں کو بے نقاب کرکے ان کی کمر توڑ دی اور کسی حد تک اس فتنہ کو کچل کر رکھ دیا۔ تاہم اسلام کے دشمنوں کی کمی نہیں، بیشتر قبائل نے اسلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھ کر اسے دبانے کی کوشش کی لیکن منہ کی کھائی اور کامیاب نہ ہوسکے۔ پھر تم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرصہ میں عرب سے باہر کی چھوٹی بڑی کئی ریاستوں کے سربراہوں کو بذریعہ خطوط دعوت اسلام پیش کی، یہ عمل اس لئے ضروری تھا کہ اسلام ایک ہمہ گیر دین ہے، اس کا مقصد پوری نوع انسانی کو مخاطب کرتا ہے اور کل انسانیت کو فلاح کا پیغام دیتا ہے۔ ان سلاطین و امراء نے نبی پاک کے مکتوب پر اپنے کیا ردعمل کا اظہار کیا، وہ تم تفصیل سے سن چکے ہو، کچھ نے سر تسلیم خم کیا اور کسی نے سرکشی دکھائی، یہاں تک کہ اس کو اپنی شان میں گستاخی سمجھا اور جواباً طاقت کے نشے میں سرشار فرعونی انداز اختیار کیا اور اسلام کو دبانے اور خاکم بدہن ختم کرنے کی دھمکی دینے لگے، ان میں سے کئی نے عملاً طاقت کا مظاہرہ کیا، یہ موتہ کا واقعہ اسی فرعونیت کے جواب میں پیش آیا۔ لیکن اس سے دشمن وہ کچھ حاصل نہ کرسکا جس کے لئے اس نے طاقت کا مظاہرہ کیا تھا بلکہ رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کی کارزاری سے کچھ قبائل اتنے متاثر ہوئے کہ ان کا میلان اسلام کی طرف ہونے لگا، ان کے نام ابھی کچھ دیر قبل ہی میں نے گنوائے ہیں، البتہ قریش نے معرکہ موتہ کو مسلمانوں کی ہزیمت سمجھ کر پھر سر اٹھانا شروع کردیا اور محسوس کرنے لگے کہ معاہدۂ حدیبیہ نے گویا ان کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں ورنہ وہ مسلمانوں کو کسی خاطر میں نہیں لاتے اور انہیں سبق سکھاتے کیونکہ بزعم خود وہ بہت سی گزشتہ باتوں کا انتقام لینے کی طاقت و صلاحیت رکھتے ہیں، اس سوچ کا ایک بہت بڑا سبب قریش کا یہ احساس ہے کہ وہ پے در پے شکست کی وجہ سے نہ صرف پست حوصلہ ہوگئے ہیں بلکہ سارے عرب میں ان کی عزت و بالادستی خطرے میں پڑ گئی ہے، لہٰذا اپنی اس کھوئی ہوئی عزت کو بحال کرنا ان کے لئے ضروری ہوگیا ہے اور وہ بے چین ہیں کہ جلد سے جلد مسلمانوں پر کوئی ایسا وار کر دکھائیں جس سے نہ صرف ان کی طاقت کا مظاہرہ ہوسکے بلکہ عرب میں جو ان کی سبکی ہوچکی ہے، وہ داغ بھی ان کی پیشانی سے دھل جائے۔ اب تم دیکھو دور جاہلیت میں بھی معاہدے کی بہرحال پاسداری کی جاتی تھی، اس لئے وہ مسلمانوں کے ساتھ کھل کر مخالفت کا اظہار کرنے سے گریزاں ہیں کہ اس طرح اگر ان کی طرف سے کوئی عہد شکنی ہوتی تو اہل عرب ان پر ہنسیں گے اور طعنہ زن ہوں گے۔ چنانچہ عجیب بے بسی کا عالم ہے، صلح کے معاہدے نے ان کے ہاتھ روک رکھے ہیں، منہ پر مہر لگا رکھی ہے، لیکن اندر ہی اندر مخاصمت کی آتش سلگتی رہتی ہے، جو سازشوں کی شکل میں ظاہر بھی ہوجاتی ہے۔ جبکہ صاحب حکمت، مدبر اعظم پیغمبر اسلام ان کی تمام ریشہ دوانیوں سے باخبر ہونے کے باوجود دوسری ہی حکمت عملی اپنائے ہوئے ہیں، آپ کی کوشش ہے کہ اپنے مخالفین خصوصاً قریش کا مکمل طور پر استیصال کرنے کی بجائے، آہستہ آہستہ انہیں اتنا غیر فعال اور بے بس کردیا جائے کہ وہ اپنے غلط منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے قابل نہ رہیں، اس مقصد براری کے لئے، آپؐ نے اولاً معاشی دباؤ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا تاکہ وہ

مجبور ہو جائیں اور دوسری بات عسکری قوت میں اضافہ کرنا ہے، یعنی جب سپاہ کا حجم بڑھے گا تو دشمن مقابلے کی جرأت ہی نہیں کرسکے گا اور اس طرح بغیر خون خرابہ وہ مقصد حاصل ہوسکے گا جو جنگ اور قتل و غارت سے ہوسکتا ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس حکمت عملی میں واضح طور پر کامیابی حاصل ہونے لگی ہے، کئی قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہوچکے ہیں اور کئی ارادے باندھ رہے ہیں۔ لیکن قریش کی عاقبت نا اندیشی انہیں پھر خون خرابے پر اکسا رہی ہے، اس بات کو رسول اللہ اچھی طرح محسوس فرما رہے ہیں، تاہم ابھی تک آپ نے اپنے تحمل کو برقرار رکھا ہوا ہے، مگر اسے کیا کہیے کہ قریش کو بہت جلدی ہے، اور آخر اسی جارحانہ مزاج کے نتیجے میں نبی علیہ والسلام کو مکہ کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ مکہ کی مہم کے اسباب سمجھنے کے لئے ایک بار پھر اس کے پس منظر پر ہلکی سی روشنی ڈالنا ہوگی۔ تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ حدیبیہ کے مقام پر جب عہد نامہ تیار ہورہا تھا تو وہاں یہ بھی طے پایا تھا کہ فریقین یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قریش کے اس معاہدے میں دوسرے قبائل اگر شامل ہونا چاہتے ہیں تو وہ بھی فریق سمجھے جائیں گے، لہٰذا کہا گیا تھا کہ دیگر لوگ کھل کر اعلان کردیں کہ وہ قریش اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کس کے حلیف ہیں؟ چنانچہ خزاعہ نے معاہدے کی تحریر کے دوران ہی واضح طور پر اعلان کردیا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوئے ہیں اور یہی کچھ بنی بکر نے قریش کا ساتھ دیتے ہوئے اعلان کیا تھا۔ بنوخزاعہ اب سے نہیں عبدالمطلب کے زمانے سے ہی بنی ہاشم کے ساتھ معاہدۂ محالفت میں بندھے ہوئے آئے ہیں، ہاشمیوں سے ان کی یہاں تک قربت رہی ہے کہ ایک موقع پر کعبہ کی تولیت کا اعزاز بھی ان کو حاصل ہوگیا تھا اور ایک موقع ایسا بھی آیا تھا کہ کسی بات پر ان کی قریش کے ساتھ معرکہ آرائی ہوگئی تھی، گویا قدیم سے ہی ان کے درمیان ایک مخاصمت چلی آتی تھی، اور غالباً یہی وہ سبب ہے کہ بنوخزاعہ قریش کے مقابلے میں مسلمانوں کی طرف داری کرتے نظر آتے ہیں، اور جیسا کہ تم پہلے بھی سن چکے ہو کہ قدرت نے مسلمانوں کے لئے بنوخزاعہ کو گویا ایک سبب بنادیا ہے کہ ان کے ذریعہ قریش کی سرگرمیوں کی اطلاعات خفیہ طور پر حضور نبی کریم کی خدمت میں ملتی ہیں۔ تم اگر ذہن پر زور ڈالو گے تو تمہیں یاد آجائے گا کہ قریش نے جب یہودیوں کی شہ پاکر دس ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مدینہ کی طرف پیش قدمی کی تیاریاں کیں تو یہ بنوخزاعہ ہی تھے جنہوں نے ان کی سرگرمیوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشگی آگاہ کردیا تھا۔“

”جی ہاں مجھے یاد ہے، اسی اطلاع پر نبی علیہ السلام نے، حضرت سلمان کے مشورے سے خندق تیار کرنے کا حکم فرمایا تھا۔“ حیان نے صحیح جواب دیا۔

”اب ہم مکہ کی مہم کے اسباب میں سے اس ایک سبب کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں جس نے اس مہم کو انگیخت کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔“ جو بالآخر مکہ کی فتح پر منتج ہوئی۔ استاد عبدالرحمٰن نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

”ہوا یہ کہ بنی بکر جس نے معاہدۂ حدیبیہ کے وقت قریش کی محالفت کا اعلان کیا تھا، اس کے ایک بدبخت آدمی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں دریدہ دہنی کا ارتکاب کیا اور غلط الفاظ اپنے گندے منہ سے نکالے، اسی جگہ بنوخزاعہ کا ایک شخص بھی موجود تھا، اس نے بنوبکر کے اس دریدہ دہن کو منع کیا کہ وہ اس گستاخی سے باز آجائے، لیکن وہ نہ مانا، بلکہ اور زیادہ بے ہودگی پر اتر آیا اور بے شرم لہجے میں بدکلامی کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر بنوخزاعہ کے شخص کو بھی غصہ آگیا اور اس نے ایسی ضرب لگائی کہ اس گستاخ کا سر پھاڑ دیا۔ اب اس سگ زادو کو اور تو کچھ نہ بن پڑا دہائی دیتا ہوا قبیلہ نفاشہ کے پاس جا پہنچا، جو بنی بکر ہی کی ایک شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ جاہلوں کا تو یہ مشغلہ رہا ہے، جنگ و جدل کے بہانے

ڈھونڈتے تھے، فوراً اس کی حمایت میں لڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور باقاعدہ مقابلہ کی تیاری شروع کردی، اس کے لئے بنومدلج سے بھی مدد طلب کی گئی، لیکن انہوں نے منع کردیا تو قریش سے رجوع کیا، ان کے لئے بھی یہ ایک اچھا موقع ہے کیونکہ وہ بنوخزاعہ کے خلاف تو پہلے ہی دل میں عناد لئے بیٹھے تھے، چنانچہ قریش کے کئی لوگ اس فتنہ وفساد کے حامی بن گئے، مسلمانوں کی طرف سے ان کو یہ گمان ہے کہ موتہ کی جنگ نے انہیں کمزور کردیا ہے وہ بنوخزاعہ سے اپنی مخالفت نہیں نبھاسکیں گے، اس غلط فہمی کی بنیاد پر انہوں نے بلاخوف وتردد بنوبکر کے ساتھ، بنوخزاعہ کے خلاف ساز باز کرلی۔ یہاں تک کہ وہ قتل وغارت پر اتر آئے، اس کی ایک جھلک ہم اس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ وادی مکہ کے نشیب میں وتیر نامی ایک چشمہ ہے جو بنوخزاعہ کی ملکیت ہے، بنونفاشہ کے لوگوں نے قریش کے اکسانے پر پہلی غارت اسی پر کی اور شب خون مار کر بنوخزاعہ کے کوئی بیس افراد کو تہہ تیغ کرڈالا، باقی افراد یہاں سے فرار ہوگئے لیکن بنوبکر کی ایک دوسری شاخ بنوالدیل کے لوگ ان کے تعاقب کو نکلے اور انہیں پکڑ پکڑ کر قتل کرنے لگے۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اس آگ کو اور زیادہ بھڑکایا، اس کی کوششوں سے صفوان بن امیہ شیبہ بن عثمان، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص نے بھی بھیس بدل کر اس غارت گری میں حصہ لیا۔ بنوخزاعہ کے لوگوں کو یہ توقع نہیں تھی کہ قریش معاہدہ حدیبیہ کی اس طرح کھلم کھلا خلاف ورزی کریں گے اور اس کے خلاف ان کے حریف کا یوں کھلے عام ساتھ دیں گے جبکہ معاہدہ کی رو سے بنوخزاعہ پر اسی شرط کا اطلاق ہوتا ہے جو مسلمانوں سے مشروط ہے۔ قریش تو بے نقاب ہوگئے لیکن بنوخزاعہ کو اب راہ فرار نہیں، آخر اس اچانک آفت سے تنگ ہوکر انہیں حرم میں پناہ لینی پڑی۔ لیکن بنوبکر کے سردار نوفل بن معاویہ کے تیور بتارہے ہیں کہ وہ حرم میں بھی خزاعیوں کی جاں بخشی کے لئے تیار نہیں، یہ دیکھ کر اس کے کچھ لوگوں نے اپنے سردار کو اللہ سے ڈرانے کی کوشش کی کہ یہ حرم کی سرزمین ہے، خون ریزی سے باز آ اور اللہ سے ڈر، لیکن نوفل جوش انتقام سے بھرا ہوا ہے، اس کی آنکھوں میں خون سوار ہے، پوری رعونت سے بولا۔ "آج کوئی اللہ نہیں، ہم اپنے انتقام کی پیاس بجھا کر ہی واپس ہوں گے۔" اور پھر وہ اپنے لوگوں پر غراتے ہوئے کہنے لگا۔ "اے میری قوم کے لوگو! جب تم حرم میں چوریاں کرسکتے ہو تو پھر خون بہانے میں کیا قباحت ہے! آگے بڑھو کہ اپنے دشمن کو نیست ونابود کرنے کا یہ سنہری موقع ہے، یادرکھو! یہ وقت خداترسی کا نہیں۔" چنانچہ اس کے اس اشتعال اور انگیخت کرنے پر حرم میں بے دریغ خون بہایا گیا اور حیرت ناک بات اس وقت یہ دیکھنے میں آئی کہ قدیم روایت کے سراسر خلاف اس حرکت پر حرم کے متول قریش خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، کہتے اور کرتے بھی کیا کہ اس فتنے کو ہوا خود انہی نے دی ہے۔ حرم میں گھرے ہوئے خزاعی آخر سردار بنوبکر نوفل بن معاویہ کے غیض غضب سے بچ کر، مکہ میں مقیم خزاعی، بدیل بن ورقا اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام رافع کے گھر میں پناہ لینے میں کامیاب ہوگئے۔ اس تمام قصہ میں نہایت عجیب بات یہ ہے کہ جوش انتقام نے قریش اور بنوبکر دونوں کی عقل پر پردہ ڈالے رکھا، کسی ایک نے بھی نہ سوچا اور نہ ایک دوسرے سے تذکرہ کیا کہ بنوخزاعہ بہرحال مسلمانوں کے حلیف ہیں اور ایسا عین ممکن ہے کہ مسلمان خزاعیوں کی مدد کو آسکتے ہیں۔" استاد عبدالرحمٰن نے مسلسل بیان کرنے کے بعد دم لیا اور حیان جو بالکل خاموشی سے استاد صاحب کی رواں بیانی سن رہا ہے، قریش کی اس پست کرداری پر سخت افسردہ اور متعجب ہے کہ کیسے ناخلف لوگ تھے یہ کہ کعبہ کی تولیت جیسے اعزاز کے حامل ہوتے ہوئے بھی محض انا اور اپنے ذاتی مفاد اور جھوٹے وقار کی خاطر حرم کو درندوں کے حوالے کردیا جو انسانوں کا خون بہا کر کعبہ کے تقدس کو بے دریغ پامال کررہے تھے۔

"ان حالات میں جو تم نے سنے!" استاد صاحب نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "بنوخزاعہ کے پاس اب کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ وہ اپنے حلیف سے رجوع کریں۔"

"آپ کی مراد مسلمان؟"

"ہاں سردار بنوخزاعہ، اپنے ساتھ چالیس اونٹوں پر ان متاثرین کو لے کر مدینہ پہنچا جو بنوبکر اور قریش کی دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں، مدینہ میں داخل ہوکر یہ قافلہ سیدھا مسجد نبوی پہنچا۔ یہاں نبی محترم صحابہ کرام کے حلقے میں تشریف فرما ہیں۔ آنے والے آپ کا نام لے لے کر داد وفریاد کرنے لگے۔ آپؐ نے انہیں طلب فرمایا۔ ان افراد میں سے ایک شخص عمرو بن سالم نے قریب آکر عرض گزاری۔

"یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپؐ کے ذمہ اور حلیف ہیں، اور اس جانب داری کی وجہ سے ہمارا بے دریغ خون بہایا گیا ہے، مکہ کے گلی کوچوں میں ہم تہہ تیغ کئے گئے حتیٰ کہ حرم کے اندر بھی ہمیں امان نہ مل سکی۔

حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا، اے ابن سالم بیٹھو! عمرو آپؐ کے حضور بیٹھ گیا اور ایک رجزیہ قصیدہ پیش کرنے لگا، اس میں اس نے اپنی مظلومیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ اپنے قبیلہ کا بنی ہاشم سے قدیم تعلق کا ذکر کیا، کہا ہے۔ "اے معبود! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ قدیم معاہدہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے اسلاف کے مابین ہوا تھا، تو اے اللہ کے رسول ہماری اعانت کیجئے، اور اللہ کے بندوں کو بلائیے کہ وہ سب معاونت کے لئے حاضر ہوں گے، قریش آپؐ کے ساتھ وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے ہیں، انہوں نے اس عہد کو پامال کردیا ہے جو پختگی کے ساتھ آپؐ سے کیا گیا تھا۔ اس مصیبت میں جو انہوں نے ہمارے لئے پیدا کی، مجھ پر پہرا بٹھادیا گیا کہ میں کسی سے داد فریاد بھی نہ کرسکوں، ہمیں اس حالت میں قتل کیا گیا کہ ہم رکوع وسجود میں معروف تھے۔" رحمت عالم کو اس صورت حال نے نہایت متاثر کیا۔ بنوبکر اور قریش کی بدعہدی اور معاہدے کی خلاف ورزی پر آپ افسوس کرنے لگے۔ فرمایا، اے ابن سالم خاطر جمع رکھو، یقیناً ہم اپنے حلیف کی مدد کریں گے۔

"یارسول اللہ! ہم اسلام لانے کے لئے بھی تیار ہیں!" ابن سالم نے ممنونیت کے ساتھ اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اس وقت یکا یک بادل گھر آئے، آپؐ نے چہرہ مبارک اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، فرمایا۔ "یہ بادل بھی بنی کعب کی نصرت کا خواہش مند ہے۔"

"بنی کعب سے کیا مراد ہے استاد محترم؟" حیان نے پوچھا۔

"بنوخزاعہ کو ہی بنوکعب کہا جاتا ہے۔" استاد صاحب نے بتایا اور کہنے لگے۔ "اس کے بعد حضور نبی کریمؐ نے نہایت پرجوش انداز میں فرمایا۔ "میری مدد بھی نہ کی جائے، اگر میں اس چیز سے بنی کعب کی مدد نہ کروں جس سے میں اپنی مدد کرتا ہوں۔" اس کے بعد آپؐ نے ابن سالم اور اس کے تمام ساتھیوں سے دریافت فرمایا۔ "کیا اس قتل وغارت میں بنوبکر کے تمام قبائل نے حصہ لیا ہے؟" عرض کیا گیا۔ "جی نہیں، صرف بنونفاشہ اور بنوالدیل اس میں شریک ہوئے ہیں، اور ان کا سرغنہ نوفل بن معاویہ ہے، جو خون خرابہ کرنے میں سب سے زیادہ سرگرم رہا۔" حضور علیہ السلام نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔ "اے ابن سالم اطمینان رکھو ہم تمہاری معاونت کریں گے۔" اس یقین دہانی کے بعد ابن سالم ایک دلی طمانیت لئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنے مسکن کی طرف لوٹ گیا۔ ادھر یہ واپس ہوا، ادھر خزاعہ کے رئیس بدیل بن ورقا مدینہ آکر در دولت پر حاضر ہوا اور فریاد کرنے لگا۔ نبی کریمؐ اس وقت غسل فرما رہے ہیں، اسی حالت میں آپؐ جواب دیتے ہیں۔ "میں موجود ہوں، توقف کرو، میں ابھی آتا ہوں۔"

چنانچہ کچھ دیر بعد آپؐ حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے، رئیس بنوخزاعہ بدیل بن ورقا آپؐ کا منتظر ہے، تحیہ کے بعد، بنوبکر اور قریش نے آپس میں ساز باز کر کے ان کے ساتھ جس دہشت اور ظلم و ستم کا برتاؤ کیا وہ لرزہ خیز داستان آپؐ کے سامنے دہرائی جس کو عمرو ابن سالم پہلے ہی آپؐ کے سامنے بیان کر چکا ہے، کہ کس طرح انہوں نے پُرامن خزاعیوں پر شب خون مار کر انہیں تہہ تیغ کیا، پھر ان کا تعاقب کر کے انہیں مارا پکڑا اور رسیوں میں جکڑ کر حرم میں ڈال دیا، پھر وہاں بھی ان کا خون بہایا گیا، اور اس ساری خوں ریز کارروائی میں خود قریش کے اکابرین نے چہرے چھپا چھپا کر حصہ لیا، یہاں تک کہ جب نفاثہ کا سرخیل نوفل بن معاویہ حرم میں خوں ریزی کر کے بیت اللہ کا تقدس پامال کر رہا تھا، قریش یہ بھول کر کہ وہ کعبہ کے متولی ہیں، مہر بلب کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ''یارسول! ہم پر یہ ظلم و ستم ان ظالموں نے اس لئے روا کر رکھا ہے کہ ہم آپؐ کے حلیف اور مسلمانوں کے ہمدرد ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت توجہ اور ہمدردی کے ساتھ بنوخزاعہ کے رئیس کی فریاد کو سنا اور اس داستان ظلم پر افسوس کرتے ہوئے، ان کے ساتھ یکجہتی اور مدد کا وعدہ فرمایا۔ ابن ورقا کے گویا زخموں پر مرہم رکھ دیا گیا، وہ مطمئن ہو کر واپس ہو گیا۔'' استاد عبدالرحمن ایک لمحہ وقفہ کرنے کے بعد پہلو بدلتے ہوئے بولے۔ بیٹا، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں، نہایت سنگین معاملہ تھا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر طے کیا کہ قریش سے ہر صورت باز پرس کی جائے گی، اور اس کے لئے اپنے ایک سفیر خاص ضمرہؓ کو قریش کے پاس بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ قاصد خاص ضمرہؓ کو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ قریش کے سامنے تین شرائط رکھی جائیں۔ پہلی یہ کہ وہ بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں، دوسری یہ کہ فوری طور پر بنونفاثہ کی مخالفت سے الگ ہو جائیں، تیسری اور آخری شرط یہ کہ یا پھر وہ معاہدۂ حدیبیہ کی تنسیخ کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ سفیر رسولؐ حضرت ضمرہؓ نے مکہ جا کر قریش کے سامنے یہ شرائط رکھیں تو قرطہ بن عمرو نے قریش کا ترجمان بن کر نہایت اشکبار سے کہا۔''

ٹھیک ہے ہمیں پہلی اور دوسری شرط منظور نہیں، البتہ معاہدۂ حدیبیہ کی تنسیخ قابل قبول ہے۔'' قرطہ کی ہاں میں قریش کے کچھ اور تند خو اور بدمزاجوں نے بھی ہاں ملائی اور حضرت ضمرہؓ اپنی جگہ سے اٹھے اور واپس ہو گئے۔ مدینہ آ کر رسول اللہ کو قریش کے جواب سے آگاہ کیا تو آپؐ نے نہایت تحمل مزاجی سے فرمایا۔ ''اب ابوسفیان، ہمارے پاس آنے والا ہے جو صلح حدیبیہ کی تجدید اور مدت میں اضافے کی درخواست کرے گا!''

اور بعینہ ایسا ہی ہوا، کہ رسول اللہ کے قاصد حضرت ضمرہؓ جیسے ہی مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تھے قریش کو اپنے چند تند خو اور شعلہ مزاج لوگوں کے رویے پر سخت پشیمانی اور پریشانی ہونے لگی۔ معاہدے کی منسوخی کے اعلان نے ان کے اندر تشویش کی لہر دوڑا دی۔ فوراً مشاورت کے لئے دارالندوہ میں جمع ہوئے اس کے نتائج پر غور و فکر شروع کر دیا۔ وہ جانتے ہیں کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو یہ تین شرائط پیش کی تھیں وہ بہت غور و فکر کا نتیجہ ہوں گی۔ قریش کے لوگ دور جاہلیت سے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر کے قائل ہیں اور اس کے بعد سے اب تک آپؐ کے تمام فیصلوں کے نتائج کو حیران کن طور پر کامیاب ہوتے دیکھتے چلے آ رہے ہیں، اس احساس کا سب سے زیادہ حامل ابوسفیان ہے، یوں بھی قریش کی طرف سے بنوخزاعہ کے ساتھ جو بدعہدی اور خیانت ہوئی ہے اس کے سارے معاملہ میں سوائے ابوسفیان، قریش کے تمام سردار شریک جرم ہیں۔ بلکہ سننے میں آیا کہ اس نے اس معاملے میں نہ صرف شمولیت سے انکار کیا بلکہ قریش کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش بھی

کی، کہا کہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کا بہت تباہ کن نتیجہ نکل سکتا ہے۔ دراصل قریش کے اندر دور اندیشی اور تدبر مفقود ہو چلا ہے، اب کوئی عمرو بن العاص جیسا مدبر بھی ان میں نظر نہیں آتا جو ایسے نازک موقعوں پر ان کی رہنمائی کر سکتا اور اپنی مدبرانہ رائے سے معاملہ کو سنبھال لیتا۔ اور نہ ہی اب ان کے پاس خالد بن ولید ایسا ماہر حرب موجود ہے جو ایسے موقع پر ان کی سپر بنتا، ان دونوں حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی اور اب وہ اپنی قوم کی جاہلیت سے نکل کر اسلام کی صفوں میں شامل ہو چکے ہیں۔ چنانچہ قریش کو اس وقت ان کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔

''آخر اب کیا کیا جائے!'' دارالندوہ میں بحث و تکرار کی گرد بیٹھی تو کسی طرف سے ہاری ہوئی سی آواز سنائی دی۔ اسی وقت ان کے بچے کچھے سنجیدہ اور کسی قدر دانا افراد میں حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ نے انہیں ابوسفیان کی غیر حاضری کی طرف توجہ دلائی کہ اس کے پاس چلنا چاہئے جو ہم لوگوں سے برگشتہ ہو کر دارالندوہ میں آنے کے بجائے گھر میں بیٹھ رہا ہے۔ دیکھتے ہیں، وہ کیا مشورہ دیتا ہے۔

''ٹھیک ہے اگر تم بہتر سمجھتے ہو تو جاؤ اور اسے منانے کی کوشش کرو، کیونکہ ہمارے ان تیز دماغ اور جلد بازوں نے معاہدۂ حدیبیہ کی منسوخی کا اعلان کر کے پوری قوم کے لئے ایک مشکل پیدا کر دی ہے۔'' کسی نے غصے میں دانت پیستے ہوئے کہا اور حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ دونوں اٹھ کر ابوسفیان کے پاس چل دیئے۔ ابوسفیان نے دارالندوہ کا تو مقاطعہ کر دیا ہے، لیکن حالات سے قطع نظر ہو کر نہیں بیٹھ رہا، اس کے دماغ میں مسلسل یہ سوچ گردش کر رہی ہے کہ جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے، اس کے تمام تر برے نتائج کی ذمہ داری بحیثیت سردار مکہ آخر اسی پر آئے گی۔ وہ ابھی اسی سوچ میں کھویا ہوا ہے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور دارالندوہ سے اٹھ کر آنے والے دونوں افراد نے جاتے ہی اس کی خفگی اور ناراضی کو اس طرح دور کرنے کی کوشش کی کہ ان تمام لوگوں کی مذمت شروع کر دی جنہوں نے اس کے مشورے کو نہیں مانا تھا اور بنوبکر کا ساتھ دے کر بنوخزاعہ کے ساتھ بدعہدی کا ثبوت دیا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس حرکت سے نہ صرف بنوخزاعہ بلکہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اعلان جنگ کرنا ہے، اور اب اس کے خدشات درست ثابت ہو رہے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی اسی بددیانتی اور مجرمانہ کارروائی کا سخت تاثر لیتے ہوئے دو ٹوک انداز میں قریش سے باز پرس کی ہے۔ ابوسفیان نے کہا، تب بھی ہماری بچت تھی کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دونوں شرائط کو مان لیتے، معاملہ رفع دفع ہو جاتا، لیکن اب یہ پہلے سے بھی زیادہ سنگین غلطی کر بیٹھے ہیں کہ معاہدۂ حدیبیہ کی منسوخی کا اعلان کر دیا گیا۔''

''آپ درست کہتے ہیں! غلطی پر غلطی ہوئی ہے، لیکن اب اس معاملہ کو آپ ہی سنبھالئے، ورنہ اگر آپ نے اپنا کردار ادا نہ کیا اور قوم سے شاکی ہو کر الگ بیٹھے رہے تو حالات اور بھی زیادہ خراب ہو جائیں گے۔''

حارث اور ابن ہشام عبداللہ بن ابی ربیعہ دونوں نے یکے بعد دیگرے ابوسفیان کو سمجھایا اور اس سے گزارش کی کہ وہ بحیثیت سردار قریش اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ آخر وہ ابوسفیان کو منانے میں کامیاب ہو گئے، اور اسے لے کر دارالندوہ آ گئے۔ یہاں کچھ سنجیدہ اور فہم و فراست رکھنے والوں نے رائے دی کہ بنوبکر سے بریت کا اعلان کر دیا جائے۔ لیکن اس بار پھر قرطہ بن عمرو اور اس کے دوسرے ہم مزاج جوشیلے جنونیوں نے نعرہ بلند کیا۔ ''نہیں یہ بزدلی ہے، کوئی مقابلہ پڑ آتا ہے تو آئے ہم اس کے لئے تیار ہیں۔''

''برخوردار، ہم میں سے کوئی بزدل نہیں، جنگ وجدل کو ہم تم سے پہلے کھیل سمجھتے آئے ہیں۔'' ایک جہاندیدہ شخص نے نوجوان جنگجو کو مخاطب کیا۔'' لیکن

جنگیں صرف نعرے اور خالی جوش دکھانے سے نہیں جیتی جاتیں، اس کے لئے بہت دیکھنا اور سوچنا پڑتا ہے، مسلمانوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے، ان کا انداز حرب سمجھ سے باہر ہے۔"

"ہاں برادر عزیز، میں بھی بار بار یہی تم سب کو سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں۔" ابوسفیان بھی درمیان میں بولا۔ "کیا خیبر کے یہودیوں کا انجام تمہارے سامنے نہیں؟ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سپہ سالاری میں اہل خیبر کے مضبوط قلعے اور اسلحہ کے ذخیرے سب دھرے رہ گئے۔ بلکہ میں تو شہنشاہ روم ہرقل کا بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرچکا ہوں کہ وہ محمدؐ کے پیغام پر کس طرح پریشان نظر آنے لگا تھا۔"

"ہاں، یہ تو ہے، ہم موتہ کی جنگ میں مسلمانوں کو شکست خوردہ کہتے پھرتے ہیں، حالانکہ سچ یہ ہے کہ انہوں نے دولاکھ رومیوں سے ٹکر لے کر سارے عرب کو حیرت زدہ کردیا ہے۔" ایک اور آواز آئی جس میں اعتراف بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ "بلکہ اب تو محمدؐ کے ماننے والوں کی تعداد میں تیزی سے اور کئی گنا اضافہ ہوا ہے، مسلمان ہزاروں کی تعداد میں ہوگئے ہیں۔"

"تو پھر کیوں نہ ہم اس بات سے ہی منکر ہوجائیں کہ قریش نے کوئی عہد شکنی کی ہے، کہہ دیں کہ ہم بنوبکر کے ساتھ خزاعیوں کے قتل عام میں شریک ہی نہیں ہوئے۔" ایک دانشور نے مشورہ دیا اور دارالندوہ میں موجود تمام سرداروں نے اس رائے سے اتفاق کیا اور ابوسفیان سے درخواست کی کہ وہ مدینہ جائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفت وشنید کرکے اس معاملے کو رفع دفع کرانے کی کوشش کرے۔ ابوسفیان کو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وہ نہ صرف معاہدہ حدیبیہ کو برقرار رکھنے بلکہ اس کی مدت میں اضافہ کرنے کی بھی سعی کرے۔" چنانچہ ابوسفیان مدینہ کے لئے روانہ ہوگیا، تو تم نے دیکھا حیان کہ رسول صادق نے جو فرمایا تھا کہ ابوسفیان تجدید معاہدہ کے لئے ہمارے پاس آرہا ہے، وہ کس طرح ثابت ہوا۔"

"بلاشک استاد محترم! رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جسارت وبصیرت کیا کچھ نہیں عطا کی!"

"اب ہم پھر سفیان کی طرف چلتے ہیں۔" استاد عبدالرحمٰن پوری روانی اور دلچسپی کے ساتھ تاریخ اسلام بیان کررہے ہیں۔ "سردار قریش مدینہ کی طرف رواں ہے، قریش نے اس کے شانوں پر بہت بڑی اور بھاری ذمہ داری رکھ دی ہے، فیصلہ نہیں کرپارہا کہ وہ اپنی کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہوسکے گا، اسی غیر یقینی کیفیت کو لئے سفر طے کررہا ہے کہ راستے میں عسفان کے مقام پر بدیل ابن ورقا سے آمنا سامنا ہوجاتا ہے۔ وہ فکر میں پڑ گیا، ابن ورقا کو ایسا کیا کام پیش آگیا ہے! پوچھا، "کہاں سے آنا ہوا؟" ابن ورقا نے اصل بات بتانے کی بجائے کہا۔ "ساحل کی طرف بنوخزاعہ کے لوگوں سے ملاقات درکار تھی!" ابوسفیان بچہ نہیں، ابن ورقا کے جواب سے مطمئن نہ ہوسکا۔ بولا، "کیا ایسا نہیں کہ تم مدینہ سے آرہے ہو؟"

"نہیں، یہ تمہارا خیال ہے، میں ساحل سے واپس ہوا ہوں۔" بدیل نے اپنے پہلے بیان ہی کو دہرایا۔ ابوسفیان خاموش ہوگیا، لیکن تسلی نہیں ہوسکی اور جیسے ہی ابن ورقا کا قافلہ روانہ ہوا، اس نے ان کے اونٹوں کی مینگنیوں کو توڑ کر دیکھا، ان میں کھجور کی گٹھلیاں ہیں جو مدینہ کے چارے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس یقین کے بعد کہ بدیل ابن ورقا ضرور مدینہ سے آرہا ہے، جہاں اس نے یقیناً محمدؐ سے اس موجودہ صورت حال پر بات کی ہوگی اور حلیف ہونے کے رشتے ان سے مدد طلب کی ہے۔ اب اس کا تمام سفر مختلف اندیشوں اور خدشات میں گزرنے لگا۔ "یہاں تک کہ وہ مدینہ کے جوار میں پہنچ گیا۔ اس نے سواری کو روکا اور سوچنے لگا، کیا یہ بہتر نہیں کہ میں محمدؐ سے ملاقات سے قبل اپنی بیٹی کے پاس جاؤں کہ

ایک باپ کو بیٹی کے گھر سے زیادہ خیر خواہی اور کہاں مل سکتی ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس طرح دم لے کر میں اپنے اعتماد واوسان کو بحال بھی کرسکوں گا۔"

"استاد محترم! ابوسفیان کی بیٹی سے مراد وہ جو امہات المومنین میں شامل ہوکر حبشہ سے یہاں منتقل ہوچکی ہیں؟"

"ہاں حضرت ام حبیبہ جن کا اصل نام رملہ ہے۔" استاد صاحب، حیان کے درمیان میں ٹوکنے پر بولے اور بتانے لگے۔ "ابوسفیان کو بیٹی سے ملاقات کے فیصلے نے خاصی طمانیت بخشی اور وہ بلاتردد ان کا پتہ پوچھتا ہوا، ان کے گھر پہنچ گیا، باپ اور بیٹی کی یہ ملاقات کوئی سولہ سال بعد ہورہی ہے لیکن بیٹی کی طرف سے کوئی گرمجوشی اور جذباتیت کا اظہار دیکھنے میں نہیں آرہا، اس کو ابوسفیان بخوبی محسوس کررہا ہے۔ اب دیکھو یہاں ایمانیات کا ایک کیسا دلکش رنگ دیکھنے میں آتا ہے۔" استاد صاحب نے حیان کی طرف غور سے دیکھا۔ حیان کی توجہ اور زیادہ گہری ہوگئی۔ استاد عبدالرحمٰن بتانے لگے۔ "ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے مختصر سے حجرے میں ایک طرف ایک سادہ سا بستر بچھا ہوا ہے۔ ابوسفیان اس پر ابھی بیٹھنا ہی چاہتا ہے کہ ام المومنین نے جلدی سے بستر کو لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے سوالیہ آنکھوں سے بیٹی کو دیکھا اور پوچھا۔ "کیوں جان پدر تمہارا خیال ہے یہ بستر تمہارے باپ کے شایان شان نہیں؟"

"آپ نے غلط سمجھا اے اباجان! رسول اللہ جو سید الطاہرین ہیں، یہ ان کا بستر ہے، اس پاکیزہ بستر پر کوئی مشرک اور نجس کو کیونکر بٹھایا جاسکتا ہے۔" ابوسفیان نے کبھی خواب میں بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کی کوئی بیٹی اسے اس طرح کا جواب بھی دے سکتی ہے۔ اس کے ذہن میں ایک زوردار چھناکا سا ہوا، وہ جو اپنی خوش پوشی میں مشہور ہے اور اس وقت بھی اس کے جسم پر قیمتی اور سرداروں والا لباس ہے، لیکن یہ کیا کہ اسی کی بیٹی اس کو نجس، اور ایک پھٹے پرانے بوریے کو مقدس وپاکیزہ کہہ کر اسے اس قابل ہی نہیں سمجھ رہی کہ وہ اس پر بیٹھ سکے۔ اس نے بیٹی کے اس طرز عمل کو اپنی ہتک اور بے عزتی خیال کیا اور غصے کو ضبط کرکے حجرے سے باہر نکلا چلا گیا۔ ظاہر ہے، اب اس شخص کا رخ اسی طرف ہی ہوسکتا ہے جہاں وہ مہاجر اللہ کے گھر میں بیٹھا اپنے اصحاب کو اپنی تعلیم منورہ سے نواز کر دنیا کے لئے ہدایت کا روشن مینار بنانے میں مصروف ہے، جس کو ابوسفیان اور اس کے حواریوں نے مکہ بدر ہونے پر مجبور کردیا تھا، جس کو ابوسفیان غزوۂ احد میں لہولہان کرانے کے بعد دوبارہ بدر میں زور آزمائی کی مبارزت دے گیا تھا، یہی ابوسفیان تھا جو دس ہزار جنگجوؤں کو لے کر مدینہ پر یلغار کرنے آیا تھا اور یہی شخص ہے جو اس اللہ کے اسی رسول کو خندق کے اس پار سے بار بار للکارتا رہا، اور وہ بار بار اسے اور سارے قریش کو عدم جارحیت اور محبت کی دعوت دیتا رہا، یہ ابوسفیان انہی لوگوں کا نمائندہ ہے جنہوں نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اللہ کے گھر میں حاضری سے روک دیا تھا، مسلمان ترستے، روتے اور آہ وبکا کرتے حرم کی زیارت سے محروم لوٹ گئے، لیکن رحمت عالم نے ان کی ہر شرط قبول کرکے فریقین کو ایک بڑے خون خرابے سے بچالیا تھا، آج اسی صابر اور امن وآشتی کے خواہاں کے پاس، مکہ کا رئیس اعظم قریش کا سردار امن کی درخواست کرنے حاضر ہورہا ہے۔ جیسے ہی مسجد نبوی میں داخل ہوا، کئی مسلمانوں کے سامنے اس کے مظالم تازہ ہوگئے، تلواروں کی طرف ہاتھ لپکنے لگتے ہیں، لیکن یہ تو رحمت عالم محسن انسانیت کی بارگاہ ہے، یہاں امان ہی امان ہے۔ کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا۔ ابوسفیان نبی علیہ السلام سے آنکھ ملائے بغیر عرض گزارتا ہے۔ "محمدؐ! میں قریش کی طرف سے تجدید معاہدہ کی خواہش لے کر آیا ہوں!" اللہ کے رسول، اس کی بات کو سنی ان سنی کرکے چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیتے ہیں۔ وہ اپنی بات کو

دہراتا رہتا ہے، لیکن آپ کا جواب صرف خاموشی ہے۔ سردار قریش مایوس ہو کر مسجد سے باہر نکل آتا ہے، کچھ دیر سوچتا رہتا ہے، پھر لوگوں سے ابوبکر ابن ابو قحافہ کے متعلق معلوم کرتا ہے۔ لوگ اشارے سے خانۂ صدیق بتا دیتے ہیں۔ ابوسفیان فوراً ان کے در پر دستک دیتا ہے۔ وہ اس شخصیت کے مقام و مرتبہ سے بخوبی واقف ہے، سمجھتا ہے کہ اس کی مقصد براری کے لئے ابوبکر سے بہتر سفارشی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ صدیق اکبرؓ گھر آئے ہوئے شخص کو دھتکارتے نہیں، اس سے اس کی آمد کا مقصد دریافت کرتے ہیں، ابوسفیان مدعا بیان کرتا ہے، لیکن جس شخص سے صدیق کے آقا منہ پھیر لیں، وہ اس کو کس طرح منہ لگا سکتے ہیں، صاف انکار کر دیتے ہیں۔" ہرگز نہیں، میں اس معاملے میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔" ابوسفیان بار بار انہیں پرانے تعلقات کا واسطہ دیتا ہے، لیکن صدیق نے جس چیز سے رشتہ جوڑا ہے، اس ایمان اور اسلام کے مقابلہ میں تمام تعلقات ہیچ ہیں۔ ابوسفیان کی بے بسی دیدنی ہے، اسی وقت ایک اور شخصیت اس کے ذہن میں آتی ہے، کچھ ہی دیر بعد، وہ فاروقؓ کے دروازے پر سوالی بنا کھڑا ہے۔" اے عمر! میری مدد کرو اور اپنے صاحب سے کہہ کر اس مسئلہ کو حل کراؤ جس کے لئے میں مکہ سے چل کر آیا ہوں۔"

"خبردار اے اللہ و رسول کے دشمن! اپنی مکروہ آواز سے میرے گوش آلودہ نہ کر، چلا جا یہاں سے ورنہ......"

سردار قریش، فقیر مزاج عمر کی دھتکار پر حیران رہ جاتا ہے، اب اسے ایسے شخص کی تلاش ہے جو اس کے خاندان قبیلہ کا ہو، خونی رشتہ بھی رکھتا ہو، اور اس کے لئے عثمانؓ سے زیادہ مناسب اور کون سی شخصیت ہو سکتی ہے۔ ابوسفیان کے قدم اسی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ دیکھتے ہی، جناب عثمان سے ہم آغوش ہو جاتا ہے، نہایت خوشامدانہ انداز میں کہتا ہے۔

"اے برادر آپ جانتے ہیں کہ ہم دونوں کا آپس میں کیا رشتہ ہے، آپ کی اور میری رگوں میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے، کیا بنی امیہ کے اسلاف کی روحوں کو خوش کرنے کا یہ بہترین موقعہ نہیں، کہ آپ اس خونی رشتے کا احترام کریں اور اپنے خسر کے ہاں میری بہترین سفارت بن کر پیش ہوں! واللہ میں نے اصحاب محمدؐ میں آپ سے زیادہ کسی اور کو اتنا لائق احترام نہیں دیکھا۔ براہ کرم آگے بڑھئے اور تجدید صلح کروا کر قریش پر احسان کیجئے۔" عثمانؓ نرم دل اور نرم خو ہیں، سخت لہجے میں بات کرنا آپ کی عادت نہیں، ابوسفیان کی گزشتہ اسلام دشمنی کو بھولے نہیں، تاہم برداشت سے کام لیتے ہیں، نہایت نرمی سے کہتے ہیں۔" میری پناہ، رسول اللہ کی پناہ میں ہے۔" یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس کو رسول اللہ پناہ نہ دیں، اس کے لئے عثمان دروازہ کھول دے۔ ظاہر ہے ایسے شخص کی عثمان باحیا کیونکر سفارش کے لئے حامی بھر سکتے ہیں جو بارگاہ رسالت سے دھتکارا گیا ہو۔

"افسوس اس شخص پر، کاش اسے پہلے ہوش آ گیا ہوتا!" حیان نے تاسف کے لہجے میں کہا۔ استاد عبدالرحمٰن کے بیان کا دریا اپنے بہاؤ پر ہے۔ کہنے لگے۔ "واقعی اس پر افسوس بھی نہیں کیا جا سکتا، کوئی نہیں جو مدینہ میں اس کو منہ لگانے پر تیار ہو، لیکن سرداری کا زعم تو دماغ میں موجود ہے۔ انا کا سوال بھی ہے کہ اگر ناکام گیا تو قریش کو کیا منہ دکھائے گا، لہٰذا ہمت نہیں ہارتا۔ بہت غور و فکر کرنے پر اسے امیر یاد آتے ہیں، نہایت قوی امید لے کر علیؓ سے رجوع کرتا ہے۔" علیؓ جواب دیتے ہیں۔

"اے ابوسفیان! تو کس غلط فہمی میں ہے، ہوش کر! کس کی مجال ہے جو رسول اللہ کی جناب میں سفارش کی جسارت کر سکے!" ابوسفیان کی مایوسی بڑھتی جا رہی ہے، لیکن ہتھیار نہیں ڈالتا، مہاجرین سے مایوس ہوا تو انصار کے پاس قسمت آزمائی کرنے جاتا ہے۔ خزرج کے سردار حضرت سعدؓ بن عبادہ کے آگے اپنا مدعا بیان کرتا ہے اور اپنے پرانے تعلقات کا واسطہ دے کر درخواست گزار ہوتا ہے کہ" آپ اس شہر کے سردار ہیں، لوگوں کے درمیان پناہ کا اعلان کر دیجئے اور درمیان میں پڑ کر اس مسئلہ کو حل کرا دیجئے۔" لیکن حضرت سعدؓ بھی اب کہاں ان دنیا داریوں اور رشتے و تعلقات کو خاطر میں لانے والے ہیں، ان کے رشتے تو اب اسلام، پیغمبر اسلام اور برادران اسلام سے استوار ہو چکے ہیں۔ وہ بھی بعینہ وہی جواب دیتے ہیں جو عثمانؓ دے چکے ہیں۔" ابوسفیان یہاں سے بھی ناکام واپس ہوتا ہے، تو جیسے چلنے سے معذور لگتا ہے، فہم و فراست کے دعویدار سردار قریش کے پاس گویا سوچ اور فکر کی سب نقدی ختم ہو چکی ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے، سخت ذہنی خلفشار میں مبتلا نظر آنے لگا ہے۔"

"اللہ کی پناہ! قریش کو کیسا تکبر تھا، مسلمانوں کو کمزور جانوروں سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے تھے، کیا کیا ظلم و ستم نہ کیا انہوں نے اہل ایمان پر اور آج انہی کا سردار رحم کی بھیک مانگتا پھرتا ہے۔"

"دراصل بیٹا یہی مقام عبرت ہے، یہ سب اسی غرور تکبر کا نتیجہ ہے، انسان سر اٹھاتے وقت بھول جاتا ہے کہ وہ پہاڑوں سے اونچا نہیں ہو سکتا اور زمین پر متکبرانہ چال چلتا ہے تو قرآن کہتا ہے، کیا تو زمین شق کر دے گا!" استاد صاحب نے تبصرہ کیا اور دوبارہ اصل موضوع کی طرف آ گئے۔ "ابوسفیان کو جب ناکامی اور مایوسی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو اس اندھیرے میں اسے پھر ایک ہی کرن دکھائی دی، وہ دوبارہ حضرت علیؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا،" مجھے بہت امید ہے اے ابن ابی طالب کہ تم اگر اپنے سرپرست سے اس بات کی سفارش کرو کہ وہ صلح حدیبیہ کو برقرار رکھیں اور اس کی مدت میں اضافہ کر دیں تو وہ ضرور تسلیم کر لیں گے، کیونکہ ہم نے محسوس کیا ہے، محمدؐ نے کبھی خون خرابہ کو پسند نہیں کیا۔"

"بلاشبہ ایسا ہی ہے اے سردار قریش! لیکن اب معاملہ ہم سب کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، نبی علیہ السلام نے لشکر کشی کا مصمم ارادہ فرما لیا ہے اور اللہ کے نبی جب کوئی ارادہ کر لیتے ہیں تو پھر اسے انجام تک پہنچائے بغیر نہیں رہتے۔" اتفاقاً اسی وقت کہ ابوسفیان، حضرت علیؓ سے گفتگو کر رہا ہے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اندر گھر میں تشریف رکھتی ہیں، اور قریب ہی چند برس کے حسنؓ بھی ایک طرف بیٹھے معصومانہ نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھ رہے ہیں جو نہیں جانتے کہ یہ کون ہے اور کس لئے آیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ یکایک ابوسفیان کی نظر ان پر پڑی تو اس نے بلند آواز میں کہا،" اے بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم اپنے بیٹے سے کہہ دو کہ وہ باہر جا کر لوگوں کے سامنے یہ اعلان کر دے کہ میں اس شخص کو یعنی مجھ ابوسفیان کو امان دے دی ہے اور اسے اپنی ذمہ داری میں لے لیا ہے تو تمہارا کچھ حرج نہ ہوگا بلکہ ان صاحبزادے نے یہ کام کر دکھایا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا نام روشن ہو جائے گا، یقیناً ان کے اس کارنامے کی وجہ سے ان کو دنیائے عرب پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہو جائے گی۔"

"استاد محترم! یہ بات عجیب نہیں لگتی، ابوسفیان اتنا بڑا سردار ہو کر، فہم و فراست میں بھی اس کی قوم اس کو اعلیٰ سمجھتی ہے، پھر ایک کم سن بچے کو ضامن بنانے کا کیا مطلب ہے؟" حیان کی حیرانگی پر استاد صاحب نے کہا۔

"دراصل حیان جس وقت کی ہم بات کر رہے ہیں، یہ دور ہی ایسا ہے، عرب کے اندر بہت سی باتیں اسی طرح کی رائج ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی بزرگ ہے، بزرگ زادہ بھی کسی کو امان دے دیتا یا اس کی حمایت کا اعلان کر دیتا ہے، یعنی یہ کہہ دیتا کہ فلاں شخص میری امان میں ہے یا میں اس کا حمایتی ہوں تو باوجود اس کے کہ ساری دنیا اس کی دشمن ہے، لیکن اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جا سکتا، دوسری بات یہ کہ ابوسفیان کی یہ شاطرانہ چال ہو سکتی ہے، ممکن ہے، حضرت حسن

یونہی ایسا کوئی اعلان کر بھی دیتے ہیں تو اس کے خیال میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس اعلان سے رجوع فرمالیں گے جو لشکر کشی سے متعلق ہے اور صلح کے معاہدہ کو برقرار رکھیں گے۔" لیکن حضرت فاطمہؓ نے اس کے گمان کو بھی ناکام بنا دیا، آپؓ نے پردے کے پیچھے سے جواب دیا کہ "حسن ابھی نابالغ بچے ہیں، وہ کسی کو اپنی حمایت میں نہیں لے سکتے، جب تک ان کے والد ان کی تائید وتوثیق نہ کریں، تو اس سے پہلے ان کی بات قابل قبول نہیں ہوگی، اور یوں بھی منشائے نبی کے خلاف کوئی بات سوچنے کی بھی جرأت نہیں کرسکتا۔" اس جواب کے بعد آخر ابوسفیان زچ ہوگیا اور اب حضرت علیؓ کے سامنے اپنی مجبوریاں بیان کرنے لگا۔ "دیکھو علی! میری ذمہ داری بہت ہے اور میں اس وقت سخت مشکل میں آگیا ہوں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ آخر میں کیا کروں، کون سی ایسی صورت ہوسکتی ہے کہ مجھے کسی حد تک کامیابی مل سکے!"

حضرت علی کو خیال گزرا کہ کوئی بات ایسی کردوں کہ ابوسفیان کوئی ناراضی لئے بغیر یہاں سے چلا جائے، لہٰذا انہوں نے کہا۔ "ابوسفیان اور تو سب راستے بند ہوچکے ہیں، ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے، ممکن ہے تمہارے کام آجائے۔" ابوسفیان جلدی سے ان کی طرف جھک گیا۔ بولا۔ "اے علی بتاؤ! میں ضرور تمہارے مشورے پر عمل کروں گا!" حضرت علی نے کہا۔ "تم قریش کے سردار اور بنی کنانہ کے معزز فرد ہو، خود تمہاری بھی امان لوگوں میں موثر ہوگی، میرا مشورہ ہے، جاؤ اور مسجد کے باہر لوگوں میں کھڑے ہوکر اس بات کا اعلان کردو کہ میں نے دونوں فریقوں کو اپنی امان اور حمایت میں لے لیا ہے۔ یہ اعلان کرکے سیدھے مکہ روانہ ہوجانا!" کہتے ہیں ضرورت مند اندھا ہوتا ہے، ابوسفیان نے ایسا ہی کیا اور عازم مکہ ہوگیا، لیکن وہاں پہنچتے ہی قریش نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور سوالات کی بوچھاڑ کردی کہ کیا خبر لائے؟ کیا کرکے آئے؟" ابوسفیان نے جو سراپا درماندہ نظر آرہا ہے، تاہم جوں توں کرکے ساری روداد قریشیوں کو سنادی، پھر جب وہ اس بیان پر پہنچا کہ کس طرح اس نے علیؓ کے مشورے پر یہ اعلان کردیا کہ "لوگو میں نے اہل قریش کو خود اپنی امان میں لے لیا اور میں معاہدۂ حدیبیہ کو برقرار رکھنے کا اعلان کرتا ہوں۔" تو قریش کے اکابرین نے کہا۔ حیرت ہے ابوسفیان! تم علیؓ کی باتوں میں آگئے۔ "یہ دراصل تمہارے ساتھ مذاق کیا گیا ہے، اس اعلان کی کوئی اہمیت نہیں، کیونکہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت اور مرضی کے بغیر کیا گیا ہے۔"

ابوسفیان یہ سن کر چپ رہا، اس کے پاس کہنے کو ہے ہی کیا۔ البتہ سوچ بہت واضح ہے، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ قریش نے جو بویا ہے وہ اسے کاٹنا پڑے گا، بنوبکر سے ساز باز انہیں مہنگی پڑی ہے۔ اور جیسا کہ اس نے پہلے ہی قریشیوں سے کہہ دیا تھا اور ان کے ساتھ اس سازش میں شریک نہیں ہوا تھا کہ یہ بہت خطرناک کام کرنے چلے ہو، اس کا انجام نہایت تباہ کن ہوگا، سو اب اس کے آثار واضح ہونا شروع ہوگئے ہیں۔ بنوخزاعہ نے اپنے حلیف مسلمانوں کے پاس دہائی دے دی ہے اور مسلمانوں کے رہنما نے بنوبکر کے ساتھ قریش کو بھی سزا دینے کی ٹھان لی ہے۔" استاد عبدالرحمٰن اس کے بعد کئی لمحے تک خاموش رہے، پھر انہوں نے حیان سے مشورے کے بعد آج کی مجلس موقوف کردی۔

O

سعید آج بہت دن کے بعد مدینہ آیا ہے۔ سب مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے ہیں کہ حیان کی نظر اس پر پڑ گئی، زہیر بھی قریب ہی ہے، دونوں نے بہت گرمجوشی سے معانقہ کیا، اسی وقت زید بھی آگیا، وہ بھی اس سے اسی انداز میں ملا، تینوں نوجوان اسے اپنے درمیان پاکر بہت خوش ہیں، سعید بھی ان سے ملاقات کرکے دلی خوشی محسوس کررہا ہے، بالکل جیسے کوئی پیاسا پانی سے مل کر خوش ہوتا ہے۔ جب سب نے اس کی خیریت دریافت کی اور سعید نے بھی ان سے حال احوال معلوم کرلیا تو زید اسے اپنے ساتھ عشائیہ کے لئے گھر لے جانے کی درخواست کرنے لگا، لیکن زہیر درمیان میں آگیا اور گزارش کی کہ مسجد شریف میں آنے والے مسافر پر پہلا حق اس کا ہے، زید کو خاموش ہونا پڑا اور زہیر سعید کو اپنے گھر لے گیا۔ پھر وہ عشاء میں دوبارہ ملے، استاد عبدالرحمٰن نے بھی سعید سے اس کی خیریت معلوم کی اور دعائیں دیں۔ سعید سونے کی غرض سے بیت ام صاعقہ جانے لگا تو حیان نے بھی اس کے ساتھ رات گزارنے کا ارادہ کیا لیکن اسے محسوس ہوا کہ سعید پر سفر کی تھکان غالب ہے۔ اسی وجہ سے وہ اور زید دونوں اسے دروازے پر ہی شب بخیر اور اللہ حافظ کہہ کر لوٹ گئے اور کہہ گئے کہ تہجد میں ان شاء اللہ ملاقات ہوگی، حیان، زید کے ساتھ گھر کی طرف واپس ہوا تو راستے بھر اسے امام صاعقہ اور اس کے ساتھ ہی اخطب اور بنت کنانہ کی یاد آتی رہی، وہ بہت اپنائیت اور محبت کے ساتھ ان کا تذکرہ زید سے کررہا ہے اور زید کو بھی ان جانے والوں کی باتیں اچھی لگ رہی ہیں، خصوصاً ام صاعقہ تو ناقابل فراموش ہے، عجیب خاتون تھی کہ مرگئی مگر اب بھی اس کے ذکر اور تصور سے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔ استاد عبدالرحمٰن اپنے حجرے میں جاچکے ہیں۔ زید حیان کو حجرے کے دروازے تک پہنچا کر اور شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا اور حیان نے اجازت لی اور مودب انداز میں تحیہ پیش کرتا ہوا استاد صاحب کے دانش کدہ میں داخل ہوگیا۔ استاد صاحب چراغ کی روشنی میں کسی کتاب کا مطالعہ کررہے ہیں، حیان کو دیکھ کر مطالعہ موقوف کردیا اور کتاب بند کرکے رکھ دی۔ استاد عبدالرحمٰن کی شخصیت سے عالمانہ رعب کے ساتھ ایک مشفقانہ دلکشی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ نورانی چہرے پر گہری سنجیدگی، خدا ترسی اور انکسار کے رنگ اس طرح خلط ملط نظر آتے ہیں کہ دل آپ ہی آپ ان کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں اس وقت حیان نے انہیں ایک نظر دیکھا تو آنکھیں ادب سے جھک گئیں۔ وہ فیصلہ نہیں کرپایا کہ ان کے چہرے پر چراغ کی روشنی اپنا سایہ ڈال رہی ہے کہ خود چراغ ان کے نورانی چہرے سے روشن اور تاباں نظر آرہا ہے۔ دراصل حیان کا دل آئینہ ہے اور جیسا کہ اس نے صفہ کے درس میں سنا، حدیث مبارکہ میں ہے، مومن، مومن کے لئے آئینہ ہے، وہ خود اندر جیسا ہے ویسا ہی اسے اپنے مقابل نظر آتا ہے۔ حیان کے چہرے کا سیاہی مائل رنگ ایسی رات کی مانند ہے جیسے بدر کامل میں گہری سیاہ رات اپنی پوری دلکشی اور سحر انگیزی کے ساتھ ایسا منظر پیش کرتی ہے جس کو شعر کی صورت ہی بیان کیا جاسکتا ہے۔ دونوں استاد شاگرد نے ایک دوسرے کو محبت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور وہ مجلس شروع ہوئی جس کی دلچسپی نے بلال کو بھی حسن یوسف کی صف میں شامل کردیا ہے۔

"بیٹا، کل ہم نے، مجھے یاد ہے، اس جگہ، اپنی مجلس موقوف کی تھی کہ ابوسفیان جو تجدید معاہدہ کی غرض سے مدینہ آیا تھا، لیکن اسے ناکام لوٹنا پڑا کیونکہ قریش اور بنوبکر نے جس طرح معاہدۂ حدیبیہ کے صلح نامہ کی بین خلاف ورزی کرکے بنوخزاعہ کا قتل عام کیا اور اسی خیانت اور سرکشی کے ذریعہ خود مسلمانوں کو بھی جارحیت کا پیغام دیا، اس کے بعد اب نبی علیہ السلام کے لئے ان خائنوں اور ظالموں کو سزا دینا لازم ہوگیا ہے اور اب ان کی سرزنش کے لئے پختہ ارادہ فرما چکے ہیں، جس کو ترک کرنا یا پیچھے ہٹنا نبی کے شان اور مزاج کے خلاف ہے کہ اگر اللہ ہی نہ چاہے تو بات دیگر ہے، نبی اپنا بڑھا ہوا قدم پیچھے نہیں ہٹاتے جب تک اس عمل کو کر نہیں گزرتے جس کا ارادہ کرلیا گیا ہو۔ نبی علیہ السلام نے مکہ پر لشکر کشی کا مصمم ارادہ فرمالیا ہے، لیکن وقت اور تاریخ سے سب کو بے علم رکھا ہے، یہاں تک کہ اپنے نہایت قریب احباب کو بھی کچھ نہیں بتایا کہ مکہ کی طرف کب اور کس راستے کوچ

کریں گے، اور لشکر میں کتنے لوگ ہوں گے اور لشکر کشی کا انداز کیا ہوگا۔ البتہ آپؐ کے معمولات اور نشست و برخاست سے کچھ کچھ اندازہ ہورہا ہے کہ آپ کا کوئی خاص ارادہ ہے۔ مثلاً آپؐ نے سیدہ عائشہؓ کو حکم دیا کہ وہ زادِ سفر کا بندوبست کریں اور آہستہ آہستہ ہتھیاروں کو بھی درست کرنے کی کوشش کریں، تاہم اس کی کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ام المومنینؓ نے آپ کی ہدایت پر عمل شروع کردیا ہے اور ایک طرف سامان سفر جمع کرنے لگیں۔ دوسری طرف ہتھیاروں کو نکال کر انہیں صاف ستھرا کرنا شروع کردیا جیسا کہ دستور ہے کہ جنگ سے پہلے ہتھیاروں کا معائنہ ضروری ہوتا ہے، ایک دن آپ اپنے اسی طرح کے امور انجام دے رہی ہیں کہ صدیق اکبرؓ بیٹی سے ملنے آجاتے۔ دیکھ کر پوچھتے ہیں۔ "یہ کیا تیاری ہے؟" سیدہ عائشہ نفی میں جواب دیتی ہیں۔ "مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔" لیکن حضرت صدیق نے محسوس کرلیا کہ کوئی بات ہے ضرور، چنانچہ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی، "یارسول اللہ کیا کسی سفر کا ارادہ ہے؟" آپؐ نے اثبات میں جواب دیا۔ صدیقؓ نے پھر عرض کی۔ "کیا مجھے بھی اجازت ہے، میں بھی تیاری کروں؟" آپؐ نے فرمایا۔ "ہاں، لیکن بس اس تیاری کو اپنے تک ہی محدود رکھنا۔" اس کے بعد آپؐ نے دعا مانگی، "یارسول اللہ، مخبروں اور خبروں کو قریش سے روک دے، ان کی نظروں کو اپنی گرفت میں لے لے، ان کے کانوں پر ایسی مہریں لگادے کہ وہ مجھے اچانک اس وقت دیکھیں جب میں ان کے سروں پر پہنچ جاؤں! انہیں میرے کوچ کی خبر نہ ہو!" آپؐ مدبر اعظم ہیں، یہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں کیا مصلحت ہے، یہ تو آپ ہی جانتے ہیں، البتہ مسلمانوں کو آپؐ نے جہاد کا اعلان فرمادیا۔ حکم ہوا کہ تیاریاں شروع کردی جائیں۔ کہاں کا ارادہ ہے، کس طرف پیش قدمی کرنی ہے، اس کو بہرحال مخفی رکھا گیا ہے۔ اہل ایمان تو اپنے ہادی و رہنما کے حکم بردار ہیں،

جہاد کا سنتے ہی سب ذوق وشوق کے ساتھ تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ یہاں تک حضرت حسان، شاعر رسالت اپنے اشعار کے ذریعہ مسلمانوں کو جہاد کے لئے پرجوش اور انگیخت کرنے لگے۔ اس وقت مجھے ان کا ایک شعر یاد آرہا ہے، تمہیں سناتا ہوں!"

"جی ضرور!" حیان تو ہمہ وقت دامن شوق پھیلائے رہتا ہے، استاد صاحب جی کھول کر تاریخ اسلام کی معلومات سے لبالب مالا مال کررہے ہیں اور وہ نہال ہورہا ہے۔ استاد صاحب نے ذہن پر زور دے کر حیان کا شعر تازہ کیا۔

"اب ہم سے گھبرا کر فرار ہونے کی کوشش نہ کرو، اب تو ہماری تلواریں وہ ہنگامہ برپا کریں گی جن سے موت کا دروازہ کھل جائے گا۔"

"واہ!" حیان نے شعر کی داد دی اور استاد صاحب کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ کہنے لگے۔ "جیسا کہ میں تمہیں بتاچکا ہوں حضور نبی کریمؐ کی حکمت عملی یہ ہے کہ قریش کو بغیر جنگ کئے شکست دی جائے اور اس کے لئے جیسا کہ پہلے میں نے بتایا دو طریقے آپؐ نے اپنائے ہیں، ایک معاشی طور پر قریش کو کمزور کرنا، جس کے زور پر وہ اکثر مغرور رہتے ہیں، دوسرا عسکری قوت میں اتنا اضافہ کیا جائے کہ قریش کے بہادر اور جاں باز اپنی تلواروں کو بے نیام کرنے میں پس وپیش کریں اور مقابلے پر آنے سے گریز پا رہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے حلیف اور ان تمام قبائل کو جو شرف بہ اسلام ہوچکے ہیں، اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت دے دی اور ان کی طرف باقاعدہ وفود روانہ کئے اور کہلوایا کہ رمضان شروع ہوتے ہی انہیں چاہئے کہ مدینہ پہنچ جائیں اور وہ قبائل جو راستے میں اطراف جوانب میں پھیلے ہوئے ہیں، انہیں کہا گیا کہ ہتھیاروں کے ساتھ تیار رہیں اور جیسے ہی ہم ان کی بستیوں کے قریب سے گزریں وہ ہماری صفوں میں شامل ہوتے جائیں۔" یہ سارا کام اس رازداری سے انجام دیا جارہا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوسکی، اس مہم کو انتہائی

خفیہ رکھنے اور احتیاط کا اندازہ تم اس بات سے لگاسکتے ہو کہ جن وفود کو ان قبائل کی طرف روانہ کیا گیا ہے وہ نہایت ذمہ دار، صاحب فہم وفراست اور معاملہ فہم حضرات ہیں، تم ذرا توقف کرو، میں ان حضرات کے نام بھی تمہارے سامنے دہراتا ہوں، بلکہ یہ بھی کہ کن صاحب کو کس قبیلہ کی طرف روانہ کیا گیا۔" یہ کہہ کر استاد صاحب اپنے چوبی خانوں میں سے کچھ مخطوطات نکالنے لگے۔ بہت ہی جلدی ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ آگیا، جس پر چہرہ جھکا کر انہوں نے کہنا شروع کیا۔ "دیکھو ان کی ترتیب کچھ یوں ہے، حضرت اسماء بن حارثہ اور حضرت ہند بن حارثہ کو قبیلہ بنو اسلم کی طرف بھیجا گیا۔ بنو جہینہ کی طرف حضرت رافع بن مکیث الجہنی اور حضرت جندب بن مکیث بھیجے گئے۔ بنو غفار اور بنو ضمرہ بن الحصین کی طرف جو حضرات روانہ کئے گئے ان کے اسمائے گرامی ہیں۔ حضرت ایماء بن رحضہ اور ابورہمؓ کلثوم بن الحصین۔ قبیلہ بنو اشجع کو جو وفد روانہ کیا گیا، اس کے اراکین ہیں حضرت معقلؓ بن سنان اور نعیمؓ بن مسعود، بنو مزینہؓ کے لئے وفد میں حضرت بلالؓ بن حارث المزنی اور حضرت عبداللہ بن عمرو المزنی، بنو سلیم کی طرف حضرت الحجاجؓ بن علاط اسلمی اور حضرت عرباضؓ بن ساریہ کو روانہ کیا گیا اور بنو کعب کے لئے وفد میں حضرت بشرؓ بن سفیان اور حضرت بدیلؓ بن ورقا شامل کئے گئے۔" یہ کہہ کر استاد صاحب نے کاغذ ایک طرف رکھ دیا اور کہنے لگے۔ "مدینہ میں صرف سرداروں کو طلب کیا گیا، انہیں اعتماد میں لے کر حکم دیا گیا کہ جب مدینہ سے کوچ کرکے ہم تمہاری گزرگاہوں سے گزریں تو اپنے آدمیوں کے ساتھ ہمارے لشکر میں شامل ہوجانا، ان تمام بندوبست کے ساتھ، احتیاطی تدابیر میں نبی کریمؐ نے اس اہمیت کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ مدینہ میں نگرانی کو سخت کردیا جائے۔ شہر کے اندر جاسوس اور سراغرساں مقرر فرمائے گئے جنہیں مستعد اور ہوشیار رہنے کے لئے سختی سے ہدایات دی گئی ہیں۔ فرمایا گیا، منافقین پر کڑی نظر رکھیں اور کسی بھی طرح قریش تک مدینہ میں ہونے والی سرگرمیوں کی خبر نہ پہنچنے پائے۔ یہ اس قدر احتیاط اہتمام والتزام آپؐ کی طرف سے اسی غرض کے لئے ہے کہ آپؐ یکایک مکہ پہنچنا چاہتے ہیں تاکہ قریش سنبھل نہ سکیں، مقابلہ کے لئے تیار ہی نہ ہوں اور خوں ریزی سے بچا سکے۔ کیونکہ اگر قریش مقابلہ کرتے ہیں تو مسلمانوں کو بھی بہ امر مجبوری تلواریں بے نیام کرنی پڑیں گی۔ جبکہ رحمت عالم کی خواہش اس کے برعکس ہے۔"

"استاد محترم، مجھے بار بار اس بات پر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو شروع سے ہی جنگ وجدل کے خلاف رہے ہیں، لیکن لوگ پھر بھی آپؐ کے ساتھ جارحیت سے پیش آتے رہے؟"

"ہاں، یہ ان لوگوں کی بدقسمتی ہے جو سراپا رحمت کے خلاف تلواریں نکالے نظر آتے ہیں جو انہیں امن وآشتی کا پیغام دیتے آئے ہیں، جو انہیں فلاح وکامیابی کی طرف بلاتے رہے ہیں، اب بھی اگر تم غور کرو تو اس لشکر کشی کا سبب اپنی ذات نہیں بلکہ ان مظلوم فریادیوں کی حمایت اور دفاع کے لئے یہ قدم اٹھایا جارہا ہے، جن کے خلاف بلاوجہ جارحیت کی گئی اور جو مسلمانوں کے حلیف ہیں تو عدل وانصاف، اصول اور روایت بلکہ غیرت کا تقاضا ہے کہ اس معاہدے پر عمل کیا جائے جس میں یہ درج ہے کہ مشکل اور مصیبت کی گھڑی میں ایک حلیف دوسرے حلیف کی مدد ومعاونت کرے گا۔ لیکن اللہ اللہ، اس پر بھی عفو ودرگزر، نرمی اور خون خرابے سے گریز کا یہ عالم ہے کہ دشمن کو بغیر تلوار چلائے زیر کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، نہیں چاہتے کہ دشمن مقابلے پر آئے اور اس پر تلوار اٹھانی پڑے، اور یہ جو مدینہ سے مکہ تک احتیاط کا بندوبست کیا جارہا ہے اس کا اصل سبب یہی ہے، لیکن اس احتیاط پر بھی ایک ناخوشگوار واقعہ ایسا پیش آجاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس سے باخبر نہ کرتا تو امن کے

لئے آپ کی کوششوں کو نقصان پہنچ سکتا تھا اور مکہ کی مہم کے وہ نتائج نہ نکلتے جو آپ چاہتے ہیں۔"

"وہ کیا واقعہ ہے استاد محترم؟" حیان نے سوالیہ آنکھوں سے استاد صاحب کی طرف دیکھا۔

"وہ یہ واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ اپنی اس حکمت عملی کے تحت جس کا ابھی میں نے تذکرہ کیا، لشکر کی تشکیل فرما رہے ہیں اور مجاہدین اپنی اپنی جگہ جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور یہ احتیاط برتی جارہی ہے کہ کسی بھی طرح قریش کو اس مہم کی تیاریوں کی خبر نہ ہو، یہاں تک کہ حلیف قبائل اور عام مسلمانوں کو بھی اس کا علم نہیں ہے کہ رسول اللہ کا ارادہ کس طرف کا ہے، کہ ایک مہاجر حضرت حاطب بن بلتعہ جو نہایت زیرک اور سنجیدہ صحابی رسولؐ ہیں، جو سفیر رسولؐ کا اعزاز پاکر شاہ مقوقس کی طرف جاچکے ہیں، انہوں نے اپنی فہم وفراست کے ذریعہ یہ اندازہ لگالیا کہ نبی علیہ السلام کیا ارادہ فرمارہے ہیں، یعنی جہاد کی یہ تیاریاں کس کے لئے ہیں اور آپ کا رخ کس طرف ہوسکتا ہے؟ چنانچہ ان سے ایک ایسی لغزش ہوگئی جو ان کے شایان شان نہیں۔" استاد صاحب کے بتانے پر حیان کی آنکھیں پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ "دراصل حضرت حاطبؓ کے اہل وعیال ابھی تک مکہ میں ہی ہیں اور وہاں ان کے خاندان کا کوئی دوسرا فرد اور حمایتی موجود نہیں، اس وجہ سے انہیں ہر وقت اپنے بیوی بچوں کی طرف سے فکر لاحق رہتی ہے کہ کہیں قریش کے لوگ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ اس وجہ سے محض قریشیوں کا دل جیتنے اور ہمدردیاں حاصل کرنے کی خاطر، انہوں نے ایک خط تحریر کیا، جس میں صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل کو جو مکہ کے باا ثر سردار ہیں، اس بات کی اطلاع دی کہ "رسول اللہ بہت جلد تم پر حملہ کرنے آرہے ہیں، تمہیں چاہئے کہ جس قدر جلد ہوسکے خود کو محفوظ بنالو۔" یہ خط انہوں نے مکہ کی ایک مغنیہ کو دیا جو مختلف قبائل میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے بعد اپنے دورے کے اختتام پر مدینہ آئی ہوئی ہے، یہاں اس کی کوئی بیٹی ہے جو مسلمان ہوچکی ہے، چاہتی تھی کہ اس سے ملے لیکن اس نے اپنی کافرہ ماں سے ملنے اور اپنے ہاں قیام کرنے سے انکار کردیا، لہٰذا اب وہ واپس مکہ جانے لگی تو، حضرت حاطب نے اسی کو ذریعہ بنایا اور ایک خاصا نقد انعام دے کر خط اس کے حوالے کیا اور کہا کہ وہ یہ مکتوب ان ان افراد میں سے جس کو بھی پائے پہنچادے۔"

"استاد محترم! یہ تو بہت خطرناک بات ہوگئی!" حیان خوفزدہ سے لہجے میں بولا۔

"ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے ارادوں کا محافظ ہے، آپ کو بذریعہ وحی اس بات سے آگاہ فرمادیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت حاطب کے غلام کو اپنے آقا کے اس عمل کی خبر ہوگئی اور وہ سیدھا حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ "یارسول اللہ! حاطب ضرور جہنم رسید ہوگا!" آپؐ نے فرمایا، ہرگز نہیں، وہ بدری ہے اور حدیبیہ میں بھی شریک رہا ہے، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوچکی ہے۔" تب غلام نے اس خط کا سارا قصہ سنادیا، جس میں حاطب کی طرف سے مخبری کی گئی ہے۔ نبی کریم نے حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت علیؓ کو کچھ اور سوار دے کر حکم دیا کہ مکہ کی راہ پر تیزی سے گامزن ہوجاؤ، نخلستان خاخ کے مقام پر تمہیں کجاوے میں سوار ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک مکتوب ہے، اسے لے آؤ!" حکم پاتے ہی شہسواروں نے ایڑھ لگائی اور گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اس عورت کو جالیا۔ جب اس سے خط کے بارے میں باز پرس کی گئی تو وہ انکار کرنے لگی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، پھر جب مسلسل طلب کرنے پر اس نے انکار کیا تو مجبوراً اس کی تلاشی لی گئی۔ اس کے باوجود خط نہیں ملا، تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ جو دوسرے گھڑ سوار ہیں، انہوں نے کہا کہ اب اس عورت سے زیادہ باز پرس کرنا درست نہیں، لیکن علیؓ المرتضیٰ نے کہا، "رسول اللہ نے جب فرمایا ہے کہ اس

عورت کے پاس خط ہے تو یہ ممکن نہیں کہ ایسا نہ ہو۔" لہٰذا آپ نے تلوار نکالی اور عورت سے کہا، "خط حوالے کردے ورنہ میں تیری گردن اڑائے دیتا ہوں۔" یہ دیکھتے ہی عورت ڈر گئی اور اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر ان کے حوالے کردیا۔"

"اللہ اکبر! حضرت علیؓ کا اپنے رسولؐ پر کیا ایمان ہے، سبحان اللہ!" حیان تحسین کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"ادھر یہاں مسجد نبوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہیں، صحابہ کے اندر خاصا اضطراب پایا جاتا ہے کہ حضورؐ کے شہسوار واپس ہوئے اور خط آپ کی خدمت میں پیش کردیا۔ ارشاد ہوا، خط کو سب کے سامنے پڑھا جائے!" حضرت علیؓ خط پڑھ کر سنانے لگے۔

"اے گروہ قریش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے ہیں جو وہ سیلاب کی طرح بہتا ہوگا، واللہ، اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے بغیر تن تنہا بھی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو فرمایا گیا ہے وہ اسے ضرور پورا کرے گا، پس تم اپنے انجام کی فکر کرو!" خط کے متن نے سب کو چونکا دیا، سب تاسف سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے، حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ "یارسول اللہ! حاطب نے اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ خیانت کی ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن تن سے جدا کردوں!" لیکن رسول رحمتؐ نہایت تحمل کے ساتھ حاطب سے مخاطب ہوتے ہیں۔

"اے حاطب یہ کیا بات ہے؟"

حاطب جواب دہی کے لئے اپنی جگہ سے اٹھے تو قدم لڑکھڑا گئے۔ خود پر قابو مشکل ہونے لگا، منہ سے بات نہیں نکل رہی، ہونٹ کانپے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، پھر بمشکل تمام، لرزتے ہونٹوں سے عرض کیا۔ "یارسول اللہ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیے! میں مرتد نہیں ہوا اور نہ ہی میرا ایمان اللہ اور اس کے رسول پر متزلزل ہوا ہے، بات دراصل یہ ہے کہ قریش سے میرا کوئی خاندانی رشتہ نہیں، صرف حلیفانہ تعلق ہے، اور چونکہ میرے بیوی بچے ابھی تک مکہ میں مقیم ہیں، میں نے خیال کیا ان پر کچھ احسان کردوں تاکہ وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کرسکیں۔" انہوں نے یہ بھی کہا کہ "اور یہ کیونکہ میرا ایمان ہے کہ فتح آپ ہی کی ہوگی، اس لئے میں نے سوچا، میری مخبری سے کیا فرق پڑے گا۔" ان کا بیان سن کر حضور رحمت عالمؐ نے فرمایا، "حاطب نے سچ سچ بتادیا۔" حضرت عمرؓ پھر جذباتی ہونے لگے اور عرض کی، "یارسول اللہ یہ خیانت ہے، آپ مجھے اجازت دیجئے، میں اس منافق کو اس کے انجام تک پہنچادوں۔" ارشاد ہوا۔ "اے عمرؓ! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی آئندہ سرزد ہونے والی ہر خطا معاف فرمادی ہے" اور مزید فرمایا گیا ہے کہ "جو چاہو سو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کردی!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا" اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ حاطب اہل بدر میں سے ایک ہیں۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہوگئی، بے تحاشا رودیے اور بار بار کہنے لگے۔ "اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔"

"اللہ اکبر!" حیان بھی آبدیدہ ہوگیا، استاد صاحب نے تسلسل جاری رکھا۔ کہنے لگے۔ "سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات کی شان نزول یہی واقعہ ہے۔ فرمایا گیا۔ جس کا مفہوم ہے کہ "اے ایمان والو! اگر تم جہاد کے لئے نکلو اور اللہ کی رضا تلاش کرو تو پھر میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، نہ ان کو دوستی کا پیغام بھیجو! وہ اس دین حق کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے، اور محض اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے رسول کو اور تمہیں وطن سے نکال چکے ہیں، تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، مجھے اس چیز کا بھی علم ہے جو تم مجھ سے چھپاتے ہو، اور اس چیز کا بھی علم ہے، جو تم ظاہر کرتے ہو، جو شخص ایسا کرے گا وہ راستے سے بھٹک جائے گا۔"

(جاری ہے)

خاص عورتوں کے لئے

چالیس حدیثیں

حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ

(۱)......معلم انسانیت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کرلیا تو نصف دین کامل کرلیا۔ اب اس کو چاہئے کہ باقی نصف میں خدا سے ڈرے۔ (بیہقی)

(۲)......فرمایا کہ جب کوئی دین دار اور خوش خلق تمہارے یہاں پیام بھیجے تو اس سے نکاح کردو ورنہ زمین میں بڑا فساد ہوگا۔ (ترمذی)

(۳)......فرمایا کہ تین شخصوں کی مدد خدا کے ذمہ ہے۔ (۱) وہ غلام مکاتب (مکاتب وہ غلام جس کا آقا مخصوص رقم لے کر آزاد کرنے کا وعدہ کرے) جس کی نیت ادائیگی کی ہو۔ (۲) وہ نکاح کرنے والا جس کی نیت پاک دامن رہنے کی ہو۔ (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (ایضاً)

(۴)......فرمایا کہ چار چیزیں دیکھ کر عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال، نسبی شرافت، خوب صورتی، دین داری، تمہیں چاہئے کہ دین دار عورت حاصل کرو۔ (بخاری و مسلم)

(۵)......فرمایا کہ جب کبھی غیر مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو ضرور تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (ترمذی)

(۶)......فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کی وصیت (میری جانب سے) قبول کرلو۔

(مشکوٰۃ)

(۷)......فرمایا کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے، کسی طرح سیدھی نہیں ہوسکتی، اس کی کجی کے ہوتے ہوئے ہی اس سے نفع حاصل کرسکتے ہو۔ اگر اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ دو گے اور عورت کا توڑنا طلاق دے دینا ہے۔ (مسلم)

(۸)......فرمایا کہ اپنی عورت کو غلام کی طرح نہ مارو (کیونکہ) آخر شام کو اس کے ساتھ لیٹو گے۔ (مشکوٰۃ)

(۹)......فرمایا کہ کامل ایمان والے مومن وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے خوش خلق اور نرم مزاج ہیں۔ (ترمذی)

(۱۰)......فرمایا کہ جس کو یہ چیزیں مل گئیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی مل گئی۔ (۱)......شکر گزار دل (۲) اللہ کی یاد میں مشغول رہنے والی زبان (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن (۴) امانت دار بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے۔ (مشکوٰۃ)

(۱۱)...... فرمایا کہ طلاق سے زیادہ بغض والی کوئی چیز خدا نے زمین پر پیدا نہیں فرمائی۔ (مشکوٰۃ)

(۱۲)......فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے، یہاں تک کہ وہ نکاح کرلے یا چھوڑ دے۔ (مشکوٰۃ)

(۱۳)...... فرمایا کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں برابری نہ کرتا ہو تو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا پہلو گرا ہوا ہوگا۔ (ترمذی)

(۱۵)......فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے جس کی وجہ سے مرد ناراضگی میں رات گزارے تو صبح تک اس عورت پر فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔ (مشکوٰۃ)

(۱۶)......فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کو راضی چھوڑ کر مرے وہ جنت میں داخل ہوگی۔ (ایضاً)

(۱۷)......فرمایا کہ جب عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔ (ایضاً)

(۱۸)......فرمایا کہ جب مرد اپنی حاجت کے لئے بیوی کو بلائے تو چاہئے کہ آجائے اگرچہ تنور پر کام کررہی ہو۔ (ترمذی)

(۱۹)......فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف یا غلام کو اس کے آقا کے خلاف بھڑکائے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۰)......فرمایا کہ کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزے نہ رکھے۔ (ابوداؤد)

(۲۱)......فرمایا کہ تین شخصوں کی نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ ان کی کوئی نیکی اوپر جاتی ہے۔ (۱) بھاگا ہوا غلام جب تک واپس آکر اپنے آقا کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دے۔ (۲) وہ عورت جس سے اس کا شوہر ناراض ہو۔ (۳) نشہ پی کر بے ہوش ہوجانے والا جب تک ہوش میں نہ آئے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۲)...... فرمایا کہ جو عورت بغیر کسی مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (ترمذی)

(۲۳)......فرمایا (ایک سوال کے جواب میں) کہ بہترین عورت وہ ہے جو اپنے مرد کو خوش کرے جب مرد اس کی طرف دیکھے اور جب مرد حکم کرے تو کہا مانے اور اپنے نفس میں شوہر کی مخالفت نہ کرے۔ (یعنی غیر سے آنکھ نہ ملائے) اور شوہر کے مال میں اس کی مرضی کے خلاف تصرف نہ کرے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۴)......فرمایا کہ جو شخص قادر ہوتے عمدہ کپڑے تواضعاً نہ پہنے خدا اس کو کرامت کا حلہ پہنائے گا اور جو شخص اللہ کے لئے شادی کرے خدا اس کو شاہی تاج پہنائے گا۔ (مشکوٰۃ)

(۲۵)......فرمایا کہ خدا کی لعنت ہے ان مردوں پر

جو عورتوں کے مشابہ بنیں اور خدا کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو مردوں کے مشابہ بنیں۔

(۲۶)..... فرمایا کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ نہ دیکھے اور خوشبو آئے اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ دیکھے اور خوشبو کم آئے۔

(۲۷)..... فرمایا کہ شراب میں سارے گناہ موجود ہیں اور عورتیں شیطان کے جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۸)..... فرمایا کہ میں نے جنت میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ اس میں اکثر غریب ہیں اور دوزخ میں نظر ڈالی تو دیکھا اس میں اکثر عورتیں ہیں۔ (مشکوٰۃ)

(۲۹)..... فرمایا کہ اے عورتو! صدقہ کیا کرو اگرچہ زیور ہی سے دو کیونکہ قیامت کے دن دوزخ میں اکثر تم ہی ہوگی۔ (ایضاً)

(۳۰)..... فرمایا کہ عورت چھپی ہوئی چیز ہے جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے تکنے لگتا ہے۔ (ترمذی)

(۳۱)..... فرمایا کہ عورتوں (کی مکاریوں) سے بچو، کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے فتنہ عورتوں سے شروع ہوا۔ (مشکوٰۃ)

(۳۲)..... فرمایا کہ کوئی مومن اپنی بیوی سے بغض نہ رکھے کیونکہ اگر اس کی ایک خصلت ناپسند ہوگی تو دوسری پسند آجائے گی۔ (ایضاً)

(۳۳)..... فرمایا کہ جس نے اس عورت کو تسلی دی جس کے بچہ کا انتقال ہوا ہو تو اس کو جنت کی چادریں پہنائی جائیں گی۔ (ایضاً)

(۳۴)..... فرمایا کہ ملعون ہے وہ عورت جو (کسی کے مرنے پر) زور سے اور بین کر کے روئے اور اس عورت پر جو اس کا رونا سنے۔ (ایضاً)

(۳۵)..... فرمایا کہ اے عورتو! سبحان اللہ لا الہ الا اللہ اور سبحان الملک القدوس کا ورد رکھو اور انگلیوں پر پڑھا کرو کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا اور ان کو زبان دی جائے گی۔ خدا کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ ورنہ رحمت خداوندی سے بھلا دی جاؤ گی۔ (ترمذی)

(۳۶)..... فرمایا کہ خبردار! تم سب کے سب نگہبان ہو اور سب سے اپنی اپنی رعیت کا سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اس سے شوہر کے مال اور اولاد کا سوال ہوگا اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے، اس سے اس کے مال کا سوال ہوگا، خبردار! تم سب نگہبان ہو اور سب سے اپنی اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۳۷)..... فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگا کر مردوں پر گزرے تاکہ اس کی خوشبو سونگھیں تو ایسی عورت زنا کار ہے، پھر فرمایا کہ ہر آنکھ زنا کار ہے (یعنی نامحرم) مرد یا عورت کو دیکھنا بھی زنا ہے۔ (ترغیب)

(۳۸)..... فرمایا کہ دو گروہ دوزخی ہوں گے جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے (یعنی ابھی وہ موجود نہیں ہوئے) اول وہ لوگ جو بیلوں کی دموں کی طرح کوڑے لئے پھریں گے اور ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے پہنے ہوں گی مگر ننگی ہوں گی (یعنی باریک کپڑے پہنیں گی یا چست کپڑے پہنیں گی) مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی۔ ان کے سر اونٹوں کے جھکے ہوئے کوہان کی طرح ہوں گے، یہ عورتیں جنت میں داخل نہ ہوں گی اور اس کی خوشبو تک نہ سونگھیں گی۔ (مسلم)

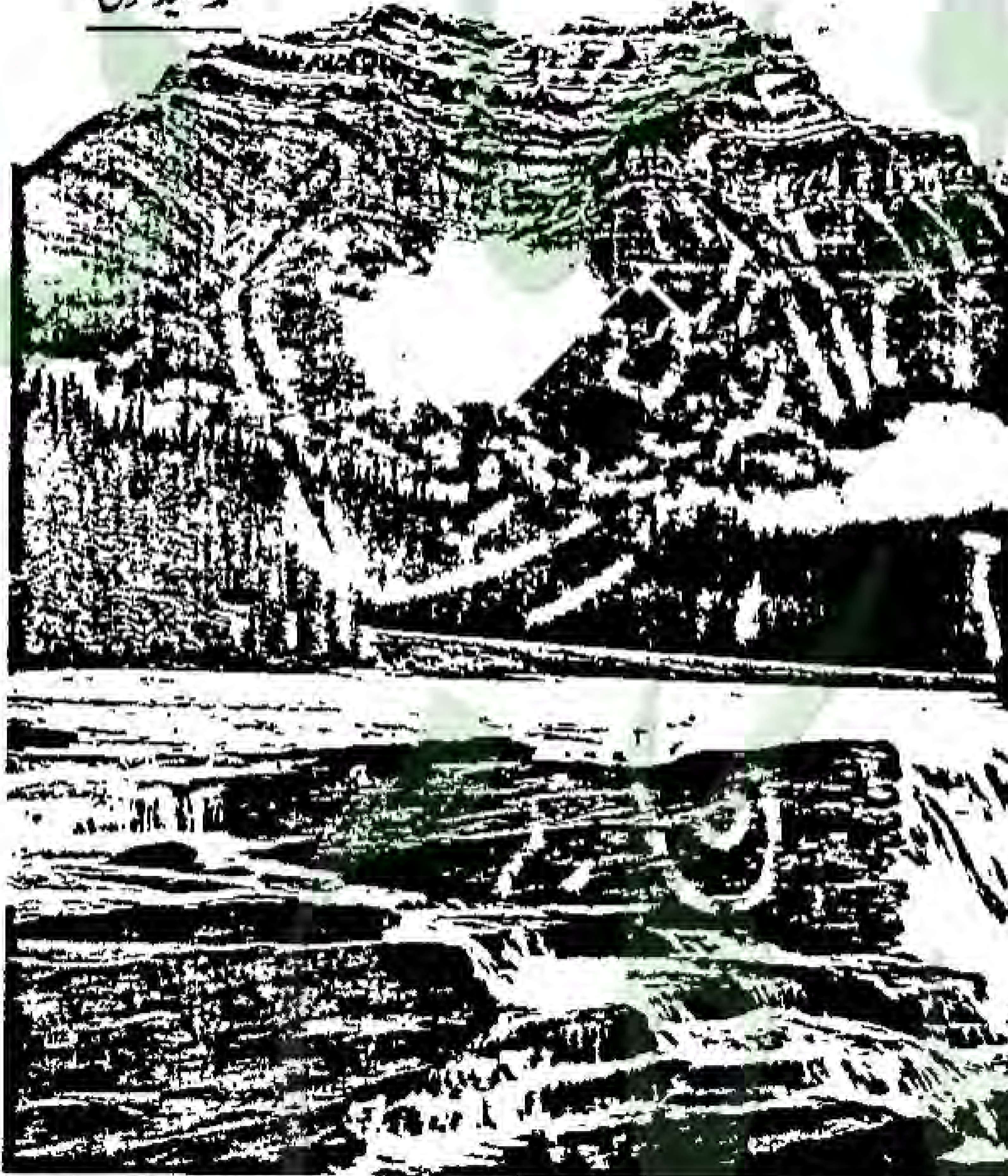
(۳۹)..... فرمایا کہ جو کچھ تو اپنے آپ کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنی اولاد کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنی بیوی کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنے خادم کو کھلائے وہ صدقہ ہے۔ (احمد)

(۴۰)..... فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس عورت کی طرف (غصہ کی وجہ سے) نہ دیکھے گا جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہیں، حالانکہ اس کی محتاج رہتی ہے۔ (نسائی)

☆.....☆.....☆

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

محمد سعید علوی



اس وقت وہ ایک کم سن اور قریب البلوغ لڑکے تھے، وہ روزانہ مکہ کے ایک رئیس عقبہ ابن معیط کی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لئے انسانی آبادی سے دور مکے کی پہاڑیوں اور وادیوں کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔ ان کا نام عبداللہ اور ان کے والد کا مسعود تھا، لیکن عام طور سے لوگ انہیں "ابن ام عبد" کہہ کر پکارتے تھے،

کم سن عبداللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اکثر سنا کرتے تھے، جو قریش میں اپنی نبوت کا اعلان کر چکے تھے، مگر ایک تو اپنی کم عمری اور دوسرے آبادی سے دور، انسانی سوسائٹی سے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں کر پایا تھا، اس کا تو روز کا یہ معمول تھا کہ صبح منہ اندھیرے عقبہ ابن معیط کی بکریوں کے ساتھ نکل جاتا اور اس وقت واپس لوٹتا جب رات کی تاریکی پورے طور پر فضا کو اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیتی تھی، ایک روز عبداللہ بن مسعود نے دور فاصلے پر ادھیڑ عمر کے دو آدمیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا جو تکان سے چور اور تھکاوٹ سے نڈھال ہونے کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور شدت تشنگی کے مارے ان کے ہونٹ اور حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہے تھے، وہ دونوں اس کے قریب پہنچ کر رکے، اسے سلام کیا اور بولے: لڑکے! ”ہمارے لئے ان بکریوں کا دودھ دوہو جس سے ہم اپنی پیاس بجھا سکے اور اپنی رگوں کو تر کر سکیں۔“

”میں ایسا کرنے سے معذور ہوں، میں ان بکریوں کا دودھ آپ کو نہیں پیش کر سکتا کیونکہ یہ میری نہیں ہیں بلکہ میری امانت ہیں، میں ان کا مالک نہیں، امین ہوں۔“ لڑکے کا جواب سن کر ان دونوں نے کسی قسم کی ناگواری یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے اس جواب کو پسند کیا ہے، پھر ان میں سے آدمی نے کہا: ”اچھا کسی ایسی بکری کی نشاندہی کرو جس نے کبھی بچہ نہ دیا ہو۔“ لڑکے نے اپنے قریب ہی کھڑی ایک چھوٹی سی بکری کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ آدمی اسکے قریب گیا، اسے پکڑا اور اللہ کا نام لے کر اس کے تھن پر ہاتھ پھیرنے لگا، لڑکے نے حیرت کے ساتھ دیکھا اور اپنے دل میں کہا کہ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایسی بکریاں جو کبھی گابھن نہ ہوئی ہوں، دودھ دینے لگیں، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے بکری کا تھن پھول کر بڑا ہو گیا اور اس میں تیزی کے ساتھ دودھ بہنے لگا، دوسرے آدمی نے زمین پر پڑا ہوا ایک پیالہ نما پتھر اٹھا کر اسے دودھ سے بھر لیا، پھر اس دودھ کو دونوں نے پیا اور لڑکے کو بھی پلایا، عبداللہ بن مسعود نے بتایا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے پیش آنے والے واقعے پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا، جب ہم سب لوگ اچھی طرح آسودہ ہو گئے تو اس بابرکت شخص نے بکری کے تھن سے کہا: ”سکڑ جا“ اور وہ سکڑتے سکڑتے اپنی اصل حالت میں آ گیا، اس وقت میں نے اس بابرکت شخص سے کہا: ”وہ کلمات جو آپ نے ابھی کہے تھے، انہیں کچھ مجھے بھی سکھا دیجئے۔“ تو اس نے کہا: ”انت غلام معلم“ ”تم ایک سکھائے پڑھائے لڑکے ہو۔“ یہاں سے عبداللہ بن مسعود کی شناسائی کی کہانی کا آغاز تھا اور مبارک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، وہ دونوں حضرات قریش کی شدید ایذا رسانی اور ابتلا و آزمائش سے بچنے کے لئے اور روز مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل آتے تھے، لڑکے نے جس انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی محبت اور تعلق خاطر کا اظہار کیا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق بہت خوش ہوئے، اس کی احتیاط اور امانت داری کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے اندر خیر و فلاح کی علامات محسوس کر لیا، اس واقعے کے کچھ ہی دنوں بعد عبداللہ بن مسعود نے اسلام قبول کر لیا اور خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کرتے ہوئے اپنے آپ کو بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا اور اسی روز سے وہ سعادت مند اور خوش بخت لڑکا بکریوں کی گلہ بانی سے نکل کر سرور کائنات کی خدمت میں منتقل ہو گیا، وہ ہر وقت سفر میں، حضر میں، گھر کے اندر اور گھر سے باہر سائے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کو بیدار کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے تو وہ پردے کا انتظار کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر جانے کا ارادہ کرتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتے پہناتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے تو وہ جوتوں کو پائے مبارک سے نکالتے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصا اور مسواک کی حفاظت کرتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو وہ اس سے پہلے اس میں داخل ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے قرب و تعلق کا یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہر وقت اپنے گھر آنے اور اپنے رازوں سے واقف رہنے کی اجازت دے رکھی تھی، اسی وجہ سے وہ ”راز دان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہے جاتے تھے۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیر تربیت پروان چڑھے، انہوں نے اپنی زندگی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کے سانچے میں ڈھال لیا، خود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے متصف کر لیا اور ہر کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اپنا وظیفہ حیات بنا لیا، کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر تھے، انہوں نے مدرسہ رسول سے علوم قرآن کا درس لیا، وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے بڑے قاری، اس کے معانی کے سب سے بڑے رمز شناس اور شریعت الٰہی کے سب سے بڑے نکتہ دان تھے، ایک بار جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان عرفات میں وقوف فرمائے ہوئے تھے، ایک شخص نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”امیر المومنین! میں کوفہ سے آیا ہوں، میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو قرآن میں بغیر دیکھے زبانی اس کی املاء کرتا ہے۔“ یہ سن کر انہوں نے خشمگین لہجے میں پوچھا: ”تمہارا برا ہو کون ہے وہ شخص؟“

”عبداللہ بن مسعود“ اس نے ڈرتے ہوئے کہا، یہ سن کر بتدریج ان کے غصے کا اثر زائل ہونے لگا، یہاں تک کہ وہ اپنی معمولی اور نارمل حالت پر آ گئے پھر انہوں نے فرمایا: ”بخدا میں نہیں جانتا کہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا شخص بھی اس کا حقدار ہے، اس کے متعلق میں تم سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔“ ایک رات کا ذکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں تشریف فرما تھے، وہ دونوں حضرات مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے، اس مجلس میں، میں بھی موجود تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے، ہم لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے، اچانک ہم نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے، ہم اسے پہچان نہ سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کھڑے ہو کر اس کی قرأت سنتے رہے، پھر ہماری طرف مڑتے ہوئے بولے: ”جو شخص قرآن کو اس طرح پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہئے کہ ابن ام عبد کی قرأت کے مطابق اسے پڑھے۔“ پھر جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے جاتے۔ ”سل تعطہ سل تعطہ“ ”مانگو، دیا جائے گا“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ”پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ بخدا میں صبح سویرے ان کے پاس جا کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی دعا پر آمین کہنے کی خوشخبری سناؤں گا اور جب سویرے ان کو خوشخبری دینے کے ارادے سے ان کے یہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے پہلے ان کو یہ خوشخبری دے چکے ہیں، خدا کی قسم میں جب بھی کسی خیر میں، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسابقت کی، ابوبکر نے ہمیشہ مجھے پیچھے چھوڑ دیا۔“ کتاب اللہ کے علم میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ

فرماتے ہیں: ”قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، قرآن کریم جو آیت بھی نازل ہوئی، اس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس کے متعلق کوئی شخص مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اس کے پاس پہنچنا ممکن ہو تو میں وہاں پہنچ کر اس کے علم سے ضرور استفادہ کروں گا۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے متعلق جو کچھ فرمایا، اس میں ذرا برابر مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اپنے ایک سفر کے دوران ایک قافلے سے ملتے ہیں، رات اندھیری ہے، اس نے پورے قافلے کو تاریکی کے پردے میں چھپا رکھا ہے، اس قافلے میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص سے کہتے ہیں کہ پوچھو:

”آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟“ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”فج عمیق سے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”اور کہاں کا ارادہ ہے؟“

ابن مسعود: ”بیت عتیق کا۔“ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس قافلے میں کوئی صاحب علم ہے اور انہوں نے اپنے آدمی سے کہا، پوچھو:

”قرآن کا کون سا حصہ عظیم ہے؟“ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم: لاتاخذہ سنة ولا نوم: اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہ نہ سوتا ہے، نہ اسے اونگھ آتی ہے۔ (بقرہ: ۱۵۵)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ محکم ہے؟“

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”ان اللہ یا مر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ۔“ اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ (نحل: ۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”قرآن کا کون ٹکڑا سب سے جامع ہے؟“

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یرہ: ومن یعمل مثقال ذرة شرا یرہ۔“ پھر جس نے ذرا برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (زلزال: ۷-۸)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”قرآن کا کون حصہ سب سے زیادہ خوفناک ہے؟“

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوء یجز بہ ولایجد من دون اللہ ولیا ولانصیرا۔“ انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے اپنے لئے کوئی حامی مددگار نہ پاسکے گا۔ (نسا: ۱۲۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ ہے، وہ تو غفور و رحیم ہے۔ (زمر: ۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ان سے پوچھو کہ ”کیا تم میں عبداللہ بن مسعود ہیں؟“ تو قافلے والوں نے جواب دیا کہ ”ہاں“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ صرف عالم و قاری اور عابد و زاہد ہی نہیں تھے بلکہ وہ بڑے ہمتی، نہایت دور اندیش اور زبردست مجاہد اور میدان کارزار میں پیکر جرأت و شجاعت بھی تھے، وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے مشرکین کے مجمع میں باآواز بلند قرآن پڑھ کر سنایا، ایک روز مسلمان

(جب وہ قلیل التعداد اور کمزور تھے) مکہ میں اکٹھے ہوئے اور آپس میں کہنے لگے۔ بخدا، ابھی تک قریش نے باآواز بلند کسی سے قرآن نہیں سنا، کون ہے جو ان کو سنا دے، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ”میں انہیں قرآن سناؤں گا۔“ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا: ”آپ اس کے لئے مناسب نہیں ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام کوئی ایسا شخص انجام دے جس کی پشت پر اس کے قبیلے کی طاقت ہو کہ اگر قریش اس کے ساتھ بری نیت سے پیش آئیں تو اس کا قبیلہ اس کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔“ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ”نہیں یہ کام مجھے ہی کرنے دو، اللہ تعالیٰ مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور ان کے مقابلے میں میری حمایت کرے گا۔“ پھر وہ چاشت کے وقت مسجد حرام میں داخل ہوئے تھے، مقام ابراہیم کے پاس پہنچ گئے، اس وقت سرداران قریش کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے قرآن کی تلاوت شروع کی، بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ الرحمن القران خلق الانسان علم البیان اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ نہایت مہربان، خدا نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

(الرحمٰن: ۱-۵)

وہ کتاب الٰہی کی آیات پڑھتے چلے گئے، آواز سن کر سرداران قریش ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے: ”یہ ابن ام عبد کیا پڑھ رہا ہے؟...... ارے اس کا ناس ہو، یہ تو اسی پیغام کا کوئی حصہ پڑھ رہا ہے، جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، تیزی سے ان کی طرف لپکے اور ان کے چہرے پر مارنے لگے، لیکن انہوں نے تلاوت کا سلسلہ منقطع نہیں کیا اور برابر پڑھتے رہے اور وہیں جا کر رکے، جہاں تک وہ پہنچنا چاہتے تھے، پھر وہ لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں آئے، اس وقت ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر کہا۔ ”آپ کے متعلق ہم کو اس بات کا اندیشہ تھا۔“ یہ سن کر انہوں نے کہا: ”بخدا یہ دشمنان خدا آج سے پہلے میری نظر میں اتنے ذلیل و بے وقعت نہ تھے، اگر آپ چاہیں تو میں کل بھی ان کو اس طرح قرآن سنا سکتا ہوں۔“ لیکن ساتھیوں نے کہا کہ ”نہیں، بس اتنا ہی کافی ہے، تم نے ان کو وہ چیز سنا دی جس کا انہیں گوارا نہیں ہے۔“ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، مزاج پرسی کے بعد انہوں نے دریافت کیا۔ ”آپ کو کس چیز کی شکایت ہے؟“ بولے: ”اپنے گناہوں کی، پوچھا: ”کیا خواہش ہے؟“ بولے: ”اپنے رب کی رحمت کی۔“ پوچھا: ”کیوں نہ آپ کے وظیفے کی ادائیگی کا حکم جاری کردوں جس کو لینے سے آپ نے پچھلے کئی سالوں سے انکار کردیا ہے؟“ بولے: مجھے ”اس کی ضرورت نہیں ہے، کہنے لگے: آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔“ بولے: ”کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق محتاجی کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں ہر رات سورہ واقعہ پڑھنے کی ہدایت کردی ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔“ جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھ لیا کرے گا وہ فقر و فاقہ سے دوچار نہ ہوگا اور جب رات آئی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اس وقت ان کی زبان مبارک اللہ کے ذکر اور اس کی آیات بینات سے تر تھی۔

وانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

☆......☆......☆

ایمان، نجات کی ضمانت

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

ترجمہ: حدیث" اعمش تابعی نے اپنے استاد ابو صالح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا تھا، یا (ابوسعید خدریؓ سے) کہ غزوۂ تبوک کے دنوں میں (جب سامان خوراک ختم ہوگیا، اور) لوگوں کو بھوک نے ستایا، تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ: "حضرت! اگر اجازت دیں، تو پانی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کرلیں، پھران کو کھا بھی لیں، اوران سے روغن بھی حاصل کرلیں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اچھا کرلو!" راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اورانہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اگر آپ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دے دی اور لوگوں نے ذبح کرڈالے) تو سواریاں کم ہوجائیں گی (لہٰذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپ ان کے بچے کھچے سامان خوراک کے ساتھ بلا لیجئے، پھران کے واسطے اللہ سے اس میں برکت کردینے کی دعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت فرمادے گا۔" حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے۔" چنانچہ آپ نے چمڑے کا بڑا دسترخوان طلب فرمایا، پس وہ بچھا دیا گیا، پھر آپ نے لوگوں سے ان کا بچا کھچا سامان خوراک منگوایا، پس کوئی آدمی مٹھی چنے کے دانے ہی لئے آرہا ہے، کوئی ایک مٹھی کھجوریں لارہا ہے، اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لئے چلا آرہا ہے، حتیٰ کہ دسترخوان پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں جمع ہوگئیں، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر برکت کی دعا فرمائی، اس کے بعد فرمایا: اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھرلو۔" چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لئے حتیٰ کہ

(تقریباً ۳۰ ہزار کے لشکر میں) لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے ہوئے نہیں چھوڑا، اور راوی کہتے ہیں کہ پھر سب نے کھایا، حتیٰ کہ خوب سیر ہوگئے اور کچھ فاضل بھی بچ رہا، اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شک وشبہ کے کامل یقین واذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے جائے، پھر وہ جنت سے روکا جائے۔"

تشریح:......حدیث کا مضمون ظاہر ہے، جس مقصد سے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے، اس کا تعلق حدیث کے صرف آخری جز سے ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کی توحید اوراپنی رسالت کی شہادت ادا کرکے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ان دوشہادتوں کو مخلصانہ طور پر ادا کرے اور شک وشبہ کی کوئی بیماری اس کے دل ودماغ کو نہ ہو، اور اسی ایمانی حال میں اس کو موت آئے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

جولوگ قرآن حدیث کے محاورہ اور طرز بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر "اللہ کی توحید اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی شہادت" ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت ایمان کو قبول کرلینا اورآپ کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنالینا ہوتا ہے اور اسی لئے ان دوشہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی دعوت کو قبول کرلیا اوراسلام کو اپنا دین بنالیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے، کہ جو شخص "لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ" کی شہادت ادا کرکے میری ایمانی دعوت کو قبول کرلے، اوراسلام کو اپنا دین بنالے، اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحب یقین ہو تو اگر اسی حال میں وہ مرجائے گا، تو جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا اقرار کرے، لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے، بلکہ کسی اور دین ومذہب پر قائم رہے، یا توحید ورسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ ہرگز اس بشارت کا مستحق نہ ہوگا۔

الغرض اس حدیث میں توحید ورسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی دعوت کو قبول کرنا اوراسلام کو اپنا دین بنانا ہے، اسی طرح جن حدیثوں میں صرف توحید پر، اور صرف "لا الہ الا اللہ" کے اقرار پر جنت کی بشارت دی گئی، ان کا مطلب بھی یہی ہے۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں:

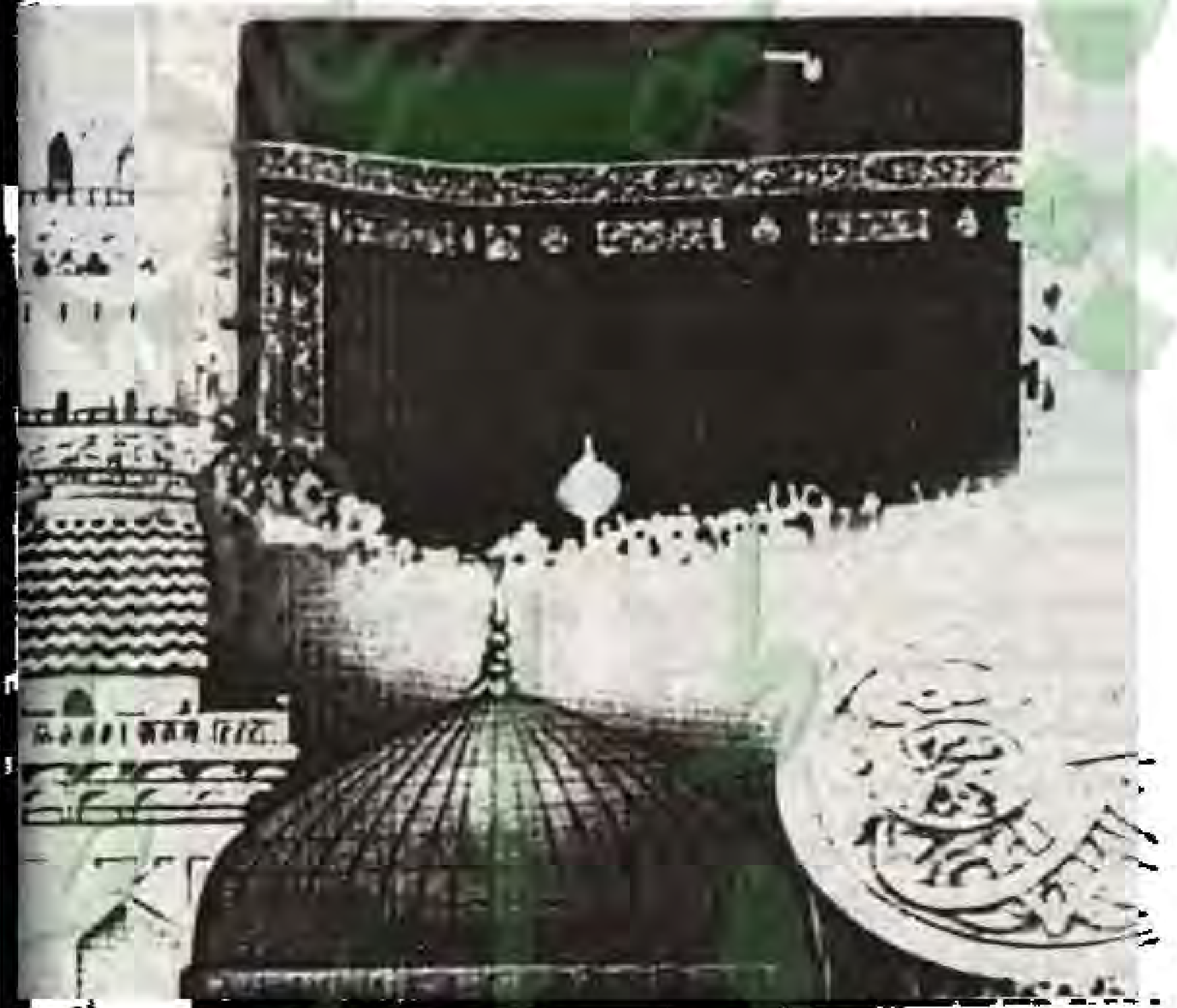
(۱)......اگر کوئی بڑا، حتیٰ کہ اللہ کا نبی ورسول بھی کسی معاملے میں اپنی رائے ظاہر کرے اور کسی صاحب رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے، تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش کرنے سے دریغ نہ کرے اور اس بڑے کو چاہئے کہ وہ اس پر غور کرے، اور اگر وہی رائے بہتر اور انسب معلوم ہو تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اس کو اختیار کرنے میں ادنیٰ تامل نہ کرے۔

(۲)......دعا کا قبول ہونا اور بالخصوص اس قبولیت کا خرق عادت کی شکل میں ظاہر ہونا اللہ کی نشانیوں اور مقبولیت اور تعلق باللہ کی خاص علامتوں میں سے ہے، جس سے مومنین کے انشراح صدر اوراطمینان قلبی میں ترقی ہونا برحق بلکہ نبوت کی میراث ہے (جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمۂ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے انعامات الٰہیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے، یا جو اس قسم کے خوارق کو طنز وتضحیک اور استخفاف واستحقار کے لائق سمجھتے ہیں، ان کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں۔

☆......☆......☆

عورت، اسلام کے آئینے میں

مولانا نصیر احمد قاسمی



اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نسل کی ابتداء حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام سے کی، کائنات کے سب سے پہلے مرد اگر حضرت آدم علیہ السلام ہیں، تو عورتوں میں سب سے پہلی عورت حضرت حوا علیہا السلام ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے: "یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء" (نساء/۱)

ترجمہ: "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جاندار (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا (یعنی ان کی زوجہ حوا کو) پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔" (حجرات/۱۳)

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ بنی نوع انسان ایک مرد و عورت سے مرکب ہے، دونوں کی زندگی ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہے اور زندگی کا سفر کسی ایک کے بغیر کرنا اتنا ہی مشکل ہے، جتنا کہ دو پہیہ گاڑی کا ایک پہیہ کے سہارے اپنی مسافت کو طے کرنا، اس لحاظ سے دونوں کا ساتھ چولی، دامن کا ہے، مگر اہل زمانہ کی ستم گری کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صنف نازک پر مظالم و مصائب کے جو پہاڑ ڈھائے گئے، وہ اپنی داستان آپ ہے۔

نبی کریم کی بعثت سے قبل عورت ایک منحوس ذات سمجھی جاتی تھی، اس کی ولادت کو باعث شرم و عار سمجھا جاتا تھا، جس کی منظر کشی قرآن کریم نے اس ارشاد سے کی: "واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ مسودا وھو کظیم ، یتوری من القوم من سوء مابشر بہ ایمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب الاساء ما یحکمون." (سورہ نحل/۵۸، ۵۹)

ترجمہ: "اور جب ان میں کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خبر دی، تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے (اور) جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے (تولد دختر) اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے، آیا اس کو ذلت پر لئے رہے، یا اس کو مٹی میں گاڑ دے، خوب سن لو، ان کی یہ تجویز بہت بری ہے۔"

(معارف القرآن ج ۵، ص ۳۵۵)

اس آیت کریمہ میں کفار عرب کی اس خصلت پر مذمت کی گئی ہے کہ وہ اپنے گھر میں لڑکی کی پیدا ہونے کو اتنا برا سمجھتے ہیں کہ شرمندگی کے سبب لوگوں سے چھپتے پھریں اور اس سوچ میں پڑ جائیں کہ لڑکی کی پیدا ہونے سے جو میری ذلت ہو چکی ہے، اس پر صبر کروں یا اس کو زندہ در گور کر کے پیچھا چھڑا دوں، گویا ولادت کے بعد ان کے ساتھ انسانیت کو شرمسار کرنی والی گھناؤنی حرکت انجام دی جاتی تھی اور وہ گھناؤنی حرکت کسی غیر سے نہیں، بلکہ خود اپنے ماں باپ سے سرزد ہوتی تھی، چنانچہ مولانا مودودی صاحب آیت قرآنی "واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت" کے تحت رقمطراز ہیں: "اس آیت کے انداز بیان میں ایسی شدید غضبنا کی پائی جاتی ہے، جس سے زیادہ غضبنا کی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، بیٹی کو زندہ گاڑنے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے قابل نفرت ہوں گے کہ ان کو مخاطب کر کے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم کو کیوں قتل کیا، بلکہ ان سے نگاہ پھیر کر معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو بے چاری کس قصور میں ماری گئی اور وہ اپنی داستان سنائے گی کہ ظالم ماں باپ نے اس کے ساتھ کیا ظلم کیا۔" (تفہیم القرآن ج ۶، ص ۲۶۴)

اس آیت کریمہ کے ذریعے اہل عرب کو یہ احساس دلایا گیا کہ وہ اخلاقی پستی کے کس انتہا پر پہنچ چکے ہیں کہ وہ اپنی ہی اولاد کو اپنے ہی ہاتھوں زندہ در گور کرتے ہیں اور پھر ستم بالائے ستم کہ انہیں پھر بھی شدید اصرار ہے کہ وہ اپنی اسی جاہلیت پر قائم رہیں گے اور اس اصلاح کو قبول نہ کریں گے جو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بگڑے ہوئے معاشرے کے حوالے سے کرنا چاہتے تھے۔ اہل عرب میں یہ گھناؤنی حرکت کئی وجوہ سے رائج ہو چکی تھی، پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ معاشی خستہ حالی سے دوچار تھے، جس کی وجہ سے وہ چاہتے تھے کہ کھانے پینے والے کم ہوں اور اولاد کی پرورش و پرداخت کا بار ان پر زیادہ نہ پڑے، لیکن بیٹوں کی تربیت اور پرورش اس امید سے کی جاتی تھی کہ بعد میں وہ حصول معیشت میں ہاتھ بٹائیں گے اور بیٹیوں کو ہلاکت کے منہ میں اس بنا پر دھکیل دیا جاتا تھا کہ جوانی تک ان کو پالنے پوسنے کی مشقت برداشت کرنے کے بعد بیاہ دینا ہوگا۔

دوسری وجہ اس رسم بد کی یہ تھی کہ معاشرے میں بداَمنی عام تھی، جس کی وجہ سے اہل عرب بیٹوں کی

پرورش اس لئے کرتے تھے کہ جس کے جتنے زیادہ بیٹے ہوں گے، اس کے اتنے ہی زیادہ حامی و مددگار ہوں گے اور اس کے برعکس بیٹیوں کی پرورش اس لئے ناقابل برداشت تھی کہ قبائلی جنگوں میں ان کی حفاظت کرنی پڑے گی اور وہ دفاع میں ان کے کام نہ آئیں گی۔

تیسری وجہ بدامنی ہی کا ایک دوسرا پہلو تھا کہ دشمن قبیلے جب ایک دوسرے پر اچانک چھاپے مارتے تھے تو جو لڑکیاں ان کے ہاتھ آجاتی تھیں، وہ یا تو ان کو لے کر لونڈیاں بنا کر رکھتے تھے یا کہیں بیچ ڈالتے تھے۔

دورِ جدید کے مشہور مفکر اور فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دختر کشی کے اس گھناؤنے جرم کے بارے میں لکھتے ہیں: ”دراصل عرب اپنے گھر میں داماد لانے کو شرم و عار کی بات سمجھتے تھے، اسی لئے بیٹی کی پیدائش کا نام سنتے ہی مارے غصے کے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا اور وہ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا تھا، اس کے سامنے دو ہی راستے ہوتے تھے، یا تو وہ اس متاعِ رسوائی کو اپنے پاس رکھے یا اس کو منوں مٹی کے نیچے دفن کردے۔“ (شمع فروزاں، ص ۱۹۵)

اگرچہ عرب سماج میں ایسے کچھ افراد ضرور تھے، جن میں شرافت نفس پائی جاتی تھی، وہ بے گناہ نومولود بچیوں کو لے جا کر ان کی پرورش و پرداخت کرتے، ان کی جوانیاں ان ہی کے پاس پروان چڑھتیں، بعد میں ان کے والدین اگر چاہتے، تو انہیں ان کی بچیاں واپس کردی جاتیں، لیکن یہ محض شخصی کوششیں ہوا کرتی تھیں، جو عربوں کے ذہن سے اس شرم و عار کو مٹا دینے میں بارآور نہیں ہو پائیں کہ دامادی رشتہ کسی بھی طرح سے ذلت و حقارت کی چیز نہیں ہے۔

ان نادانوں کو کون سمجھائے کہ یہی دامادی رشتہ ان کے وجود کا پس منظر ہے، ان کے آباؤ اجداد کسی کے داماد نہ بنے ہوتے تو ان کا بھی کوئی نام و نشان نہیں ہوتا۔

خود عورت ذات کے اندر جو اخلاقی، معاشرتی اور فکری گمراہیاں در آئی تھیں، وہ اپنے آپ میں انسانیت کو شرمسار کرنے اور معاشرت کی بدترین مثال تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں مجمع عام میں کھلے طور پر بے حجاب نکلا کرتی تھیں اور اپنے جسم کا مخفی حصہ عوام الناس کو دکھانے میں عار نہ سمجھتی تھیں، ازدواجی زندگی کے متعلق ان کے پاس نہ کوئی قاعدہ موجود تھا، نہ ہی محرم اور غیر محرم عورتوں کی تمیز کے لئے کوئی صاف آئین منضبط تھا۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی حالت زار پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ”جاہلی معاشرے میں عورت کے ساتھ ظلم و بدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی، اس کے حقوق پامال کئے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے، وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کرسکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی...... لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انہیں زندہ درگور کرنے کا بھی رواج تھا۔“ (اسلام میں عورتوں کے حقوق، ص ۳۸)

ایسے حالات میں جب دین اسلام کا سورج عرب کی سرزمین میں طلوع ہوتا ہے، تو اس نے روز اول ہی سے صنف نازک کو معاشرتی، آئینی، عائلی اور ملی حقوق سے نوازا، عورت کو سماج میں مقام کی بلندی، معاشرہ کی تعمیر میں صلاحیتوں کو بروئے کار لانے، اس کے لئے فعال اور مؤثر کردار ادا کرنے اور عورت کے وجود کو مستقل حیثیت دین اسلام ہی کی دین ہے۔

یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ اس نے نہ صرف عرب سے اس انتہائی سنگدلانہ رسم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، بلکہ اس تخیل کو بھی مٹا دیا کہ بیٹی کی پیدائش کوئی حادثہ اور مصیبت ہے، جسے بادل ناخواستہ برداشت کیا جائے، اسلام کی تعلیم ہے کہ بیٹیوں کی پرورش کرنا، انہیں عمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا اور ان کو اس قابل بنانا کہ وہ اچھی گھر والی بن سکیں، ایک بہت بڑا نیکی کا کام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اس عام تصور کو جس انداز سے بدلا ہے، اس کا صحیح ادراک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ہوتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو شخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے اور پھر وہ ان سے نیک سلوک کرے تو یہ اس کے لئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔“ (بخاری ج ۲، ص ۸۸۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ”جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی، یہاں تک وہ بالغ ہوگئیں تو قیامت کے روز میرے ساتھ وہ اس طرح آئے گا، یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر بتایا۔“ (مشکوٰۃ، ص ۴۲۱)

بیوہ اور مطلقہ عورت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا کہ ”میں تمہیں بتادوں کہ سب سے بڑا صدقہ (یا فرمایا، بڑے صدقوں میں سے ایک) کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، ضرور بتادیجئے یا رسول اللہ، فرمایا: تیری بیٹی جو (طلاق پاکر یا بیوہ ہوکر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کے لئے کوئی کمانے والا نہ ہو۔“ (مشکوٰۃ، ص ۴۲۵)

عورت ذات زمانہ جاہلیت میں جس نازک ترین دور سے گزر رہی تھی، اس کا اثر اس گہرائی تک جاگزیں ہوچکا تھا کہ مرد عورتوں کے کسی بھی حق سے انکاری اور ناآشنا تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم عہد جاہلیت میں عورتوں کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں احکام نازل کئے اور ان کا حق مقرر کیا۔ (بخاری و مسلم، ج ۱، ص ۴۸۱)

ایک دوسری روایت میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے تھے، لیکن جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کیا، لہٰذا ہم نے محسوس کیا کہ ہم پر عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ (بخاری، ج ۲، ص ۸۵۶۹۰، باب التحریر للنساء)

قرآن مجید میں عورتوں کے نام سے ایک مستقل سورت ہے، اس سورت میں بطور خاص عورتوں کے حقوق کا ذکر ہے، اس میں نہ صرف ان کے حقوق وراثت کا تذکرہ ہے، بلکہ نکاح جیسے ایک مقدس، پاکیزہ اور مضبوط رشتہ کے احکام کا بھی تفصیلی ذکر ہے، ساتھ ہی ساتھ اس میں یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انسداد، ازواج کے درمیان عدل و مساوات، مہر کی ادائیگی، یتیموں کے مال میں بے جا اسراف کرنے کی ممانعت، مسائل رضاعت اور والدین کے حقوق کا بھی ذکر ہے، الغرض اس سورت کو اگر ان کے حقوق کے حوالے سے متن کی حیثیت حاصل ہے تو احادیث نبویہ اس کی شرح کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کریم مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حق میں بھی حیات طیبہ کا ضامن ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ”من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔“

ترجمہ: ”نیک عمل جو بھی کرے گا، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم انہیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔“

اس آیت کریمہ میں جس پاکیزہ زندگی کا تذکرہ ہے وہ نہ صرف آخرت کی زندگی کو شامل ہے بلکہ دنیا کی زندگی کو بھی محیط ہے، اس وقت دنیا کے اندر جو دوڑ دھوپ، جدوجہد اور محنتیں، راتوں کا جاگنا، کتابوں پر محنت کرنا، پرائمری سے لے کر یونیورسٹیوں تک پڑھنا پڑھانا اور ڈگریوں سے لیس ہوجانا وغیرہ کوششیں کی جارہی ہیں، ان سب کا مشترک مقصد یہ ہے کہ انسان کو ایک اچھی زندگی حاصل ہو، مگر قرآن کریم نے ایک جامع کلمہ ارشاد فرما کر انسان کو پاکیزہ زندگی کا وعدہ فرمایا ہے، جس میں مرد و عورت دونوں برابر کے حقدار ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا والوں کو عورتوں

کے حوالے سے واضح ہدایات اور تعلیمات سے نوازا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قرآن کریم کی آیت "وعاشروھن بالمعروف" کا مصداق کامل تھے، آپ نے اس آیت کی تشریح اپنے اقوال اور افعال سے فرمائی، آپ کا ارشاد ہے: "خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرلاھلہ" (ابن ماجہ، کتاب النکاح، ص۱۴۲)

ترجمہ: "تم میں سے سب سے بہترین وہ لوگ ہیں، جو اپنی خواتین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور میں تم میں اپنی خواتین کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہوں۔"

قرآن کریم نے ان کے حقوق کے حوالے سے اعلانا کہا: "ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف" عورتوں کا بھی مرد پر حق ہے جیسا کہ دستور کے مطابق مردوں کا عورتوں پر حق ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ حقوق کے اعتبار سے مرد و عورت دونوں کا درجہ برابر سرابر ہے، اگر عورتوں پر مردوں کے حقوق لازم ہیں، تو مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق واجب ہیں، اگر مرد حضرات کی خواہش ہے کہ عورتیں ان کے حقوق ادا کریں، تو ان کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ ان کے حقوق کا پاس کریں۔ دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں نوع انسانی کے اعتبار سے مرد کو اگر معاملات کے باب میں خرید وفروخت، رہن وہبہ، اجرت وشفعہ، جدل وصلح، وراثت ونکاح وغیر حقوق حاصل ہیں، تو عورت کو بھی اسی نوع میں سے ایک نوع ہونے کی حیثیت سے وہی حقوق حاصل ہیں، مرد کو اگر طلاق کا اختیار دیا گیا ہے، تو صنف نازک کو بھی خیار بلوغ، خیار فسخ وغیرہ کے اختیارات دے کر اس کے حقوق کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔

گویا مالی، قانونی، اخلاقی اور معاشرتی حقوق جیسے مردوں کو دیئے گئے ہیں، عورتوں کو بھی دیئے گئے ہیں، البتہ دونوں کے جسمانی ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں طرف سے حقوق میں کمی بیشی کے تفاوت کا پایا جانا فطرت کے عین مطابق ہے، گھر سے باہر کی دوڑ دھوپ ضروریات زندگی کی فراہمی اگر مرد کا دائرہ کار ہے، تو عورت کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری میں رہ کر گھریلو ذمہ داریوں میں بھرپور دلچسپی لینے، اپنی انتظامی صلاحیت، حکمت و سلیقہ سے گھر کو جنت نشاں بنا کر اپنی عاقبت کو سنوارنے بنایا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: "وقرن فی بیوتکن" "اور اپنے گھروں میں چین سے بیٹھی رہو۔"

حضرت مولانا محمد یوسف اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں کہ "عورت کی فطری اور طبعی ذمہ داری گھر کی دیکھ بھال اور انتظام ہے اور مختلف حیثیتوں سے اس کی تمام سرگرمیاں گھر ہی کے لئے وقف ہیں، شادی سے پہلے ایک لڑکی ہے، جس کی ساری دوڑ دھوپ اپنے اس مستقبل کی تیاری کے لئے ہے، جب وہ کسی گھر کی رونق بنے گی اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالے گی اور اس طرح وہ ان گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے گی جو اس کی فطری اور حقیقی ذمہ داری ہے۔" (اسلامی معاشرہ ص۱۸۲)

عورت کی فطرت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اس کا میدان کار گھر کی چار دیواری رہے، اسلام نے اس کو گھر کی ذمہ داری سونپی ہے، گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی تربیت اور نگرانی ہی اس کا وظیفہ عمل ہے جبکہ روزی کی دوڑ دھوپ، ملک کی حفاظت، حکمرانی اور دوسری ذمہ داریاں مرد سے متعلق ہیں، چونکہ عورت کی بہ نسبت مرد پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لئے اس کے مقابلے میں مرد کو یک گونہ فضیلت حاصل ہے، جس کی ایک وجہ یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ مرد کھانے، کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: "الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم" (النساء، ۳۴)

ترجمہ: "مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال ان پر خرچ کرتے ہیں۔"

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں مرد کے تعلق سے دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، اول یہ کہ مرد قوام ہیں، دوئم یہ کہ مرد کو عورت پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔ علمائے کرام کی تشریح کے مطابق قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کچھ افراد کی دیکھ بھال پر متقرر ہو، یا کسی ادارے کے نظم کو ٹھیک ٹھاک چلانے اور اس کی حفاظت اور نگرانی کا ذمہ دار ہو۔

چوں کہ خاندان بھی ایک ادارہ ہے، جس میں کئی افراد ایک ساتھ، شوہر، بیوی اور مذکر و مؤنث اولاد کی شکل میں زندگی بسر کرتے ہیں، اس خاندان کے نظام کو بحسن خوبی چلانے کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے، وہی اس کا محافظ اور نگہبان ہوتا ہے، گھر کی تمام ضروریات زندگی بہم پہنچانا اس کا اول ترین فرض ہے، تاکہ گھر کا یہ ادارہ پورے سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے۔

علامہ ابن کثیرؒ مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت رقمطراز ہیں کہ "مرد عورت کا حکم، رئیس اور سردار ہے، اسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے، اس لئے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے، جو اپنا سربراہ عورت کو بنائیں۔" (پارہ ۵، ص۲۱، سورہ نساء)

قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں مرد کو اگرچہ عورت پر حاکمیت اور آمریت حاصل ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے محض آمریت اور استبداد کی حکومت حاصل ہے، بلکہ یہ حاکم بھی قانون شرع اور مشورہ کا پابند ہے، اس کو اپنی رفیق حیات کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے: "وعاشروھن بالمعروف" یعنی عورتوں کے ساتھ معروف طریقہ پر اچھا سلوک کرو۔

قرآن کریم اور تعلیمات نبوی میں اس بات کو واضح اور صاف اسلوب میں بیان کیا گیا ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا، ان کے ساتھ احسان کی روش اختیار کرنا، ان کو اچھی تعلیم اور اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا، ان کے حقوق کی حفاظت کرنا اور اگر کئی بیویاں ہیں، تو ان میں برابری کا سلوک کرنا، مرد کی نہ صرف اخلاقی ذمہ داری ہیں بلکہ دینی تعلیمات کا بھی تقاضا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق کے حوالے سے مرد حضرت کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: "لوگو! سنو، عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ، کیوں کہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں، تمہیں ان کے ساتھ سختی کرنے کا کوئی حق نہیں، سوائے اس صورت کے کہ جب ان کی طرف سے کھلی ہوئی نافرمانی سامنے آئے، اگر وہ ایسا کر بیٹھیں، تو پھر خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور انہیں مارو بھی لیکن ایسی مار ہو کہ کوئی شدید چوٹ نہ آئے، پھر اگر وہ تمہارا کہنا ماننے لگیں تو ان کو خواہ مخواہ ستانے کی راہیں نہ ڈھونڈو، سنو، تمہارے کچھ حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں اور تمہاری بیویوں کے کچھ حقوق تم پر ہیں، ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ان لوگوں سے نہ روندوائیں، جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو ہرگز نہ گھسنے دیں، جن کا آنا تمہیں ناگوار ہو اور سنو، ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھا کھلاؤ، اچھا پہناؤ۔" (ترمذی، ص۱۳۹، ج۱، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی صاحب ایمان مرد اپنی مؤمنہ بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہے، تو ہوسکتا ہے کہ دوسری خصلت اسے پسند آجائے۔ (مسلم، ص۴۷۵، ج۱، باب الوصیۃ بالنساء)

ویسے کون سا مرد ایسا ہوگا جس کی یہ خواہش نہ ہو کہ اس کی شریک حیات اپنی شکل وصورت، سلیقہ وہنر، اخلاق واطوار، سیرت وکردار میں بے عیب نہ ہو، لیکن یہ ناممکن

ہے کہ ہر شخص کو ایسی بیوی مل جائے، جو ہر عیب سے پاک ہو اور اس کی ذہنی تصویر کے بالکل مطابق ہو، ممکن ہے کہ ایک عورت اپنی شکل و صورت میں ممتاز نہ ہو، لیکن اپنے ہنر اور سلیقہ میں بے نظیر ہو، یا وہ حسن و جمال کی حسین پیکر ہو لیکن سیرت و کردار اور اخلاق لحاظ سے کوئی مقام نہ رکھتی ہو، اس لئے یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہئے کہ جس طرح سارے مرد ہر پہلو سے بے عیب نہیں ہوتے، ایسے ہی عورتیں بھی ہر لحاظ سے بے عیب نہیں ہوتیں۔

ایسی صورت حال میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صاحب ایمان مرد کو ایمان افروز ہدایات سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی بیوی کے ساتھ بہتر طور اچھے برتاؤ کی زندگی گزارے، کسی ایک یا چند برائیوں کی وجہ سے اس کی طرف سے دل برا نہ کرے، اگر اس میں کچھ عیب ہوں تو ان کی وجہ سے اس کو حقیر نہ سمجھے، اس سے نفرت نہ کرے بلکہ اس کو دلسوزی اور محبت کے ساتھ سمجھائے، حکمت کے ساتھ تربیت کرے، نرمی سے پیش آئے، خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے عیوب سے صرف نظر کرے اور اس کی بھلائیوں پر نگاہ رکھے۔

دختر کشی کی وہ قدیم رسم اگرچہ ختم ہو چکی ہے، لیکن ہمارے آج کے جدید دور میں، جو علم و تحقیق اور انکشاف سے تعبیر ہے، اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب سائنٹفک طریقہ پر برابر ہو رہا ہے اس میں کوئی دورائے نہیں کہ جدید دور میں سائنسی ترقی نے بہت سے ایسے آلات اور مشینوں کو وجود بخشا ہے جن کے ذریعے سے ایسی چیزوں کا پتہ لگایا جاتا ہے، جو نصف صدی قبل ممکن نہ تھا ان ہی میں سے ایک ''سونوگرافی مشین'' ہے، جس کے ذریعہ سے جنین (پیٹ میں موجود بچہ) کی جنس معلوم کی جاتی ہے، چنانچہ چند سو روپے خرچ کر کے Sex Dermination Test کرایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحم مادر میں لڑکا ہے کہ لڑکی۔

مولانا خالد یوسف اللہ صاحب رقمطراز ہیں کہ ''ایک معمولی اندازے کے مطابق اس ٹیسٹ پر مبنی اطلاعات کی روشنی میں روزانہ پانچ یا چھ سو لڑکیاں اس عالم رنگ و بو میں آنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہیں، یہ قتل دشمنوں اور غیر سماجی عناصر یا غنڈوں کے ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ شفیق باپ اور ممتا سے معمور ماں کے ہاتھوں ہوتا ہے۔'' (شمع فروزاں، ص ۱۹۷)

لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دختر کشی کی اس جدید جاہلیت کا مجرم محض والدین کو نہیں گردانا جا سکتا، یہ قطعی طور پر ناانصافی ہوگی، کیوں کہ اس جدید جاہلیت کا پورا سماج اجتماعی طور پر مجرم ہے، سماج میں ان عناصر کی کمی نہیں، جنہوں نے نکاح کے مقدس اور پاکیزہ رشتہ کی، بازاروں میں فروخت ہونے والے سامانوں کی طرح قیمت لگا رکھی ہے، سماج کے ان دشمن عناصر کو حرص و طمع نے سیم و زر کا ایسا دلدادہ بنا دیا ہے کہ انہیں نکاح جیسے مقدس رشتہ میں ملنے والا جہیز ہی سب کچھ نظر آنے لگا ہے۔

ان سماج دشمن عناصر کی وجہ سے نہ معلوم کتنی بالغ لڑکیاں بن بیاہی کے اپنے والدین کے لئے باعث کلفت بنی ہوئی ہیں، جن کی شادی کے لئے نہ ان کے پاس اتنا زر ہے کہ وہ ان کی شادی کی تقریب انجام دے سکیں اور نہ ہی ان کے پاس اپنی بیٹیوں کو جہیز میں دینے کے لئے وہ ساز و سامان ہیں جس کو ان سماج دشمن عناصر نے اپنی کرتوتوں کے سبب ان کے لئے باعث وبال جان بنا دیا ہے۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ معاشرے کے درد مند اور حساس حضرات آگے آئیں اور معاشرے میں اس حوالے سے پنپ رہی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کریں، تاکہ کل قیامت کے دن اللہ کے حضور میں دامن گھسیٹ کر پکڑے جانے کی شرمندگی سے بچا جائے۔

☆......☆......☆

مسلمان عورت اور پردہ

مولانا عبدالقیوم ندویؒ

دنیا جہاں کے سلیم الطبع ارباب فکر و نظر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کا طبعی فرض نوع انسان کی حفاظت اور تربیت ہے۔ اس دائرے سے عورت جب قدم باہر نکالتی ہے تو وہ عورت نہیں رہتی۔ بلکہ عورت اور مرد کے علاوہ ایک تیسری جنس کا نمونہ بن جاتی ہے۔ عورت کو عورت رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کے طبعی فرائض تک اپنے فکر و عمل کو محدود رکھے اور مردوں کے مشاغل سے احتراز کرے، ان سے اختلاط کو جائز نہ سمجھے اور نوع انسان کی پیدائش و پرورش اور امور خانہ داری کے فرائض کو اپنی زندگی کا اہم اور اصلی وظیفہ جانے، اسلام نے پردے کے احکام اسی مقصد کے لئے عورتوں پر عائد کئے ہیں۔

عورتوں کو منزلی زندگی سے وابستہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ میاں بیوی اور اولاد کا باہمی ربط محکم سے محکم تر ہو عورت گھر کو سنبھالنے اور اولاد کو تربیت دینے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے اور مرد گھر چلانے اور گھر والوں کی ضروریات کو پورا کرنے کا ذمہ اٹھائے، اس ربط و ضبط اور محبت و الفت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عورت پاک دامن و پاک باز ہو اور گھر کی فضا عصمت و طہارت سے مملو ہو اور زن و شوئی تعلقات میں ایک کو دوسرے پر پورا اعتماد ہو اور دونوں میں رواداری و ایمان داری کا چلن ہو، ایک صاحب قلم نے لکھا ہے:

''ہر ایک معاشرت اور سوسائٹی کی تاریخ اس بات پر گواہی دیتی ہے کہ عفت و پاک دامنی کی اعلیٰ صفت پر مرد ہی حملہ آور ہوتا ہے اور عورت مدافعت کرتی ہے۔''

عورت کی اس فطری مدافعت کی تمدنی اور خارجی شکل پردہ ہے، پردے ہی کی وجہ سے عورت مردوں کی بے باکیوں اور دراز دستیوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ اخلاقی احساس اور شرم و حیا مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں کہیں زیادہ ہوتا ہے اور پھر عصمت کے معاملے میں مرد زیادہ محتاط نہیں ہوتا اور اس کی بے باکی پر کسی قسم کی طبعی رکاوٹ بھی نہیں ہوتی، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کی جسمانی ترکیب کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ وہ بدچلنی کے بعد بھی بدنام نہیں ہو سکتا، لیکن عورت اگر ایک بار غلطی کر لے تو پھر اسے زندگی بھر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے، مرد بڑی آسانی سے اپنے جرم کو چھپا سکتا ہے اور بظاہر نیک رہ کر اندرونی طور سے خفیہ بدچلنی کر سکتا ہے اور اس کا پردہ بھی ڈھکا رہتا ہے، لیکن عورت بیچاری اس معاملے میں

معذور ہے۔ اس کی ادنیٰ سی خطا بھی جسم میں ایسا اثر چھوڑ جاتی ہے کہ اس کو مٹانا اکثر جان لیوا ثابت ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جنسی معاملات میں مرد عام طور پر بڑے بے باک ہوتے ہیں، وہ عجیب عجیب ترکیبوں اور طرح طرح کے بہانوں سے عورتوں کو اپنے دام ہوس میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب عورت اس گڑھے میں گر جاتی ہے اور وہ اس سے مطلب براری کر کے اپنی آتش شہوت ٹھنڈی کر چکتے ہیں تو عورت کو ہمیشہ کے لئے ذلت یا موت کے کنارے چھوڑ کر بالکل قطع تعلق کر لیتے ہیں، الغرض پردہ عورت کی انہی لغزشوں سے حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ ہے، جس کے اندر وہ پناہ لے کر مردوں کے شرم ناک حملوں سے محفوظ رہ سکتی ہے اور اس حملہ آور جنس کی شرارت اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ واقعہ یہ ہے کہ عورت جو شرم و حیا کی پتلی اور نیکی اور طہارت کی دیوی ہے، پردے سے باہر نکل کر اپنے آپ کو مردوں سے بہ مشکل ہی مامون پاتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم کوئی ایسا ذریعہ تلاش کریں جس کی مدد سے کمزور اور نزاکت مآب عورت کو سنگ دل اور بدچلن مرد کی شرارت سے بچا سکیں۔ یہ ذریعہ اسلام نے بہم پہنچایا ہے اور وہ عورتوں کے لئے شرعی پردہ ہے۔

ان مسائل پر بحث کرتے ہوئے علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

"بعض لوگ کہیں گے کہ پھر تم مردوں کو پردے میں رہنے کا حکم کیوں نہیں دیتے، عورتوں پر اس قدر سختی روا رکھنی کہ وہ بے چاریاں گھروں کی چار دیواری میں قید کر دی جائیں، کیوں روا رکھی ہے؟ کیا پردے کی قید عورتوں کی حق تلفی کرنے والی پیش بندی نہیں؟...... ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ جب عورتوں کا مردوں سے الگ رکھا جانا ضروری اور لابدی امر ہے اور عورتوں کا وظیفہ طبعی، منزلی زندگی ہے اور ان کا گھر سے نکل کر خارجی کاموں میں مشغول ہونا، ایک سخت معاشرتی خلل ہے، تو اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے کہ مرد کی زندگی کا مقصد خارجی دنیا کے جھگڑوں میں لازمی شرکت کرنا ہے، ہم کو لازم ہے کہ ان نقصانوں میں سے جو نقصان کم درجے کا ہو اسے اختیار کر لیں اور زیادہ مضرت رساں بات کو ترک کر دیں، ورنہ اگر کوئی دانا اور فاضل شخص مردوں کے واسطے کسی ایسی تدبیر کو ایجاد کرے جس پر کاربند ہونے سے وہ عورت پر حملہ آور نہ ہو سکیں تو مجھے امید بلکہ یقین ہے کہ عورت کی نازک جنس کو آفات زمانہ سے محفوظ رکھنے کے لئے مسلمان لوگ اس تدبیر پر سب سے پہلے بہ دل و جان عمل کریں گے۔"

اسلام کا شرعی پردہ:...... قرآن مجید میں پردے کے ضمن میں جو آیات وارد ہوئی ہیں، ان کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

"اے نبیؐ، مومنوں سے کہئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا طریقہ ہے اور اللہ جانتا ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اور مومن عورتوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں، سوائے اس زینت کے جو خود ظاہر ہو جائے اور وہ اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کی بکل مار لیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے ان لوگوں کے سامنے، شوہر، باپ، خسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنی عورتیں، اپنی لونڈیاں اور غلام، وہ مرد خدمت گار جو عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا وہ لڑکے جو ابھی عورتوں کی پردے کی باتوں سے آگاہ نہیں ہوئے ہیں، نیز اے نبی! مومن عورتوں کو حکم دیجئے کہ وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ مارتی چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے، اس کا اظہار ہو۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"اے نبی کی بیویو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح نہیں

ہو، اگر تمہیں پرہیزگاری منظور ہے تو دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں کوئی خرابی ہو، وہ تم سے کچھ توقعات وابستہ کر بیٹھے، بات سیدھی سادی کرو اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو، اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو۔" سورۂ احزاب کی آٹھویں آیت میں پردے کے حکم کی مزید تشریح کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں، اس سے توقع یہ ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی، اور ان کو ستایا نہ جائے گا۔"

"حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں؟ فرمایا: نظر پھیر لو۔" (ابن داؤد)

حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: "اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو، پہلی نظر تمہیں معاف ہے، مگر دوسری نظر کی اجازت نہیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کسی اجنبی عورت کے محاسن پر شہوت کی نظر ڈالے گا، قیامت کے روز اس کی آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔"

قرآن کی اوپر کی آیات اور ان احادیث سے صاف واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کا کھلے بندوں بن ٹھن کر شاہراہوں پر پھرنا اور مردوں کا عورتوں کی طرف گھورنا اور ان کے حسن بے نقاب پر بار بار نظریں ڈالنا سخت منع ہے۔

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس کو دیکھ لو، کیونکہ یہ تم دونوں کے درمیان محبت و اتفاق پیدا کرنے کے لئے مناسب ہوگا۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے، جس میں حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے انصار میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تو نے اسے دیکھا ہے، اس نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا: جا اور اس کو دیکھ لے، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔ (مسلم)

ابوداؤد کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو حتیٰ الامکان اسے دیکھ لے کہ آیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو اس کو اس عورت کے ساتھ نکاح کی طرف رغبت دلانے والی ہو۔"

"قرآن مجید میں جہاں عورتوں کو اجنبیوں سے اپنی زینت چھپانے کا حکم ہے، وہاں "الاماظہر منھا" کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ الاماظہر منھا سے کیا مراد ہے اور وہ کون سی اور کس جگہ کی زینت ہے جس کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ "الاماظہر منھا" کے بارے میں سلف صالحین سے یہ اقوال مروی ہیں:

ابن مسعود، ابراہیم نخعی اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے نزدیک زینت ظاہرہ سے مراد وہ کپڑے ہیں، جن میں زینت باطنہ کو چھپایا جاتا ہے۔

ابن عباس، مجاہد، عطاء، ابن عمر، انس، ضحاک، سعید بن جبیر اور زاعی اور ائمہ حنفیہ رضوان اللہ علیہم کے نزدیک اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں اور وہ اسباب زینت بھی اسی استثنا میں داخل ہیں جو چہرے اور ہاتھ میں عادتاً داخل ہیں، مثلاً ہاتھ کی حنا، انگوٹھی اور آنکھوں کا سرمہ وغیرہ۔

امام سعید بن مسیب کے نزدیک صرف چہرہ مستثنیٰ ہے اور ایک قول حضرت حسن بصری سے بھی ان کی تائید میں منقول ہے۔

حضرت عائشہؓ چہرہ چھپانے کی طرف مائل ہیں، ان کے نزدیک زینت ظاہرہ سے مراد ہاتھ اور چوڑیاں،

کنگن اور انگوٹھیاں ہیں۔

مسور بن مخرمہ اور قتادہ ہاتھوں کو ان کی زینت سمیت کھولنے کی اجازت دیتے ہیں۔ مگر چہرے کے بارے میں ان کے اقوال سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ پورے چہرے کے بجائے وہ صرف آنکھیں کھولنے کو جائز رکھتے ہیں۔

بے شک مسلمان عورت کو اس کی تو اجازت ہے کہ وہ ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکل سکے، لیکن اس حالت میں کہ وہ اپنی زینت کو چھپائے ہوئے ہو اور اس کے جسم، لباس، یا زیور کی نمائش نہ ہوتی ہو، بے نقاب کھلے بندوں ضرورت بے ضرورت گھروں سے نکلنا اور شاہراہوں پر اپنے حسن کی نمائش کرتے پھرنا، مسلمان عورت کا شیوا نہیں اور اسلام اس بے حیائی اور عشرۃ فروشی کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ عورت گھر کی چار دیواری میں محبوس ہو کر رہ جائے اور وہ صاف ہوا، سورج کی دھوپ، اور صحت و تندرستی کو قائم رکھنے کے لئے کھلے میدانوں میں چلنے اور سیر کرنے سے محروم رہے۔ مسلمان عورت اپنے محرم کے ساتھ گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ وہ حج کے قصد سے دور دراز کا سفر کر سکتی ہے۔ اگر اس کا شوہر پردیس میں ہو تو وہ وہاں اس کے پاس جا سکتی ہے، لیکن اکیلے نہیں کسی محرم کے ساتھ اور لباس و حجاب کی ضروری قید کے اندر رہ کر۔ وہ عورتوں کے ان اجتماعات میں شریک ہو سکتی ہے، جہاں پردے کا لحاظ رکھا جاتا ہو، وہ تعلیم کی غرض سے زنانہ مدرسوں اور کالجوں میں جا سکتی ہے، لیکن کسی غیر محرم کے سامنے ہونا اور اس سے پڑھنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

یہ ہیں شرعی پردے کی حدود، آپ نے دیکھا کہ اس پردے سے مقصود مسلمان عورت کو عضو معطل بنانا نہیں ہے۔ اسلامی معاشرت میں عورت مرد کی زندگی میں برابر کی شریک ہے، لیکن اپنی حد کے اندر، اسلام کے نزدیک عورت کی عفت و عصمت اور اس کی پاک دامنی اور سب باتوں پر مقدم رکھی گئی ہے، اس لئے اگر کہیں فتنے کا امکان ہو تو اسلام کا حکم یہ ہے کہ مسلمان عورت اس فتنے سے احتراز کو بہتر سمجھے اور اس حالت میں وہ بیرون خانہ کی زندگی کی بجائے اندرون خانہ کی زندگی کو اختیار کرے۔

ستر عورت:...... "ستر" سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جس کا ڈھانکنا شریعت کی رو سے فرض ہے۔ اسلام نے مرد کے جسم کا ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ "ستر" قرار دیا ہے۔ لیکن عورت کا تمام کا تمام جسم چہرے اور ہاتھوں کے سوا "ستر" کے حکم کے اندر آتا ہے۔ یعنی مسلمان عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے سوا ہر مرد سے، اس میں باپ، بھائی اور تمام رشتہ دار مرد شامل ہیں، اپنے جسم کو سوائے چہرے اور ہاتھوں کے چھپائے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل احادیث مروی ہیں:

آپ نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو، جائز نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اس سے (آپ نے اپنی کلائی کے نصف حصے پر ہاتھ رکھا) زیادہ کھولے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے بھتیجے عبداللہ بن طفیل کے سامنے زینت کے ساتھ آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو میرا بھتیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے جسم میں سے کچھ ظاہر کرے، سوائے چہرے کے اور سوائے اس کے، آپ نے اپنی کلائی پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ آپ کی گرفت کے مقام اور ہتھیلی کے درمیان صرف ایک مٹھی بھر جگہ باقی تھی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر ایک مرتبہ آپ کے سامنے ایسا باریک لباس پہن کر آئیں کہ ان کا جسم اس کے اندر سے جھلک رہا تھا۔ آپ نے فوراً نظر پھیر لی اور فرمایا: اے اسماء! عورت جب سن بلوغ کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم میں سے کچھ دیکھا جائے، بجز اس کے۔ آپ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ ایک باریک ڈوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے اسے پھاڑ دیا اور ایک موٹی اوڑھنی ان پر ڈالی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اس طرح چست ہوں کہ سارے جسم کی ہیئت نمایاں ہو جائے۔ (المسوط کتاب الاحسان)

عدم تخلیہ کے احکام:...... ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ مسلمان عورت کو اجازت نہیں کہ وہ بغیر ضروری کام کے گھر سے نکلے اور اگر کسی ضروری کام کے لئے گھر سے نکلنا بھی پڑے تو اس کو چاہئے کہ شرعی پردے کے اندر رہے اور بے نقاب کھلے بندوں اپنے حسن و جسم کی نمائش نہ کرتی پھرے۔ اس کے بعد آپ نے دیکھ لیا کہ شرعی پردے کی حدود کیا ہیں اور ایک مسلمان عورت کو کس قسم کا لباس پہننے اور اپنے جسم کو کس طرح ڈھانکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب ہم تخلیے کے بارے میں اسلام کے جو احکام ہیں، ان کو بیان کرتے ہیں۔

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! عورتوں کے پاس تنہائی میں نہ جاؤ۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تو موت ہے۔ (ترمذی، بخاری، مسلم)

ایک اور حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ شوہروں کی غیر موجودگی میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ، کیونکہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے اندر خون کی طرح جاری و ساری ہے۔ (ترمذی)

حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عورتوں کے پاس ان کے شوہروں کی اجازت کے بغیر جانے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

مسلم کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آج کے بعد کوئی شخص کسی عورت کے پاس اس کے شوہر کی غیبت میں نہ جائے، جب تک اس کے ساتھ ایک دو آدمی اور نہ ہوں۔

اوپر کی احادیث سے آپ پر واضح ہو گیا کہ مسلمان عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے سوا کسی غیر مرد کے پاس تخلیے میں رہے، اسی طرح ایک مسلمان عورت کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ کوئی غیر مرد اسے چھوئے۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ احکام وارد ہوئے ہیں:

آپ نے فرمایا: جو شخص کسی ایسی عورت کا ہاتھ چھوئے گا، جس کے ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو گا، اس کی ہتھیلی پر قیامت کے روز انگارا رکھا جائے گا۔ (تکملہ فتح القدیر)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے صرف زبانی اقرار لے کر بیعت لیا کرتے تھے۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی ایسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا، جو آپ کے نکاح میں نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

امیمہ بن رقیقہ فرماتی ہیں کہ میں چند عورتوں کے ساتھ آپ سے بیعت کرنے حاضر ہوئی۔ آپ نے ہم سے اقرار لیا کہ شرک، چوری، زنا، بہتان تراشی و افترا پردازی اور نبی کی نافرمانی سے احتراز کریں، جب اقرار ہو چکا تو ہم نے عرض کیا کہ تشریف لائیے، تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں، آپ نے فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، صرف زبانی اقرار کافی ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

حجاب، ستر، تخلیے اور چھونے کے بارے میں اوپر جو روایات گزر چکی ہیں، آپ نے دیکھا کہ ان کی مدد سے اسلام نے مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو کس طرح روکا ہے اور اس طرح فتنے کے سرچشمے کو ہمیشہ کے لئے کیسے بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

پردے کے مزعومہ نقصانات:...... وہ لوگ جو عورتوں کی آزادروی اوران کے بے پردہ پھرنے کے حق میں ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ پردے سے عورتوں کو حسب ذیل نقصانات پہنچتے ہیں:

(۱)...... پردے سے عورتوں کی صحت خراب ہوجاتی ہے، اور وہ طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہوتی ہیں، پردے کی وجہ سے عورتوں کا عصبی نظام مختل ہوجاتا ہے اور اس کا اثر ان کی نفسی اور دماغی حالت پر پڑتا ہے۔ اس لئے بے پردگی کے حامیوں کی رائے میں پردہ نشیں عورت باہر نکلنے والی بے پردہ عورت سے نفسانی جذبات اور جنسی خواہشات سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔

(۲)...... پردے کی وجہ سے ایک مرد شادی سے پہلے اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھ نہیں سکتا اور اس لئے اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی بیوی کس طبیعت اور مزاج کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس طرح کی شادیاں عورت مرد کی باہمی ناچاقیوں اور اکثر اوقات طلاق کا باعث بنتی ہیں۔

(۳)...... پردہ عورتوں کی تعلیم وتربیت میں حارج ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو مدرسوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔

پردے کے سر، بے پردگی کے حامیوں کی طرف سے یہ جو الزامات لگائے گئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ان کی سرے سے کوئی بنیاد نہیں ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ گھروں میں بیٹھنے والی پردہ نشیں عورتیں بحیثیت مجموعی بے نقاب پھرنے والی عورتوں سے کمزور ہوتی ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو ان دنوں بڑے بڑے شہروں میں اس کے خلاف معاملہ دیکھا گیا ہے اور اگر بفرض محال ہم یہ مان بھی لیں کہ عورت کا پردہ اس کی بیماری اور کمزوری کا لازمی سبب ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ مسلمان عورتیں جو صدہا سال سے پردہ کرتی آئی ہیں، غیر مسلم عورتوں سے کمزور ہیں، حالانکہ یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ پردہ نشیں عورت بے پردہ عورت کے مقابلے میں نفسانی جذبات اور جنسی خواہشات کی زیادہ شکار ہوتی ہے تو یہ ایک ایسی ان ہونی بات ہے جس کی تردید کرنا بے کار نظر آتا ہے۔ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے مصر کے مشہور عالم علامہ فرید وجدی فرماتے ہیں:

"ہر شخص جانتا ہے کہ انسان میں نفسانی خواہشوں کا اسی وقت زیادہ زور ہوگا، جب کہ وہ ان خواہشوں کو ابھارنے والے اسباب میں گھرا ہوا ہوگا اور ہوا وہوس کا جوش اسی وقت عقل کو مغلوب بنا سکتا ہے، جس وقت کہ انسان کو اپنا مطلب بآسانی میسر آسکے۔ اس لحاظ سے ہم سوال کرتے ہیں کہ انصاف وعقل کی رو سے کوئی ہمیں یہ بتائے کہ نفسانی جذبات کو اشتعال دلانے والے سامان کس عورت کے لئے زیادہ بہم ہوسکتے ہیں۔ پردہ نشیں کے واسطے، یا کھلے بندوں پھرنے والی عورت کے لئے۔ کیا جو عورت پشت در پشت میراث میں چلی آنے والی دینی غیرت کی وجہ سے غیر مردوں کی ہم نشینی سے دور بھاگتی ہے، اس پر شہوت انگیز ذرائع کا اثر پڑے گا، یا اس عورت پر جو بے دھڑک غیر و نامحرم مردوں میں ملی جلی رہتی ہے؟ کیا طبعاً دوسری عورت اس حکم کے لئے موزوں نہیں؟...... جب یہ بات قرار پاچکی ہے تو اب ظاہر ہے کہ ایک محفوظ اور پردہ نشیں عورت نفسانی خواہشوں کی طرف بہت کم مائل ہوگی اور اس کے دماغ میں ایسے خیالات شاذونادر ہی گزریں گے، بخلاف اس کے کھلے بندوں پھرنے والی عورتوں میں یقیناً اس طرح کی خواہشوں کا زور ہوگا۔"

بے پردگی کے حامی کہتے ہیں کہ پردے سے عورتوں کے اعصاب پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا تو یقینی بات تھی کہ یورپ کے مقابلے میں اسلامی مشرق میں عورتوں کی خودکشی کے واقعات زیادہ رونما ہوتے، کیونکہ خودکشی کا سب سے بڑا باعث نظام عصبی کا اختلال ہوتا ہے۔

"ریویو آف ریویوز" جلد ۱۱ میں اٹلی کی سرکاری رپورٹوں سے واضح کیا گیا ہے کہ وہاں ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۳ء تک ۵ سال میں ۵۶۹ عورتوں نے خودکشی کی اور اتنے ہی عرصے میں فرانس کے اندر ۵۸۶۹ عورتوں نے خودکشی کرکے اپنی جان لی۔ یہ تو آج سے سو سال پہلے کی باتیں ہیں، اب جبکہ یورپی عورت پردے سے بالکل نکل چکی ہے اور وہ نئی تہذیب سے آراستہ ہوکر مردوں کے مقابلے میں برسر میدان آچکی ہے۔ یورپ کی حالت یہ ہے کہ ہر سال خودکشی کرنے والیوں کی تعداد بجائے گھٹنے کے اور بڑھتی جارہی ہے۔

دوسرا نقصان پردے کا یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے مرد کے لئے اپنی ہونے والی بیوی کو شادی سے پہلے دیکھنا ممکن نہیں ہوتا اور اس سے ان کی شادی شدہ زندگی آرام سے نہیں کٹتی اور اکثر اوقات ایسی شادیاں طلاق میں ختم ہوتی ہیں، لیکن کیا یہ واقعہ نہیں کہ یہ بات آج اس زمانے میں بے پردہ عورت پر زیادہ صادق آتی ہے۔ ہم بڑی تفصیل سے پہلے بتا آئے ہیں کہ بے پردگی نسواں سے کس طرح طلاق کی تعداد روز افزوں بڑھتی جارہی ہے۔ امریکا کا جج لنڈسے اس ضمن میں اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتا ہے:

"۱۹۲۲ء میں ڈنوز میں ہر شادی کے ساتھ ایک واقعہ تفریق کا پیش آیا اور ہر دو شادیوں کے مقابلے میں ایک مقدمہ طلاق کا پیش ہوا۔ یہ حالت محض ڈنوز کی نہیں ہے۔ امریکا کے تقریباً تمام شہروں کی قریب قریب یہی حالت ہے۔"

یہی جج لنڈسے ایک اور جگہ لکھتا ہے:

"طلاق اور تفریق کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں اور اگر یہی حالت رہی جیسی کہ امید ہے تو عالم ملک کے اکثر حصوں میں جتنے شادی کے لائسنس دیئے جائیں گے اتنے ہی طلاق کے مقدمے پیش ہوں گے۔"

اب رہا یہ الزام کہ پردے کی وجہ سے عورتیں تعلیم حاصل نہیں کرسکتیں، اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ فرید وجدی نے بہت صحیح لکھا ہے:

"یہ اعتراض کہ پردہ، عورتوں کو تہذیب حاصل کرنے اور علم کی تحصیل سے باز رکھتا ہے۔ یہ بھی محض لغو اور بے معنی ہے۔ کیوں کہ ایک لڑکی سات سال کی عمر سے لے کر بارہ سال کی عمر تک برابر مدرسہ میں رہ سکتی اور ان پانچ سال کے عرصے میں اپنی عقل کو بہت اعلیٰ درجے کی تہذیب وسلیقے کے زیور سے آراستہ بنا سکتی ہے۔ نہ قومی خیر خواہوں اور نہ عالی ریفارمروں کے لئے یہ کوئی ناممکن بات ہے کہ وہ تعلیم نسواں کے ایسے اعلیٰ مدارس اور کالج قائم کردیں، جن میں تمام تعلیم وتربیت دینے والی کارکن عورتیں ہی عورتیں ہوں۔ ایسے مدارس اور کالجوں کے اندر لڑکیاں بے نقاب رہ سکتی ہیں، ہاں وہاں جاتے ہوئے یا مدرسہ اور کالج سے نکل کر گھر آتے ہوئے راستے میں اپنا چہرہ نقاب سے چھپا سکتی ہیں۔"

الغرض اوپر کے ان بیانات کی روشنی میں آپ کو اس نتیجے پر پہنچنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوگی کہ ایک مسلمان عورت شرعی پردے کے اندر رہ کر بھی اپنی جسمانی، روحانی، اخلاقی، دماغی، تمدنی، تعلیمی اور اجتماعی ضروریات بحسن وخوبی پیدا کرسکتی ہے اور وہ خدا اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرتے ہوئے نہ صرف "حسنہ فی الاخرۃ" بلکہ "حسنہ فی الدنیا" کی بھی حامل ہوسکتی ہے۔ ہاں شرط صرف جدوجہد اور سعی و عمل کی ہے۔ اگر دل میں عزم ہو اور بازوؤں میں قوت ہو تو آج بھی وہی ایمان پیدا ہوسکتا ہے، جو اسلام کے عہد یداروں کی خواتین عالی مقام میں تھا اور ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں، اسی عزت وسربلندی اور فضل وکمال کے بلند منصب پر پہنچ سکتی ہیں، جو صدیوں تک مسلمان خواتین کا لازمہ زندگی رہا ہے، خدا سے دعا ہے کہ خاتون اسلام اس طرف توجہ کرے اور شاہراہ اسلام پر چل کر دین و دنیا دونوں میں اپنا نام پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

☆......☆......☆

آخری قسط

داستان مجاہد



نسیم حجازی

اردو ادب میں "نسیم حجازی" (۱۹۱۴ء تا ۱۹۹۶ء) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کا شمار بیسویں صدی کے مشہور و ممتاز ناول نگاروں میں ہوتا ہے، آپ کے ناولوں کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ناول مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ پر مبنی ہیں، جنہوں نے اردو خواں طبقے کی کئی نسلوں پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں، آپ صرف تاریخی واقعات کے بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حالات کی ایسی منظر کشی کرتے ہیں کہ قاری خود کو کہانی کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ آپ کے مشہور ناولوں میں داستانِ مجاہد، محمد بن قاسم، قیصر و کسریٰ، قافلہ حجاز، شاہین، خاک و خون وغیرہ ہیں۔ قارئین حیا کی خدمت میں "نسیم حجازی" کا مشہور ناول "داستانِ مجاہد" پیش ہے، جو اسلامی تاریخ کے مختلف داستانوں اور واقعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

جزا اور سزا:..... عبداللہ کو معلوم تھا کہ خلیفہ ابن صادق کی تلاش میں ہر ممکن کوشش کر رہا ہے اور اسے زندہ رکھنا خطرناک ہے، مگر وہ ایسے ذلیل انسان کے خون سے ہاتھ رنگنا بہادر کی شان کے شایان نہ سمجھتا تھا، جب قسطنطنیہ کے راستے میں اس کی فوج نے قونیہ کے مقام پر قیام کیا تو عبداللہ عامل شہر سے ملا اور اس کے سامنے اپنے قیمتی سامان کی حفاظت کے لئے ایک مکان حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی، عامل شہر نے عبداللہ کو ایک پرانا اور غیر آباد مکان دے دیا، عبداللہ نے ابن صادق کو اس مکان کے تہہ خانے میں بند کیا اور برمک اور زیاد کو اس کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔

زیاد کو اپنی زندگی پہلے سے زیادہ دلچسپ نظر آتی تھی، پہلے وہ محض ایک غلام تھا، لیکن اب اسے ایک شخص کے جسم اور جان پر پورا پورا اختیار تھا، وہ جب چاہتا ابن صادق کے ساتھ دل بہلا لیتا، وہ محسوس کرتا تھا کہ ابن صادق اس کے لئے ایک کھلونا ہے اور اس کھلونے کے ساتھ کھیلتے ہوئے اس کا جی کبھی سیر نہ ہوتا، اس کی بے لطف زندگی میں ابن صادق پہلی اور آخری دلچسپی تھی، اسے اس کے ساتھ چڑ تھی یا پیار، بہر صورت وہ ہر روز اسے تھپڑ لگانے، اس کی داڑھی نوچنے اور اس کے منہ پر تھوکنے کے لئے کوئی نہ کوئی موقع ضرور نکال لیتا، برمک اپنی موجودگی میں اسے ان حرکات کی اجازت نہ دیتا، لیکن جب وہ کھانے کی چیزیں لینے کے لئے بازار جاتا تو زیاد اپنا جی خوش کر لیتا۔

عبداللہ کے حکم کے مطابق ابن صادق کو اچھے سے اچھا کھانا دیا جاتا، اس کا یہ بھی حکم تھا کہ ابن صادق کو کوئی تکلیف نہ دی جائے، لیکن زیاد اس حکم کو اتنا ضروری خیال نہ کرتا، اگرچہ زیاد عربی زبان سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا لیکن ابن صادق کے ساتھ وہ ہمیشہ اپنی مادری زبان میں ہی گفتگو کرتا، ابن صادق کو شروع شروع میں دقت ہوئی لیکن چند مہینوں کے بعد وہ زیاد کی باتیں سمجھنے کے قابل ہو گیا۔

ایک دن برمک بازار سے کھانے پینے کی چیزیں لینے گیا، زیاد مکان کے ایک کمرے میں کھڑا کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا کہ اسے اپنا ایک ہم نسل ایک گدھے پر سوار شہر سے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا، وہ دیوہیکل حبشی کے بوجھ سے نحیف گدھے کی کمر دوہری ہو رہی تھی، گدھا چلتے چلتے لیٹ گیا اور حبشی اس پر کوڑے برسانے لگا، گدھا مجبوراً پھر اٹھ کھڑا ہوا اور حبشی اس پر سوار ہو گیا، گدھا تھوڑی دور چل کر پھر بیٹھ گیا اور حبشی پھر کوڑے برسانے لگا، زیاد قہقہہ لگاتا ہوا کمرے سے ایک کوڑا اٹھا کر نیچے اترا اور ابن صادق کے قید خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

ابن صادق زیاد کو دیکھتے ہی حسب معمول داڑھی نچوانے اور کوڑے کھانے کے لئے تیار ہو گیا، لیکن زیاد اس کی توقع کے خلاف کچھ دیر خاموش کھڑا رہا، بالآخر اس نے آگے جھک کر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور ایک چوپائے کی طرح ہاتھ پاؤں کے بل دو تین گز چلنے کے بعد ابن صادق سے کہا۔ "آؤ!"

ابن صادق اس کا مطلب نہ سمجھا، آج کسی نئی دل لگی کے خوف نے اسے بدحواس کر دیا تھا، وہ اتنا گھبرایا کہ اس کی پیشانی پر پسینہ آ گیا۔

زیاد نے پھر کہا: "آؤ مجھ پر سواری کرو!"

ابن صادق جانتا تھا کہ اس کے جائز اور ناجائز احکام کی اندھا دھند تعمیل ہی میں بہتری ہے اور اس کی حکم عدولی کی سزا اس کے لئے ناقابل برداشت ہوگی، اس لئے ڈرتے ڈرتے زیاد کی پیٹھ پر سوار ہو گیا، زیاد نے تہہ خانے کی دیوار کے ساتھ دو تین چکر لگائے اور ابن صادق کو نیچے اتار دیا، اس نے زیاد کو خوش کرنے کے لئے خوشامدانہ لہجے میں کہا: "آپ بہت طاقتور ہیں!"

لیکن زیاد نے اس کے ان الفاظ پر کوئی توجہ نہ دی اور اٹھتے ہی اپنے ہاتھ جھاڑنے کے بعد ابن صادق کو پکڑ کر نیچے جھکاتے ہوئے کہا: "اب میری باری ہے!"

ابن صادق کو معلوم تھا کہ وہ اس بھاری بھرکم دیو کے بوجھ تلے دب کر پس جائے گا۔ لیکن اس نے مجبوراً اپنے آپ کو سپرد تقدیر کر دیا۔

زیاد اپنا کوڑا ہاتھ میں لے کر ابن صادق کی پیٹھ پر سوار ہوا، ابن صادق کی کمر دوہری ہو گئی۔ اس کے لئے اس قدر بوجھ لے کر چلنا ناممکن تھا، وہ بصد مشکل دو تین قدم اٹھانے کے بعد گر پڑا۔ زیاد نے کوڑے برسانے شروع کئے یہاں تک کہ ابن صادق بے ہوش ہو گیا، زیاد نے اسے اٹھایا اور دیوار کا سہارا دے کر بٹھا دیا اور خود بھاگتا ہوا باہر نکل گیا، تھوڑی دیر بعد قید خانے کا دروازہ پھر کھلا اور زیاد ایک طشتری میں چند سیب اور انگور لے کر اندر داخل ہوا، ابن صادق نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں، زیاد نے اپنے ہاتھ سے چند انگور اس کے منہ میں ڈالے۔ اس کے بعد اس نے اپنے خنجر کے ساتھ ایک سیب چیرا اور اس میں سے آدھا ابن صادق کو دیا۔ جب ابن صادق نے اپنا حصہ ختم کر لیا تو زیاد نے اسے ایک اور سیب کاٹ کر دیا۔

ابن صادق کو معلوم تھا کہ زیاد کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ مہربان بھی ہو جایا کرتا ہے، اس لئے اس نے دوسرا سیب ختم کرنے کے بعد خود ہی تیسرا سیب اٹھا لیا، زیاد نے اپنا خنجر سیبوں کے درمیان رکھا ہوا تھا، ابن صادق نے قدرے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے اس کا خنجر اٹھایا اور سیب کا چھلکا اتارنا شروع کیا، زیاد اس کی ہر حرکت کو غور سے دیکھتا رہا، ابن صادق نے خنجر پھر وہیں رکھ دیا اور بولا: "یہ چھلکا نقصان دہ ہوتا ہے!"

"ہوں!" زیاد نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور ایک سیب اٹھا کر خود بھی ابن صادق کی طرح اس کا چھلکا

اتارنے لگا، زیاد کے ہاتھ پر ایک معمولی سا زخم آ گیا، وہ ہاتھ منہ میں ڈال کر چوسنے لگا۔

"لایئے، میں اتار دوں!" ابن صادق نے کہا۔

زیاد نے سر ہلایا اور اپنا سیب اور خنجر اسے دے دیا۔

ابن صادق نے سیب کا چھلکا اتار کر اسے دیا اور پوچھا: "اور کھائیں گے آپ؟"

زیاد نے سر ہلایا اور ابن صادق نے ایک اور سیب اٹھا کر اس کا چھلکا اتارنا شروع کیا، ابن صادق کے ہاتھ میں خنجر تھا اور اس کا دل دھڑک رہا تھا، وہ چاہتا تھا کہ ایک دفعہ قسمت آزمائی کر کے دیکھ لے لیکن اسے یہ خوف تھا کہ زیاد اسے حملہ کرنے سے پہلے دبوچ لے گا، اس نے کچھ سوچ کر اچانک دروازے کی طرف مڑ کر دیکھا اور پریشان سا منہ بنا کر کہا: "کوئی آ رہا ہے!" زیاد نے بھی جلدی سے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا، ابن صادق نے نظر بچاتے ہی چمکتا ہوا خنجر اس کے سینے میں قبضے تک گھونپ دیا اور فوراً کود کر چند قدم پیچھے ہٹ گیا، زیاد غصے سے کانپتا ہوا اٹھا اور دونوں ہاتھ آگے کی طرف بڑھا کر ابن صادق کا گلا دبوچنے کے لئے آگے بڑھا، ابن صادق اس کے مقابلے میں بہت پھرتیلا تھا۔ فوراً بھاگ کر اس کی زد سے باہر نکلا اور تہہ خانے کے دوسرے کونے میں جا کھڑا ہوا، زیاد اس کی طرف بڑھا تو وہ تیسرے کونے میں جا پہنچا، زیاد نے اسے چاروں طرف سے گھیرنا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا۔

زیاد کے قدم لحظہ بہ لحظہ ڈھیلے پڑ رہے تھے، زخم کا خون تمام کپڑوں کو تر کرنے کے بعد زمین پر گر رہا تھا، طاقت جواب دے چکی تھی، وہ سینے کو دونوں ہاتھوں میں دبا کر جھکتے جھکتے زمین پر بیٹھا اور بیٹھتے ہی نیچے لیٹ گیا، ابن صادق ایک کونے میں کھڑا کانپ رہا تھا، جب اسے تسلی ہوئی کہ وہ مر چکا ہے یا بے ہوش ہو گیا ہے تو آگے بڑھ کر اس کی جیب سے چابی نکالی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

برمک ابھی بازار سے نہیں آیا تھا، ابن صادق یہاں سے خلاصی پا کر چند قدم بھاگا لیکن تھوڑی دور جا کر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اسے شہر میں کوئی خطرہ نہیں، اطمینان سے چلنے لگا اور شہر کے لوگوں سے باہر کی دنیا کے حالات معلوم کرنے کے بعد وہ خلیفہ کو اپنی آپ بیتی سنانے کے لئے رملہ روانہ ہو گیا۔

ابن صادق کی رہائی کے چند دن بعد یہ خبر سنی گئی کہ خلیفہ نے عبداللہ کو سپہ سالار کے عہدے سے معزول کر دیا ہے اور وہ پابہ زنجیر رملہ کی طرف لایا جا رہا ہے، ابن صادق کے متعلق یہ خبر مشہور ہوئی کہ اسے اسپین میں مفتی اعظم کا عہدہ دے کر بھیجا جا رہا ہے۔

☆......☆......☆

۹۹ھ میں سلیمان نے فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا، لیکن ابھی فتح کی حسرت پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ دنیا سے چل بسا اور عمرؒ بن عبدالعزیز تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ عمرؒ بن عبدالعزیز عادات وخصائل میں بنو امیہ کے تمام خلفاء سے مختلف تھے، ان کا عہد خلافت اموی دور حکومت کا روشن ترین زمانہ تھا، نئے خلیفہ کا پہلا کام تھا مظلوموں کی داد رسی کرنا تا، بڑے بڑے مجاہدین جو سلیمان بن عبدالملک کے جذبہ حقارت کا شکار ہو کر قید خانے کی تاریک کوٹھڑیوں میں پڑے ہوئے تھے، فوراً رہا کر دیئے گئے، سخت گیر حاکموں کو معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ نیک دل اور عادل حکام بھیجے گئے، عبداللہ کو جو ابھی تک رملہ کے قید خانے میں محبوس تھا، وہاں سے رہا کر کے دربار خلافت میں بلایا گیا۔

عبداللہ نے دربار خلافت میں حاضر ہو کر اپنی رہائی کے لئے شکریہ ادا کیا۔

امیر المومنین نے پوچھا۔ "اب تم کہاں جاؤ گے؟"

"امیر المومنین! مجھے گھر سے نکلے ہوئے بہت دیر ہو گئی ہے، میں اب وہاں جاؤں گا۔"

"میں تمہارے متعلق ایک حکم نافذ کر چکا ہوں۔"

"امیر المومنین! میں خوشی سے آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

عمرؒ ثانی نے ایک کاغذ عبداللہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں خراسان کا گورنر مقرر کر چکا ہوں، تم ایک مہینے کے لئے گھر رہ آؤ، اس کے بعد فوراً خراسان پہنچ جاؤ!"

عبداللہ سلام کر کے چند قدم چلا لیکن پھر رک کر امیر المومنین کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟" امیر المومنین نے سوال کیا۔

"امیر المومنین! میں اپنے بھائی کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں، اسے میں نے دمشق کے قید خانے سے نکالنے کی سازش کی تھی، وہ بے قصور تھا، اگر قصور کچھ تھا تو یہ کہ وہ قتیبہؒ بن مسلم اور محمدؒ بن قاسم کا دست راست تھا اور اس نے دربار خلافت میں حاضر ہو کر امیر المومنین کو قتیبہؒ کے قتل کے ارادے سے منع کیا تھا۔"

عمرؒ ثانی نے پوچھا۔ "تم نعیم بن عبدالرحمٰن کا ذکر کر رہے ہو؟"

"ہاں امیر المومنین! وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔"

"اب وہ کہاں ہے؟"

"اسپین میں، میں نے اسے ابوعبید کے پاس بھیجا تھا لیکن مجھے ڈر ہے کہ پہلے خلیفہ، ابن صادق کو وہاں کا مفتی اعظم بنا کر بھیج چکے ہیں اور وہ نعیم کے خون کا پیاسا ہے۔"

امیر المومنین نے کہا: "ابن صادق کے متعلق میں آج ہی والی اسپین کو یہ حکم لکھ رہا ہوں کہ اسے پابہ زنجیر دمشق بھیجا جائے اور میں تمہارے بھائی کے متعلق بھی خیال رکھوں گا۔"

"امیر المومنین! نعیم کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی ہے اور وہ بھی آپ کی نظر کرم کا مستحق ہے!" امیر المومنین نے کاغذ اٹھا کر والی اسپین کے نام خط لکھا اور ایک سپاہی کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

"اب آپ خوش ہیں، میں نے آپ کے بھائی کو جنوبی پرتگال کا گورنر مقرر کر دیا ہے اور اس کے دوست کو فوج میں اعلیٰ عہدہ دینے کی سفارش کر دی ہے اور ابن صادق کے متعلق بھی لکھ دیا ہے۔"

عبداللہ ادب سے سلام کر کے رخصت ہوا۔

☆......☆......☆

والی اندلس قرطبہ میں مقیم تھا، وہ جنوبی پرتگال میں ایک نئے جرنیل زبیر کی فتوحات کا حال سن کر بہت خوش ہوا، اس نے ابوعبید کے نام خط لکھا اور زبیر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، نعیم قرطبہ پہنچا اور والی اندلس کی خدمت میں حاضر ہوا، والی اندلس نے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا اور اپنے دائیں ہاتھ بٹھا لیا۔

والی اندلس نے کہا: "مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، ابوعبید نے اپنے خط میں آپ کی بہت تعریف کی ہے، چند دن ہوئے مجھے یہ خبر ملی تھی کہ شمال کے پہاڑی لوگوں نے بغاوت کر دی ہے، میں آپ کو ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے بھیجنا چاہتا ہوں، آپ کل تک تیار ہو جائیں گے؟"

"اگر بغاوت ہے تو مجھے آج ہی جانا چاہئے اور بغاوت کی آگ کو پھیلنے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔"

"بہت اچھا، میں ابھی امیر عساکر کو مشورے کے لئے بلاتا ہوں۔"

نعیم اور والی اندلس آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ایک سپاہی نے آ کر کہا۔ "مفتی اعظم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

گورنر نے کہا۔ "انہیں کہو تشریف لے آئیں!"

"آپ شاید ان سے نہیں ملے!" اس نے نعیم کو مخاطب کر کے کہا۔ "انہیں آئے ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ہوا، وہ امیر المومنین کے خاص احباب میں سے معلوم ہوتے ہیں اور مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ وہ اس منصب کے اہل نہیں۔"

"ان کا نام کیا ہے؟"

"ابن صادق۔" گورنر نے جواب دیا۔

نعیم نے چونک کر پوچھا۔ "ابن صادق؟"

"آپ انہیں جانتے ہیں؟"

اتنے میں ابن صادق اندر داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی نعیم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کوئی تازہ مصیبت سر پر کھڑی ہے۔

ابن صادق نے بھی اپنے پرانے حریف کو دیکھا اور ٹھٹک کر رہ گیا۔

"آپ انہیں نہیں جانتے؟" گورنر نے ابن صادق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ان کا نام زبیر ہے اور ہماری فوج کے بہت بہادر سالار ہیں۔"

"خوب!" ابن صادق نے یہ کہہ کر نعیم کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن نعیم نے مصافحہ نہ کیا۔

"شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں، میں آپ کا پرانا دوست ہوں۔" ابن صادق نے کہا۔

نعیم نے ابن صادق کی طرف توجہ نہ کی اور گورنر سے کہا۔ "آپ مجھے اجازت دیں!"

"ٹھہریئے، میں سالار کے نام حکم نامہ لکھ دیتا ہوں، وہ آپ کے ساتھ جتنی فوج درکار ہوگی روانہ کردے گا اور آپ بھی تشریف رکھیں!" اس نے ابن صادق کو ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ابن صادق گورنر کے قریب بیٹھ گیا اور گورنر نے کاغذ پر حکم نامہ لکھ کر نعیم کو دینا چاہا۔

"میں دیکھ سکتا ہوں؟" ابن صادق نے کہا۔

"خوشی سے۔" گورنر نے کہا اور کاغذ ابن صادق کے ہاتھ میں دے دیا۔

ابن صادق نے کاغذ لے کر پڑھا اور گورنر کو واپس دیتے ہوئے کہا۔ "اب اس شخص کی خدمات کی ضرورت نہیں، آپ اس کی جگہ کوئی اور آدمی بھیج دیں!"

گورنر نے حیران ہوکر پوچھا۔ "آپ کو ان کے متعلق کیسا شبہ ہوگیا، یہ تو ہماری فوج کے بہترین سالار ہیں!"

"لیکن آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ امیر المومنین کے بدترین دشمن ہیں اور ان کا نام زبیر نہیں نعیم ہے اور یہ دمشق کے قید خانے سے فرار ہوکر یہاں تشریف لائے ہیں۔"

"کیا یہ سچ ہے؟" گورنر نے پریشان ہوکر سوال کیا۔

نعیم خاموش رہا۔

ابن صادق نے کہا۔ "آپ فوراً اسے گرفتار کرلیں اور آج ہی میری عدالت میں پیش کریں۔"

"میں ایک سالار کو کسی ثبوت کے بغیر گرفتار نہیں کرسکتا، آپ ایک دوسرے کے ساتھ پہلی ہی ملاقات میں اس طرح پیش آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے درمیان کوئی پرانی رنجش ہے اور اس صورت میں اگر یہ مجرم بھی ہوں تو بھی ان کا مقدمہ آپ کے سپرد نہیں کروں گا۔"

"آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ اسپین کے مفتی اعظم سے باتیں کررہے ہیں۔"

"اور آپ کو معلوم ہے کہ میں اسپین کا عامل ہوں۔"

"ٹھیک، لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ میں اسپین کے مفتی اعظم کے علاوہ اور بھی کچھ ہوں۔"

نعیم نے کہا: "یہ نہیں جانتے، میں بتا دیتا ہوں، آپ امیر المومنین کے دوست قتیبہؒ بن مسلم، محمدؒ بن قاسم اور ابن عامرؒ کے قاتل ہیں، ترکستان کی بغاوت آپ کی کرم فرمائی کا نتیجہ تھی اور آپ وہ سفاک انسان ہیں جس نے اپنے بھائی اور بھتیجی کے قتل سے بھی دریغ نہیں کیا، لیکن اس وقت آپ میرے مجرم ہیں۔" یہ کہہ کر نعیم نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ نیام سے تلوار نکالی اور اس کی نوک ابن صادق کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں بہت تلاش کیا لیکن تم نہ ملے، آج قدرت خود ہی تمہیں یہاں لے آئی، تم امیر المومنین کے دوست ہو، انہیں تمہارے اس انجام سے صدمہ تو بہت ہوگا لیکن اسلام کا مستقبل مجھے خلیفہ کی خوشی سے زیادہ عزیز ہے۔"

یہ کہہ کر نعیم نے تلوار اوپر اٹھائی، ابن صادق بید کی طرح کانپ رہا تھا، موت سر پر دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں، نعیم نے یہ حالت دیکھ کر تلوار پیچھے کرلی اور کہا: "اس تلوار سے میں سندھ اور ترکستان کے مغرور شہزادوں کی گردنیں اڑا چکا ہوں، میں اسے تم ایسے ذلیل اور بزدل انسان کے خون سے تر نہیں کروں گا۔" نعیم نے تلوار نیام میں ڈال لی اور کمرے میں کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

ایک فوجی افسر کی مداخلت نے اس سکوت کو توڑا، اس نے آتے ہی والیٔ اسپین کی خدمت میں ایک خط پیش کیا، والیٔ اسپین نے جلدی سے خط کھولا اور دو تین مرتبہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پڑھنے کے بعد نعیم کی طرف دیکھا اور کہا:

"اگر آپ کا نام زبیر نہیں نعیم ہے تو اس خط میں آپ کے متعلق بھی کچھ ارشاد ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے نعیم کی طرف خط بڑھا دیا، نعیم نے خط پڑھنا شروع کیا۔

یہ خط امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے تھا۔

والیٔ اسپین نے تالی بجائی، چند سپاہی نمودار ہوئے۔

"اسے گرفتار کرلو!" اس نے ابن صادق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ابن صادق کو وہم تک بھی نہیں تھا کہ اس کے مقدر کا ستارہ طلوع ہوتے ہی سیاہ بادلوں میں چھپ جائے گا۔

ادھر نعیم جنوبی پرتگال کی طرف گورنر کی حیثیت سے جا رہا تھا اور ادھر چند سپاہی ابن صادق کو پابہ زنجیر دمشق کی طرف لے جا رہے تھے۔

چند دنوں بعد نعیم کو معلوم ہوا کہ ابن صادق نے دمشق پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی زہر کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا ہے۔

نعیم نے عبداللہ کو خط لکھ کر گھر کی خیریت دریافت کی، اس خط کا جواب دیر تک نہ آیا، نعیم انتظار کرتے کرتے تنگ آگیا اور تین مہینے کی رخصت پر بصرہ کی طرف روانہ ہوا، چونکہ نرگس اس کے ہمراہ تھی، اس لئے سفر میں دیر لگ گئی، گھر پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ عبداللہ خراسان جا چکا ہے اور عذرا کو بھی ساتھ لے گیا ہے، نعیم خراسان جانا چاہتا تھا لیکن اسپین کے شمال کی طرف اسلامی افواج کی پیش قدمی کی وجہ سے اسے اپنا ارادہ ملتوی کرکے واپس آنا پڑا۔

☆......☆......☆

آخری فرض:...... وقت دنوں سے مہینوں اور مہینوں سے برسوں میں تبدیل ہوکر گزرتا چلا گیا، نعیم کو جنوبی پرتگال کی گورنری پر فائز ہوئے اٹھارہ سال گزر چکے تھے، اس کی جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہوچکی تھی، نرگس کی عمر بھی چالیس برس سے تجاوز کرچکی تھی لیکن اس کے حسین چہرے کی جاذبیت میں کوئی نمایاں تبدیلی نظر نہ آتی تھی۔

عبداللہ بن نعیم، ان کا بڑا بیٹا اپنی عمر کے پندرہویں برس میں قدم رکھتے ہی اسپین کی فوج میں بھرتی ہوچکا تھا، تین سال کے اندر اندر اس نے اس قدر شہرت حاصل کرلی تھی کہ نرگس اور نعیم اپنے ہونہار لعل پر بجا طور پر فخر کرسکتے تھے، دوسرا بیٹا حسین اپنے بڑے بھائی سے آٹھ سال چھوٹا تھا۔

ایک دن حسین بن نعیم مکان کے صحن میں کھڑا لکڑی کے ایک تختے کو ہدف بنا کر تیر اندازی کی مشق کررہا تھا، نرگس اور نعیم برآمدے میں کھڑے اپنے لخت جگر کو دیکھ رہے تھے، حسین کے چند تیر نشانے پر نہ لگے، نعیم مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور حسین کے پیچھے جاکر کھڑا ہوگیا، حسین نے تیر چڑھا کر باپ کی طرف دیکھا اور ہدف کا نشانہ کیا۔

"بیٹا! تمہارے ہاتھ کانپتے ہیں اور تم گردن اور ذرا بلند رکھتے ہو!"

"ابا! جب آپ میری طرح تھے، آپ کے ہاتھ نہیں کانپا کرتے تھے؟"

"بیٹا! جب میں تمہاری عمر میں تھا تو اڑتے ہوئے پرندوں کو گرا لیا کرتا تھا اور جب میں تم سے چار سال بڑا تھا تو بصرہ کے لڑکوں میں سب سے اچھا تیر انداز مانا جاتا تھا۔"

"اباجان! آپ نشانہ لگا کر دکھیں!"

نعیم نے اس کے ہاتھ سے کمان لے کر تیر چلایا تو وہ ہدف کے عین درمیان میں جا کر لگا۔ اس کے بعد نعیم اسے نشانہ لگانے کا طریقہ سمجھانے لگا، نرگس بھی ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

ایک نوجوان گھوڑا بھگاتا ہوا مکان کے پھاٹک پر آ کر رکا، نوکر نے پھاٹک کھولا، سوار گھوڑا نوکر کے حوالے کر کے بھاگتا ہوا صحن کے اندر داخل ہوا۔

نعیم نے ''عبداللہ'' کہہ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا، نرگس اپنی نگاہ کی ہر جنبش میں ہزاروں دعائیں لئے آگے بڑھی۔ ''بیٹا! تم آ گئے، الحمد للہ!''

نعیم نے سوال کیا۔ ''کیا خبر لائے بیٹا؟''

''ابا جان!'' عبداللہ بن نعیم نے سر جھکا کر غمگین سا چہرہ بناتے ہوئے کہا۔ ''کوئی اچھی خبر نہیں۔ فرانس کے معرکے میں ہمیں سخت نقصان اٹھا کر واپس ہونا پڑا، ہم سرحدی علاقے فتح کرنے کے بعد مزید پیش قدمی کی تیاری کر رہے تھے کہ ہمیں فرانس کی ایک لاکھ فوج کا سامنا کرنا پڑا، ہماری فوج اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہیں تھی، ہمارے سپہ سالار عقبہ نے قرطبہ سے مدد طلب کی لیکن وہاں سے خبر آئی کہ مراکش میں بغاوت ہو گئی ہے، اس لئے فرانس کی طرف زیادہ فوجیں نہیں بھیجی جا سکتیں، ہمیں مجبوراً شاہ فرانس کے مقابلے میں صف آرا ہونا پڑا اور ہماری فوج کے نصف سے زیادہ سپاہی میدان میں کام آئے۔''

''اور اب عقبہ کہاں ہے؟'' نعیم نے سوال کیا۔

''وہ قرطبہ پہنچ چکا ہے اور عنقریب مراکش کی طرف کوچ کرنے والا ہے، بغاوت کی آگ کے شعلے مراکش سے تیونس تک بلند ہو رہے ہیں، بربریوں نے تمام مسلمان حکام قتل کر دیئے ہیں، معلوم ہوا ہے کہ اس بغاوت میں خارجیوں اور رومیوں کا ہاتھ ہے۔''

نعیم نے کہا۔ ''عقبہ ایک بہادر سپاہی ہے لیکن قابل سپہ سالار نہیں، میں نے والیٔ اسپین کو لکھا تھا کہ مجھے فوج میں لیا جائے، لیکن وہ مانے نہیں۔''

''اچھا ابا جان! مجھے اجازت دیجئے۔''

''اجازت! کہاں جاؤ گے؟'' نرگس نے پوچھا۔

''امی جان! میں فقط آپ کو اور ابا جان کو دیکھنے کے لئے آیا تھا، مجھے فوج کے ساتھ مراکش جانا ہے۔''

''اچھا، اللہ تمہاری حفاظت کرے!'' نعیم نے کہا۔

''اچھا امی، خدا حافظ!'' یہ کہہ کر عبداللہ نے حسین کو گلے لگایا اور وہ جس تیزی سے آیا تھا، اسی طرح گھوڑا دوڑاتا ہوا واپس چلا گیا۔

☆......☆......☆

بربریوں کی بغاوت میں مسلمانوں کی ہزاروں جانیں تلف ہوئیں، انہوں نے مسلمان حکام کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

عقبہ مراکش کے ساحل پر اترا اور ۱۲۳ھ میں شام سے کچھ فوجیں اس کی اعانت کے لئے پہنچ گئیں، مراکش میں ایک گھمسان کا معرکہ ہوا، نیم عریاں بربریوں کی افواج چاروں طرف سے ایک سیلاب کی طرح نمودار ہوئیں، ہسپانیہ اور شام کی افواج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن حریف کی لاتعداد فوج کے سامنے پیش نہ گئی، عقبہ اس لڑائی میں شہید ہوا اور مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی، بربریوں نے انہیں گھیر گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا۔

نعیم کا بیٹا عبداللہ دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا بہت دور نکل گیا اور زخمی ہو کر اپنے گھوڑے سے گرنے کو تھا کہ ایک عربی جرنیل نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور میدان جنگ سے باہر ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔

ہسپانیہ اور شام کے لشکر کا قریباً تین چوتھائی حصہ قتل ہو چکا تھا، رہے سہے سپاہی ایک طرف سمٹنے لگے، بربریوں نے انہیں پسپا ہوتے دیکھ کر کئی میل تک تعاقب کیا، شکست خوردہ فوج نے الجزائر میں جا کر دم لیا۔

والیٔ اسپین کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس نے ہسپانیہ کے تمام صوبوں سے نئی فوج فراہم کرنے کی کوشش کی اور اس نئے لشکر کی قیادت کے لئے نعیم کو منتخب کیا، نعیم کو اپنے بیٹے کے خط سے اس کے زخمی ہونے اور ایک عربی مجاہد کے ایثار سے اس کی جان بچ جانے کا حال معلوم ہو چکا تھا، ۱۲۵ھ میں جب بربری تمام شمالی افریقہ میں مظالم برپا کر رہے تھے، نعیم اچانک دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ افریقہ کے ساحل پر اترا، بربری اس کی آمد سے بے خبر تھے، نعیم انہیں شکست پر شکست دیتا ہوا مشرق کی طرف بڑھا۔

ادھر الجزائر سے شکست خوردہ افواج نے پیش قدمی کی اور بربریوں کی دونوں طرف سے سرکوبی ہونے لگی، ایک مہینے میں مراکش میں بغاوت کی آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی، لیکن افریقہ کے شمال مشرق میں ابھی یہ فتنہ کہیں کہیں جاگ رہا تھا، خارجیوں اور بربریوں نے مراکش سے پسپا ہو کر تیونس کو اپنا مرکز بنا لیا تھا، نعیم مراکش کے نظم و نسق میں معروف تھا، اس لئے پیش قدمی نہ کر سکا، اس نے فوج کے چیدہ چیدہ افسروں کو اپنے خیمے میں اکٹھا کیا اور ایک پرجوش تقریر کرتے ہوئے کہا: ''تیونس پر حملہ کرنے کے لئے ایک سرفروش جرنیل کی ضرورت ہے، آپ میں سے کون ہے جو اس خدمت کا ذمہ لے گا۔''

نعیم نے اپنا فقرہ پورا نہ کیا تھا کہ تین جرنیل اٹھ کر کھڑے ہو گئے، ان میں سے ایک اس کا پرانا دوست یوسف تھا، دوسرا اس کا نوجوان بیٹا عبداللہ، تیسرے نوجوان کی شکل عبداللہ سے ملتی جلتی تھی، لیکن نعیم اس سے ناواقف تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' نعیم نے سوال کیا۔

''میرا نام نعیم ہے۔'' نوجوان نے جواب دیا۔

''نعیم بن؟''

''نعیم بن عبداللہ۔'' نوجوان نے جواب دیا۔

''عبداللہ؟ عبداللہ بن عبدالرحمٰن؟'' نعیم نے پوچھا۔

''جی ہاں!''

نعیم نے آگے بڑھ کر نوجوان کو گلے لگا لیا اور کہا۔

''تم مجھے جانتے ہو؟''

''جی ہاں! آپ ہمارے سالار ہیں۔''

''میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں۔'' نعیم نے اس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارا چچا ہوں۔ عبداللہ یہ تمہارا بھائی ہے!''

''ابا جان! انہی نے مراکش کی لڑائی میں میری جان بچائی تھی۔''

''بھائی جان کیسے ہیں؟'' نعیم نے سوال کیا۔

''انہیں شہید ہوئے دو سال ہو گئے ہیں، انہیں ایک خارجی نے قتل کر ڈالا تھا، نعیم کے دل پر ایک چرکا لگا، وہ کچھ دیر خاموش رہا، پھر ہاتھ اٹھا کر دعائے مغفرت کی اور پوچھا۔ ''تمہاری والدہ؟''

''وہ اچھی ہیں۔''

''تمہارے بھائی کتنے ہیں؟''

''ایک بھائی اور چھوٹی ہمشیرہ ہے۔''

نعیم نے باقی افسروں کو رخصت کیا اور ان کے چلے جانے کے بعد اپنی کمر سے تلوار کھول کر نعیم بن عبداللہ کو دیتے ہوئے کہا۔ ''تم اس امانت کے حقدار ہو اور تم یہیں رہو، میں خود تیونس کی طرف جاؤں گا۔''

''چچا جان! آپ مجھے کیوں نہیں بھیجتے؟''

''بیٹا! تم جوان ہو، دنیا کو تمہاری ضرورت پڑے گی، آج سے تم یہاں کی افواج کے سپہ سالار ہو، عبداللہ یہ تمہارے بڑے بھائی ہیں، ان کا حکم دل و جان سے بجا لانا۔''

نعیم بن عبداللہ نے کہا۔ ''چچا جان، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں!''

''کہو بیٹا!''

''آپ گھر نہیں جائیں گے؟''

''بیٹا! تیونس کی مہم کے بعد میں فوراً وہاں جاؤں گا۔''

''چچا جان! آپ ضرور جائیں، امی جان اکثر آپ کا تذکرہ کیا کرتی ہیں، میری چھوٹی بہن اور بھائی بھی آپ کو بہت یاد کیا کرتے ہیں۔''

"انہیں معلوم ہے کہ میں زندہ ہوں؟"

"امی جان کو یقین تھا کہ آپ زندہ ہیں، انہوں نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں مراکش کی مہم کے بعد آپ کو اسپین جا کر تلاش کروں اور آپ سے یہ کہوں کہ آپ چچی کے ہمراہ گھر تشریف لائیں!"

"میں بہت جلد وہاں پہنچ جاؤں گا، عبداللہ تم اندلس جاؤ اور اپنی والدہ کو لے کر بہت جلد گھر پہنچ جاؤ، میں تیونس سے فراغت پاتے ہی آجاؤں گا، میں والی اندلس کو خط لکھ دیتا ہوں، وہ تمہارے لئے بحری سفر کا انتظام کردے گا۔"

☆.....☆.....☆

تیونس میں باغیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے نعیم کو اپنی توقع کے خلاف بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، بربری ایک جگہ سے شکست کھا کر بھاگتے تھے اور دوسری جگہ لوٹ مار شروع کردیتے تھے، نعیم چند مہینوں میں کئی جنگیں لڑنے کے بعد تیونس کی بغاوت فرو کرنے میں کامیاب ہوا، تیونس سے باغی جماعتیں پسپا ہو کر مشرق کی طرف پھیل گئیں، نعیم باغیوں کی سرکوبی کا تہیہ کر کے آگے بڑھتا گیا، تیونس اور قیروان کے درمیان باغی جماعتوں نے کئی بار نعیم کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، قیروان کے قریب آخری جنگ میں نعیم بری طرح زخمی ہوا، وہ بیہوشی کی حالت میں قیروان لایا گیا اور وہاں کے عامل نے اسے اپنے پاس ٹھہرایا اور اس کے علاج کے لئے ایک تجربہ کار طبیب بلا بھیجا، نعیم کو دیر کے بعد ہوش آیا لیکن بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ اسے دن میں کئی بار غش آتا تھا، ایک ہفتے تک نعیم موت وحیات کی کشمکش میں بستر پر پڑا رہا، ان کی یہ حالت دیکھ کر والئی قیروان نے فسطاط، ایک مشہور طبیب کو بلا بھیجا، طبیب نے نعیم کے زخم دیکھ کر انہیں تسلی دی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا، انہیں دیر تک آرام کرنا پڑے گا۔

تین ہفتوں کے بعد نعیم کی حالت میں قدرے افاقہ ہوا اور اس نے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی، طبیب نے کہا۔ "زخم ابھی تک اچھے نہیں ہوئے، سفر میں ان کے دوبارہ پھٹ جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے آپ کم از کم ایک مہینہ اور زیر علاج رہنا چاہئے، مجھے ڈر ہے کہ یہ زخم زہر آلود ہتھیاروں سے لگے ہیں اور ممکن ہے خون کی خرابی سے پھر ایک بار بگڑ جائیں!"

نعیم نے ایک ہفتہ اور صبر کیا لیکن گھر جانے کے لئے اس کی بیقراری میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا، وہ ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے گزار دیتا، جی میں آتی کہ ایک بار اڑ کر اس جنت ارضی میں پہنچ جائے۔

اسے یقین تھا کہ نرگس وہاں پہنچ چکی ہوگی اور عذرا کے ساتھ ریت کے ٹیلوں پر کھڑی اس کی راہ دیکھتی ہوگی، بیس دن اور گزر جانے پر اس کے زخم جو کسی حد تک اچھے ہو چکے تھے، بگڑنے لگے اور ہلکا ہلکا بخار آنے لگا۔ طبیب نے اسے بتایا کہ یہ تمام زہر آلود ہتھیاروں کا ہے، زہر اس کے رگ وریشے میں سرایت کر گیا ہے اسے کافی دیر تک یہاں ٹھہر کر علاج کرنا پڑے گا۔

ایک روز آدھی رات کے قریب نعیم اپنے بستر پر پڑا سوچ رہا تھا کہ وہ گھر پہنچ کر عذرا کو کس حالت میں دیکھے گا، وقت نے اس کے معصوم چہرے پر کیا تغیرات پیدا کر دیئے ہوں گے، اس کی معصوم صورت دیکھنے پر اس کے دل کی کیا کیفیت ہوگی، اسے یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ شاید قدرت کو اب بھی اس کا گھر جانا منظور نہیں، وہ پہلے بھی کئی بار زخمی ہوا تھا لیکن ان زخموں کی کیفیت کچھ اور تھی، اس نے اپنے دل میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ زخم مجھے موت کی آغوش میں لے جائیں۔۔ مجھے نرگس اور عذرا سے بہت کچھ کہنا ہے، اپنے بیٹوں بھتیجوں کو چند وصیتیں کرنی ہیں، مجھے موت کا ڈر نہیں، میں ہمیشہ موت سے کھیلتا رہا ہوں، لیکن یہاں لیٹے لیٹے موت کا انتظار کرنا میرے لئے مناسب نہیں، مجھے عذرا

نے گھر آنے کا پیغام بھیجا ہے.....وہ عذرا جس کی معمولی خوشی کے لئے میں کبھی جان پر کھیل جانا آسان سمجھتا تھا اور اس کے علاوہ نرگس کے دل کی کیا حالت ہوگی؟ میں ضرور جاؤں گا، مجھے کوئی نہیں روک سکتا؟"

نعیم یہ کہتا ہوا بستر سے اٹھ کر بیٹھ گیا، مجاہد کا عزم جسمانی کمزوری پر غالب آنے لگا اور وہ عمل کے ایک بے پناہ جذبے سے بے تاب ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگا، وہ بھول چکا تھا کہ وہ زخمی ہے اور اس کی جسمانی حالت ایک لمبا سفر اختیار کرنے کے قابل نہیں، اس وقت اس کے دماغ میں فقط نرگس، عذرا، عبداللہ کے کمسن بچے اور بستی کے حسین نخلستان کا تصور تھا۔ "میں ضرور جاؤں گا!" یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔

وہ اچانک کمرے میں ٹہلتا رک گیا، اس نے اپنے میزبان کے نوکر کو آواز دی، نوکر بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور نعیم کو بستر پر دیکھنے کی بجائے کمرے میں چکر لگاتا دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، اس نے کہا۔ "طبیب کا حکم ہے کہ آپ چلنے پھرنے سے گریز کریں!"

"تم میرا گھوڑا تیار کرو، جاؤ!"

"آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟"

"تم گھوڑا تیار کرو!"

"لیکن اس وقت؟"

"فوراً!" نعیم نے سختی سے کہا۔

"رات کے وقت آپ کہاں جائیں گے؟"

"تمہیں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کرو۔ فضول سوالات کا جواب میرے پاس نہیں!"

نوکر گھبرا کر کمرے سے باہر نکلا۔

نعیم پھر بستر پر بیٹھ کر خیالات کی دنیا میں کھو گیا۔ تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آیا اور بولا۔ "گھوڑا تیار ہے لیکن.....!"

نعیم نے بات کاٹ کر جواب دیا۔ "تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو میں جانتا ہوں، مجھے ایک ضروری کام ہے، اپنے مالک سے کہنا کہ میں نے اجازت حاصل کرنے کے لئے انہیں رات کے وقت جگانا مناسب خیال نہیں کیا۔"

☆.....☆.....☆

صبح ہونے سے پہلے نعیم قیروان سے کوئی دو منازل آگے جا چکا تھا، اس لمبے سفر میں اس نے یہ احتیاط ضرور برتی کہ گھوڑے کو تیز نہ کیا اور تھوڑی تھوڑی منازل کے بعد آرام کرتا تھا، فسطاط پہنچ کر اس نے دو دن قیام کیا، وہاں کے گورنر نے پہلے تو نعیم کو اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے اصرار کیا، لیکن جب نعیم کسی صورت میں بھی رضا مند نہ ہوا تو اس نے راستے کی تمام چوکیوں کو اس کی آمد سے مطلع کرتے ہوئے اس کے لئے ہر ممکن سہولت مہیا کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

نعیم جوں جوں منزل مقصود کے نزدیک پہنچ رہا تھا اسے اپنی جسمانی تکلیف میں افاقہ محسوس ہو رہا تھا، کئی دنوں کے بعد ایک شام ایک صحرائی خطے میں سے گزر رہا تھا، اس کی بستی فقط چند کوس کے فاصلے پر تھی، ہر نئے قدم پر نئی امنگیں پیدا ہو رہی، اس کا دل مسرت کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا، اچانک اسے افق مغرب پر ایک غبار سا اٹھتا ہوا دکھائی دیا، ایک ساعت کے اندر اندر یہ غبار چاروں طرف پھیل گیا اور فضا میں تاریکی چھا گئی، نعیم ریگستان کے طوفانوں سے اچھی طرح واقف تھا، وہ طوفان کی مصیبت میں مبتلا ہونے سے پہلے گھر پہنچ جانا چاہتا تھا، اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی اور ہوا کا پہلا جھونکا محسوس کرتے ہی اسے سرپٹ چھوڑ دیا، ہوا کی تیزی اور فضا کی تاریکی بڑھتی گئی، گھوڑا بھگانے کی وجہ سے نعیم کے سینے کے زخم پھٹ گئے اور خون بہنے لگا، اس نے اس حالت میں کوئی دو کوس فاصلہ طے کیا ہوگا کہ طوفان نے اسے پوری طاقت کے ساتھ آگھیرا، چاروں طرف سے جھلستی ہوئی ریت برسنے لگی، گھوڑا آگے بڑھنے کا راستہ نہ پا کر رک گیا، نعیم مجبوراً گھوڑے سے اترا اور ہوا کے مخالف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا، گھوڑا بھی اپنے

مالک کی طرح سر نیچا کئے کھڑا تھا، نعیم نے اپنے چہرے کو جھلستی ہوئی ریت سے بچانے کے لئے نقاب اوڑھ لیا، کانٹے دار جھاڑیاں ہوا میں اڑتی ہوئی آتیں اور اس کے جسم میں کانٹے پیوست کرتی ہوئی گزر جاتیں، نعیم ایک ہاتھ سے گھوڑے کی باگ تھامے، دوسرے ہاتھ سے اپنے دامن سے چمٹی ہوئی خاردار ٹہنیوں کو جدا کر رہا تھا، گھوڑے کی باگ پر اس کے ہاتھ کی گرفت قدرے ڈھیلی تھی، ببول کی ایک خشک ٹہنی اڑتی ہوئی گھوڑے کی پیٹھ پر زور سے آ کر لگی، گھوڑے نے بدحواس ہو کر ایک جست لگائی اور نعیم کے ہاتھ سے باگ چھڑا کر کچھ دور جا کر کھڑا ہوا، ایک اور ٹہنی گھوڑے کے کانوں میں کانٹے پیوست کرتی ہوئی گزر گئی اور وہ بدحواس ہو کر ایک طرف بھاگ نکلا، نعیم دیر تک اسی جگہ بے بسی کی حالت میں کھڑا رہا، سینے کا زخم پھٹ جانے سے خون کے قطرے آہستہ آہستہ بہہ کر اس کے گریبان کو تر کر رہے تھے اور اس کی جسمانی طاقت لحظہ بہ لحظہ جواب دے رہی تھی، وہ مجبوراً ریت پر بیٹھ گیا، کبھی کبھی وہ ریت کے اس بے پناہ سیلاب میں دب جانے کے خوف سے اٹھ کر کپڑے جھاڑتا اور پھر بیٹھ جاتا، کچھ دیر بعد رات کی سیاہی طوفان کی تاریکی میں اضافہ کرنے لگی، ایک پہر سے زیادہ رات گزر جانے پر ہوا کا زور ختم ہوا، آہستہ آہستہ مطلع صاف ہو گیا اور آسمان پر جگمگاتے ہوئے ستارے نظر آنے لگے۔

نعیم اپنی بستی سے آٹھ کوس دور تھا، اس کا گھوڑا ہاتھ سے جا چکا تھا اور ٹانگوں میں چلنے کی طاقت نہ تھی، وہ پیاس محسوس کر رہا تھا، اسے خیال گزرا کہ اگر صبح ہونے سے پہلے وہ ریت کے اس سمندر کو عبور کر کے محفوظ مقام پر نہ پہنچ گیا تو دن کی دھوپ میں اسے تڑپ تڑپ کر جان دینی پڑے گی۔

وہ ستاروں کی سمت کا اندازہ لگاتے ہوئے پیدل چل دیا، ایک کوس چلنے کے بعد اس کی طاقت نے جواب دے دیا اور وہ مایوس ہو کر ریت پر لیٹ گیا، منزل سے اتنا قریب آ کر ہمت ہار دینا مجاہد کے عزم و استقلال کے منافی تھا، وہ ایک بار پھر لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور منزل مقصود کی طرف قدم اٹھانے لگا، ریت میں گھٹنوں تک اس کے پاؤں دھنسے جا رہے تھے، وہ چلتے چلتے تین بار گرا، لیکن پھر اسی عزم کے ساتھ اٹھا اور آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا، پیاس کی شدت سے اس کا گلا خشک ہو رہا تھا اور کمزوری سے اس کی آنکھوں کے سامنے سیاہی طاری ہو رہی تھی، سر چکرا رہا تھا، بستی ابھی چار کوس دور تھی، اسے معلوم تھا کہ بستی کی طرف جانے والی ندی یہاں سے قریب ہے، اس نے ڈگمگاتے، گرتے اور سنبھلتے ایک کوس اور طے کیا تو ایک چھوٹی سی ندی دکھائی دی۔

ندی کا پانی طوفان کے گرد و غبار سے گدلا ہو رہا تھا اور سطح پر جھاڑیوں کی بیشمار ٹہنیاں تیر رہی تھیں، نعیم نے جی بھر کر ندی سے پانی پیا، کچھ دیر ندی کے کنارے لیٹنے کے بعد دل کو کچھ تقویت محسوس ہوئی اور وہ اٹھ کر چل دیا۔

ندی کو عبور کرتے ہی بستی کے اردگرد نخلستان دکھائی دینے لگے، نعیم کے دل سے تھکاوٹ اور جسمانی کمزوری کا احساس کم ہونے لگا اور ہر قدم پر اس کی رفتار زیادہ ہونے لگی، چند ساعتوں کے بعد وہ ریت کے اس ٹیلے کو عبور کر رہا تھا جس پر بچپن میں وہ اور عذرا کھیلا کرتے تھے اور ریت کے چھوٹے چھوٹے گھر تعمیر کیا کرتے تھے، اس کے بعد وہ کھجور کے بلند درختوں میں سے گزرتا ہوا اپنے مکان کی طرف بڑھا، دروازے پر کچھ دیر دھڑکتے ہوئے دل کو دبائے کھڑا رہا، بالآخر اس نے ہمت کر کے دروازہ کھٹکھٹایا، گھر والے ایک دوسرے کو جگانے لگے، ایک نوجوان لڑکی نے آ کر دروازہ کھولا، نعیم نوجوان لڑکی کو متحیر ہو کر دیکھنے لگا، اس کی شکل ہو بہو عذرا جیسی تھی، لڑکی نعیم کو دیکھ کر کچھ کہے بغیر واپس اندر چلی گئی، تھوڑی دیر بعد اس کا بیٹا عبداللہ اور نرگس نعیم کے استقبال کے لئے آ موجود ہوئے، عذرا، عبداللہ اور نرگس کے پیچھے جھجکتی ہوئی آ رہی تھی۔

نعیم نے چاند کی روشنی میں دیکھا کہ کائنات حسن کی ملکہ کا شباب اگرچہ گردش ایام کی نذر ہو چکا تھا لیکن ابھی اس کے پژمردہ چہرے پر ایک غیر معمولی رعب اور وقار کی جھلک باقی تھی۔

''بہن!'' نعیم نے ایک دردناک لہجے میں کہا۔

''بھائی!'' عذرا نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

نرگس نے آگے بڑھ کر غور سے نعیم کو دیکھا اور اس کی قمیص پر خون کے نشان دیکھ کر گھبرا گئی اور کہا۔ ''آپ زخمی ہیں؟''

''زخمی!'' عذرا نے خوف زدہ چہرہ بنا کر کہا۔

وہ جسمانی طاقت جسے نعیم نے محض اپنے عزم کی بدولت ابھی تک قائم رکھا ہوا تھا، یکلخت جواب دے گئی۔

اس نے کہا۔ ''عبداللہ! بیٹا، مجھے سہارا دو بیٹا!''

عبداللہ اسے سہارا دے کر اندر لے گیا۔

صبح کے وقت نعیم بستر پر لیٹا ہوا تھا، نرگس، عذرا، عبداللہ بن نعیم، حسین بن نعیم، خالد عذرا کا چھوٹا لڑکا اور آمنہ عذرا کی لڑکی اس کے گرد کھڑے تھے، نعیم نے آنکھیں کھولیں، سب پر نگاہ دوڑائی اور اشارے سے خالد اور آمنہ کو بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

''بیٹا تمہارا نام کیا ہے؟''

''خالد، چچا جان۔''

''اور تمہارا؟'' لڑکی کی طرف دیکھ کر نعیم نے سوال کیا۔

''آمنہ۔'' اس نے جواب دیا۔

خالد کی عمر سترہ سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی اور آمنہ اپنی شکل و شباہت سے چودہ پندرہ برس کی معلوم ہوتی تھی۔

نعیم نے خالد کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''بیٹا! مجھے قرآن سناؤ!''

خالد نے اپنی شیریں آواز میں سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کی۔

دوسرے دن پھٹے ہوئے زخم زیادہ تکلیف دینے لگے اور نعیم کو سخت بخار ہو گیا، سینے کے زخم سے خون برابر جاری تھا، خون کی کمی کی وجہ سے اسے غش پہ غش آنے لگے، ایک ہفتے تک اس کی یہی حالت رہی، عبداللہ بصرہ سے ایک طبیب لے آیا، وہ مرہم پٹی کر کے چلا گیا مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

ایک دن نعیم نے خالد سے پوچھا۔ ''بیٹا! تم ابھی تک جہاد پر نہیں گئے؟''

''چچا جان! میں رخصت پر آیا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور اب جانے والا تھا کہ......!''

''تم جانے والے تھے تو گئے کیوں نہیں؟''

''چچا جان! آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر......''

''بیٹا! جہاد کے لئے ایک مسلمان کو دنیا کی عزیز ترین چیزوں سے جدا ہونا پڑتا ہے، تم میری فکر نہ کرو، اپنا فرض پورا کرو! تمہاری والدہ نے تمہیں یہ سبق نہیں دیا کہ جہاد مسلمان کا سب سے اہم فرض ہے؟''

''چچا جان! امی جان ہمیں بچپن ہی سے یہ سبق دیتی رہی ہیں، میں صرف چند دن آپ کی تیمارداری کے لئے ٹھہر گیا تھا، مجھے ڈر تھا کہ اگر میں آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر چلا گیا تو آپ شاید خفا ہو جائیں گے۔''

''میری خوشی اسی بات میں ہے جس میں میرے مولیٰ کی خوشی ہو۔ جاؤ عبداللہ کو بلا لاؤ!''

خالد دوسرے کمرے سے عبداللہ کو بلا لایا۔

نعیم نے سوال کیا۔ ''بیٹا تمہاری رخصت ابھی ختم نہیں ہوئی؟''

''ابا جان! میری رخصت ختم ہوئے پانچ دن ہو چکے ہیں۔''

''تم گئے کیوں نہیں بیٹا؟''

''ابا جان! میں آپ کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔''

نعیم نے کہا۔ خدا اور خدا کے رسولؐ کے حکم کے بعد تمہیں کسی کے حکم کی ضرورت نہیں بیٹا! جاؤ!''

''ابا جان! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

"میں اچھا ہوں بیٹا!" نعیم نے اپنے چہرے کو بشاش بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تم جاؤ!"

"ابا جان! ہم تیار ہیں۔"

☆......☆......☆

خالد اور عبداللہ اپنے اپنے گھوڑوں پر زین ڈال رہے تھے، دونوں کی مائیں ان کے قریب کھڑی تھیں، نعیم نے اپنے بھتیجے اور بیٹے کو جہاد پر رخصت ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے اپنے کمرے کا دروازہ کھلا رکھنے کا حکم دیا، وہ بستر پر لیٹے لیٹے صحن کی طرف دیکھ رہا تھا آمنہ نے پہلے اپنے بھائی خالد اور پھر شرماتے ہوئے عبداللہ کی کمر میں تلوار باندھ دی، نعیم نے اٹھ کر کمرے سے باہر نکلنا چاہا لیکن دو تین قدم چلنے کے بعد چکرآیا اور گر پڑا، عبداللہ اور خالد اسے اٹھانے کے لئے بھاگے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی نعیم اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

اس نے کہا۔ "میں ٹھیک ہوں، مجھے پانی لادو!"

آمنہ نے پانی کا پیالہ لا کر دیا، نعیم پانی پی کر صحن میں آکھڑا ہوا۔

"بیٹا! میں تمہیں گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں، تم جلدی سے سوار ہو جاؤ!" خالد اور عبداللہ سوار ہو کر گھر کے احاطے سے باہر نکلے، نعیم بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا مکان سے باہر نکل آیا۔

نرگس نے کہا۔ "آپ آرام کریں، آپ کے لئے بستر سے اٹھنا مناسب نہیں۔"

نعیم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "نرگس! میں اچھا ہوں، فکر مت کرو۔"

نخلستان سے باہر نکل کر خالد اور عبداللہ نے خدا حافظ کہہ کر گھوڑوں کو سرپٹ چھوڑ دیا، نعیم انہیں دیکھنے کے لئے ریت کے ٹیلے پر چڑھا، نرگس اور عذرا نے اسے منع کیا لیکن نعیم نے پروانہ کی، اس لئے وہ بھی نعیم کے ساتھ ٹیلے پر چڑھ گئیں، جب تک کم سن مجاہدوں کی آخری جھلک نظر آتی رہی نعیم وہیں کھڑا رہا اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے تو زمین پر بیٹھ کر سر بسجود ہوگیا جب نعیم کو سر بسجود ہوئے بہت دیر ہوگئی تو عذرا گھبرا کر اس کے قریب آئی اور سہمی ہوئی آواز میں اسے بھائی کہہ کر پکارا، جب نعیم نے اس کی آواز پر سر اوپر نہ اٹھایا نرگس نے خوف زدہ ہو کر نعیم کے بازو پکڑ کر ہلایا۔ نعیم کے جسم نے حرکت نہ کی، نرگس نے اس کا سر اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور بے اختیار ہو کر کہا:

میرا آقا! میرے آقا!" عذرا نے نبض دیکھ آمنہ سے کہا۔ "بیٹی! یہ بیہوش ہیں، بھاگو جلدی سے پانی لاؤ" آمنہ بھاگ کر گئی اور تھوڑی دیر میں گھڑے سے پانی کا ایک پیالہ بھر لائی، عذرا نے نعیم کے منہ پر پانی چھڑکا، نعیم نے ہوش میں آکر آنکھیں کھول دیں اور پیالہ منہ سے لگالیا۔

عذرا نے کہا۔ "حسین بیٹا! جاؤ اور بستی سے چند آدمیوں کو بلا لاؤ تاکہ انہیں گھر لے چلیں۔"

نعیم نے کہا۔ "نہیں نہیں، ٹھہرو، میں چل سکوں گا۔"

نعیم نے اٹھنا چاہا لیکن اٹھ نہ سکا اور دل پر ہاتھ رکھ کر پھر لیٹ گیا۔

"میرے آقا! میرے مالک!" نرگس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

نعیم نے نرگس کے چہرے سے آنکھیں ہٹا کر عذرا آمنہ اور حسین کی طرف دیکھا، ان سب کی آنکھوں آنسو چھلک رہے تھے، اس نے نحیف آواز میں کہا:

"حسین بیٹا! تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے، مجاہدوں کے بیٹے اس زمین آنسو نہیں بلکہ خون بہایا کرتے ہیں، نرگس! تم بھی ضبط سے کام لو، عذرا! میرے لئے دعا کرنا۔"

زندگی کی ناؤ موت کے طوفان کی موجوں میں ہچکولے کھا رہی تھی، نعیم کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد نہایت کمزور آواز میں چند مبہم الفاظ کہہ کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔

(ختم شد)

تربیت یا غفلت؟

صبا یونس



ہاں بیٹا بات تو خاص ہے، انہوں نے بھی پیار سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا، سودہ چپ رہی کہ وہ خاص سننے کی منتظر تھی۔

بیٹا وہ تمہاری سہیلی ہے ناں مریم، آسیہ صاحبہ نے بات شروع کی تو سودہ جو آنکھیں بند کر کے ان کی بات کی منتظر تھی، اس بات پر فوراً آنکھیں کھول دیں۔

جی تو کیا ہوا اس کو، آسیہ صاحبہ لمحے بھر کو خاموش ہوئیں تو سودہ نے بے صبری سے پوچھا، پچھلے دنوں اس کی والدہ کی طبیعت کافی ناساز رہی تھی، سودہ کا دھیان فوراً ان کی جانب مبذول ہوا تھا، سو بے صبری کا مظاہرہ کر بیٹھی۔

نہیں، بیٹا کچھ نہیں ہوا اس کو، آسیہ صاحبہ نے اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے پہلے اس کے شک کی تردید کی، پھر کہا کہ سودہ میں سوچ رہی تھی کہ مریم کو تمہاری بھابی بنالوں، بالآخر آسیہ صاحبہ نے دل کی آواز کو لبوں سے آزاد کر ہی دیا۔

کیا واقعی امی جی! سودہ بے ساختہ آسیہ صاحبہ کے گلے لگ گئی، ہاں، میں سچ کہہ رہی ہوں باعمل ہونے کے لئے عالمہ ہونا تو ضروری نہیں ہے، وہ بچی مجھے پہلی نظر میں ہی بھا گئی ہے اور اس کا معصوم چہرہ دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ آج کل کی لڑکیوں کی طرح بے باک و بے حیا نہیں ہے، اگر پہلے کبھی وہ ایسی تھی بھی تو ہمیں اس سے کیا لینا دینا، اب تو وہ دین کی طرف متوجہ ہو رہی ہے، عبدالرحمٰن نے تو عالمہ وغیرہ ہونے کی کوئی شرط نہیں رکھی تھی، مگر میری پھر بھی خواہش تھی کہ میرا بیٹا عالم ہے تو بہو بھی عالمہ ہو، پھر مریم کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ میری سوچ غلط تھی، ہم لوگ خود ہی مفروضے قائم کرتے ہیں، پھر خود ہی معاملات کو، اعمال کو طبیعت کے ساتھ خاص کر دیتے ہیں، ان شاء اللہ عبدالرحمٰن کے ساتھ وہ جماعت میں وقت لگائے گی تو آہستہ آہستہ اس میں پختگی آجائے گی، پھر میں نے سوچا کہ عبدالرحمٰن کو کہوں گی کہ کم از کم اپنی بیوی کو ترجمہ تفسیر اور ضروری مسائل خود پڑھا دے، تاکہ اس کو خود بھی آسانی رہے، آسیہ صاحبہ نے ساری تفصیل سودہ کے گوش گزار کی، ابو مان جائیں گے امی، وہ لوگ نہ ہماری برادری کے ہیں اور نہ برابری کے، ویسے تو میری کبھی ابو سے اس طرح کے موضوعات پر بات نہیں ہوئی، پھر بھی ابو شاید برادری ذات پات کو اہمیت دیں، پھر مریم کا نہ کوئی بھائی ہے، نہ ابو ہیں،

سودہ کی بات سن کر آسیہ صاحبہ پہلے مسکرائیں پھر کہا کہ بیٹا، میں تمہارے ابو سے بات کر چکی ہوں، ان کی رضا مندی کے بعد ہی تم سے بات کی ہے، وگرنہ بصورت دیگر تم پتہ نہیں اپنی سہیلی کے حوالے سے کیا کیا سوچ لیتیں، تم اگر انکار بعد میں سنتیں تو دکھ زیادہ ہوتا اور یاد رکھنا کہ تمہارے ابو ایسے نہیں ہیں، ویسے اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شریعت نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ شادی کرتے وقت لڑکے اور لڑکی کی مالی حیثیت کو سامنے رکھا جائے، کیونکہ اس بات سے آئندہ کی زندگی متاثر ہونے کا خدشہ ہے، لڑکی اگر بہت مالدار گھر سے ہے اور لڑکا درمیانے تو وہ لڑکی کو اس طرح آسودگی نہیں دے سکے گا، جو لڑکی کو اپنے باپ کے گھر میسر تھی، پھر حالات بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے، خیر یہ تو بات برائے بات تھی، تمہارے ابو نے تو یہ کہا تھا کہ وہ لڑکی ہماری بہو بننے کی زیادہ حقدار ہے، کیونکہ آج ہمارا معاشرہ ایسے گھرانوں کے ساتھ ایسا سفاک رویہ روا رکھتا ہے کہ ہماری ایسی بیٹیاں جن کے باپ بھائی نہیں ہوتے، زندگی سے زیادہ موت کو ترجیح دیتی ہیں۔

مجھے فخر ہے امی کہ اللہ رب العزت نے مجھے آپ کی بیٹی بنایا یعنی ابو اور آپ کی، ایسے مثالی والدین ہیں میرے کہ شکر ادا کرتے ہوئے میری آنکھیں بھی نم ہوجاتی ہیں، اگر آپ لوگ ہماری تربیت اس نہج پر نہ کرتے تو آج میں بھی مریم کی طرح اپنے والدین کو ہی قصور وار گردانتی کہ آخر میرا کیا قصور تھا کہ میرے والدین نے مجھے دنیاوی لحاظ سے بہتر بنانے میں کوئی کمی نہ چھوڑی، مگر آخرت کی طرف لمحہ بھر کے لئے بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھا، احساس تشکر سے سودہ کی آواز بھر آگئی، بس بیٹا، آسیہ صاحبہ نے سودہ کا سر اپنے سینے میں چھپالیا، یہ سب اللہ رب العزت کا کرم ہے، انہوں نے پیار سے اس کے سر پر بوسہ دیا، اب تم آرام کرو، پھر عصر کی نماز کے لئے بھی اٹھنا ہے، آسیہ صاحبہ نے اس کو خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

پھر امی ان کے گھر کب چلیں گے، آسیہ صاحبہ جانے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھیں تو سودہ نے پوچھا، بہت جلد ان شاء اللہ، میری سوچ تو یہی تھی کہ پہلے تمہاری کہیں بات پکی ہوجاتی، پھر عبدالرحمٰن کا کچھ کرتے، مگر اللہ نے ایسے ہی لکھا تھا شاید، آسیہ صاحبہ نے کچھ افسوس مگر نرمی سے کہا۔ بس امی اسی میں بہتری ہوگی، دو تین دن بعد جمعہ ہے، جمعہ کو چلیں گے، سودہ کی خوشی دیدنی تھی، اس نے، مریم کے اندر چھپا دل جو بہت نازک اور حساس تھا، اس کو دیکھا تھا، مریم یقیناً اللہ کے منتخب بندوں میں سے تھی ورنہ حق بات سننے تو بہت لوگ ہیں، مگر لینے بہت کم ہیں، انہی بہت کم لوگوں میں مریم بھی شامل تھی، سودہ کی نیند اب ہوا ہوچکی تھی اور وہ مسلسل مریم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

مریم میں میڈم کے پاس جارہی ہوں، تم دعا کرنا کہ اللہ عافیت کے ساتھ معاملہ حل کروادیں، سودہ نے بریک میں پوائنٹس ڈسکس کرنے کے بعد کہا، ابھی بریک کا وقت ختم ہونے میں دس منٹ باقی تھے، مگر سودہ تم خواہ مخواہ میڈم کے پاس جارہی ہو، تم جانتی نہیں ہو کہ وہ اپنے اصول سے ایک انچ بھی نہیں ہٹیں گی، مریم نے سودہ کو روکنا چاہا تھا، مریم اللہ پر بھروسہ رکھو، ان شاء اللہ تعالیٰ میں کامیاب واپس آؤں گی، کیونکہ میں نے ایسی بارگاہ میں اپنی درخواست عرض کی ہے، جہاں مانگنے والوں کو خالی نہیں لوٹایا جاتا، پھر مانگنا بھی وہ جو اس کے نبی محبوب کا طریقہ ہو، اب تم بس دعا کرو، میں جارہی ہوں، اللہ پاک میڈیم کا دل نرم فرمادینا، اس لڑکی نے آج تک میڈم کا غصہ نہیں دیکھا ہے، آپ ہی اس کی مدد کرنا، مریم نے سودہ کو جاتے ہوئے دیکھتے ہوئے صدق دل سے دعا کی تھی۔

آئیے، مس سودہ، آئیے، تشریف رکھئے، آپ نے ہی شکر کہ ہمیں شرف ملاقات بخشا، سودہ نے میڈم کے گھر کے دروازے کو آہستہ سے ناک کرکے اندر جھانکا تو ابھی وہ اندر آنے کی اجازت طلب کرتی، مگر اس سے پہلے ہی میڈم نے اپنی کرسی ذرا پیچھے دھکیل کر مکمل طور پر سودہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بہت ہی نرم لہجے و خوش اخلاقی سے اس کو اندر بلایا۔

سودہ مسکراتے ہوئے، مگر بہت اعتماد سے دفتر میں داخل ہوئی۔

چائے لوگی یا بوتل...... میڈم نے سودہ کے پرسکون و پراعتماد چہرے کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

چائے مناسب رہے گی، سودہ نے بھی ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور ایزی ہوکر بیٹھ گئی۔

ویسے تو میڈم یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اتنی عزت کے قابل سمجھا، آپ کا جزاک اللہ، مگر اس وقت میں آپ کی خدمت میں ایک بہت اہم مسئلے کے لئے حاضر ہوئی ہوں، امید ہے کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں گی، سودہ نے بہت ہی پراعتماد اور نرم لہجے میں بات کا آغاز کیا۔

اگر تو میں آپ کا مسئلہ حل کرسکتی ہوں، تو ضرور کروں گی، یقیناً آپ بچوں کے متعلق ہی کوئی بات کریں گی، مس سودہ آپ نے دو ماہ میں جو نمایاں کارکردگی ظاہر کی ہے، میں اس پر حیران ہوں، ان دو ماہ میں ہفتہ وار ٹیسٹ کا رزلٹ ۸۰ فیصد سے نیچے نہیں آیا، آپ کی کلاس کا اور یہ وہی کلاس ہے جس میں دو، تین بچوں کے علاوہ کوئی بھی نمایاں نمبر حاصل نہیں کرتا تھا، تمام سیکشنز میں ان دو ماہ میں آپ کی کلاس سب سے آگے ہے، کیا آپ بچوں کو اسکول میں ہی خود یاد کرواتی ہیں، میڈم نے خوشی کے ساتھ حیرانی کا اظہار کرکے پوچھا تھا اور مجھے حیرت ہے کہ آپ کی کلاس کا کوئی بچہ دیر سے آنے والے بچوں میں نہیں ہوتا اور غیر حاضری بھی نہ ہونے کے برابر ہے، آخر آپ نے کس طرح اس کلاس کو کنٹرول کیا، حالانکہ آپ سے پہلے جو ٹیچر اس کلاس کی انچارج تھی، وہ بہت سختی سے پڑھاتی تھیں، پھر بھی اس کلاس کا رزلٹ کبھی بھی ایسا نہیں رہا، اس سے پہلے سودہ کچھ بولتی، میڈم نے مزید حیرت کا اظہار کردیا۔

میڈم دراصل میں اسی سلسلے میں حاضر خدمت ہوئی ہوں، سودہ نے اپنی اتنی تعریف پر شکریہ تک بھی نہیں کہا اور میڈم کی حیرانی کو کم کرنے کی غرض سے بولی، وہی نرم پر اعتماد انداز کہ سامنے والا خود کو سننے پر مجبور محسوس کرے۔

میڈم ہمہ تن گوش ہوئیں، میڈم اس سب پر جو آپ نے میری تعریف کی ہے، میرا کوئی کمال نہیں ہے، یہ تو اللہ رب العزت کی مدد ہے، وہ مدد جو ننھے ننھے ہاتھ اس کی بارگاہ میں اٹھا کر مانگی جاتی ہے، شاید آپ کو برا لگے کہ میں نے ان دو ماہ میں آپ کے اصولوں سے ہٹ کر اپنی کلاس کو پڑھایا ہے، مگر وہ بالکل بھی ایسا طریقہ نہیں کہ اس کو نگاہ غلط سے دیکھا جائے، میڈم اولاً تو یہی کہ آپ نے ابھی خود اعتراف کیا کہ مجھ سے پہلے جو ٹیچر پڑھا رہی تھیں، وہ بہت سخت تھیں تو پہلی بات یہی عرض کروں گی کہ پڑھاتے وقت بچوں پر بے جا سختی، چہرے پر بہت سخت تاثر، بچے کی صلاحیت کو اجاگر کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ یہ پانچویں کلاس کے طالب علم ہیں، نہ بہت چھوٹے، نہ بہت بڑے، یہ عمر کے بہت حساس دور میں ہیں، اس لئے میں نے اپنی کلاس کو ایک دوست بن کر پڑھایا، جس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ دوسرا یہ کہ جب کوئی بھی انسان اپنی حقیقت کو، فطرت کو چھوڑ کر چلتا ہے تو وہ مکمل طور پر کبھی بھی کامیاب نہیں ہو پاتا، میں نے اس عرصے میں ان بچوں کو دین اسلام کی اہمیت سے روشناس کروایا، سنتوں پر عمل کروایا، نمازوں کی پابندی کی اہمیت جتائی، آپ کے سامنے ہے کہ میری کلاس کا کوئی بچہ دیر سے نہیں آتا، نہ غیر حاضر ہوتا ہے، اس کی

وجہ فجر کی نماز کی پابندی ہے، ظاہر ہے کہ جب فجر کی نماز کی فکر کے ساتھ بچہ سوئے گا، رات کو اس کو جلدی سونے کی فکر ہوگی کہ اب جلدی سوؤں گا تو صبح نیند پوری ہوگی اور فجر کے وقت آنکھ کھلے گی تو بچہ اپنے تعلیمی ادارے میں بھی وقت پر پہنچے گا، میڈم میں جانتی ہوں کہ یہ انگلش میڈیم اسکول ہے، یہاں تمام قواعد و قوانین اپنے حساب سے ہیں، مگر ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ خود فیصلہ کیجئے کہ کیا یہ ان بچوں کے ساتھ ظلم نہیں ہے کہ ان کو ان کی حقیقت سے، ان کے مقصد حیات سے بے خبر رکھا جارہا ہے، میرا آپ کے پاس آنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ آپ بے شک ان کتابوں میں کوئی ردوبدل نہ کریں، مگر کم از کم پندرہ، بیس منٹ ہر کلاس کے لئے مخصوص کریں کہ اس میں ان کی ٹیچرز ان سے نماز کے بارے میں پوچھا کریں، ان کو بتائے کہ ہماری کامیابی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے، میڈم میں نے نرسری سے لے کر پانچویں تک اسلامیات کی کتاب دیکھی ہے، مگر اس میں ایسا کچھ نہیں ہے کہ ایک بچہ صحیح و غلط کا فیصلہ کرسکے کہ دنیا و آخرت کو سمجھ سکے۔ میں تو حیران ہوں کہ اب والدین اپنے بچوں کو گھروں میں بھی ٹریننگ دیتے ہیں انگلش میں بات چیت کرکے، ایسے میں ہماری قومی و مادری زبان کیسے زندہ رہے گی، یہی بچے تو ہمارا کل کا سرمایہ ہیں۔

مگر سودہ، ایسا ہونا بہت مشکل ہے، اب لوگوں کی ڈیمانڈ یہی ہوتی ہے کہ ان کا بچہ اسکول سے دنیا کی بھاگ دوڑ سیکھ لے، اب والدین یہ شکایت لے کر آتے ہیں کہ ان کا بچہ دوسروں کے سامنے اعتماد سے جواب نہیں دیتا، کوئی اگر ان کو کچھ کہتا ہے تو یہ بدلے میں جواب کیوں نہیں دیتے، کسی نے انگلش میں بات کی تو ہمارے بچے نے اعتماد سے جواب نہیں دیا، وغیرہ وغیرہ، کوئی والدین یہ شکایت نہیں کرتے کہ ہمارا بچہ نماز نہیں پڑھتا، والدین سے ادب سے پیش نہیں آتا، بڑوں کی عزت نہیں ایثار کا جذبہ نہیں ہے، اب تم خود بتاؤ کہ ایسی صو میں ہم کیا کرسکتے ہیں؟؟؟

میڈم کا عذر اپنی جگہ بجا تھا، مگر ان ہی سوچوں بدلنا تھا، کہیں والدین کوتاہی کرجاتے ہیں اور کہیں اسا

میڈم دیکھیں، اللہ رب العزت نے آپ کو ایک نمایاں مقام دیا ہے، معاشرے میں آپ بروئے کار لاکر بہت کچھ کرسکتی ہیں، اب ہمیشہ تو ہم نے اس دنیا میں نہیں رہنا میڈم میری بات کا یقین کر کہ امت محمدیہ کے وجود کا مقصد ہی امر بالمعروف و عن المنکر ہے، ہم خود اپنے اعمال کی فکر کریں اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تو آخرت میں ہ پکڑ ہوگی کہ ہم نے پیغام ربانی ان تک نہیں پہنچایا، م اگر ہم مسلمان آپس میں ایک دوسرے کا خیال نہیں کر گے تو اس سارے عالم میں کون لا الہ الا اللہ محمد رسول ا کی اشاعت کرے گا؟؟؟ یہ ننھے معصوم ذہن، اگر ان تربیت میں امت محمدیہ کا درد دل میں اتار دیا جائے تو ہ کل محفوظ ہوسکتا ہے، دین اسلام باقی رہنے کا سبب ہوں گے کل، میڈم کم از کم اردو کی کتاب ہو نصاب میں ہمارے ملک پاکستان کی پہچان، ہماری زبان اردو اور ہم خود اپنے بچوں پر، اپنے ملک پر، کتنا بڑا ظلم کررہے ہیں، اس طرح تو ہماری زبان مٹ جائے گی، جب ہماری قومی زبان ہی اپنی شناخت کھودے گی، تو ہم اپنی قومی شناخت کیسے برقرار رکھ سکیں گے۔

تمہاری ساری باتیں بالکل ٹھیک ہیں، مگر تم خود بتا کہ میں نے تمہیں سب کچھ بتادیا، اب میں ان حالات میں کیا کرسکتی ہوں، پھر خاص طور پر اب حکومت پرائمری انگلش اسکولز پر بہت زور دے رہی ہے کہ ساری کتابیں انگلش میں ہوں اور سالانہ رپورٹس کے لئے خصوصی ٹیم حکومت کی طرف سے ہر سال دورہ کرتی ہے اور درمیان میں بھی کسی بھی وقت حکومت کی طرف سے کوئی ٹیم

ہوے پر آجاتی ہے، کھیلوں اور گیمز کا بھی اوپر سے ہوا رہے، میڈم نے کچھ پیپر نکال کر سودہ کے سامنے میز ہوگئے، میڈم آپ اپنی جگہ بالکل ٹھیک پریشان ہیں، مگر آپ سوچیں کہ اس اسکول کی کرتا دھرتا آپ ہیں، اگر آپ تھوڑا سا وقت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پاس کردیں گی تو اللہ پاک دنیا کی کامیابی کے ساتھ آخرت کی کامیابی بھی مرحمت فرمادیں گے، میری کلاس ہونے کے طور پر آپ کے سامنے ہے۔ سودہ لے پیپر ھا کر ایک نظر دیکھے اور واپس رکھتے ہوئے اپنی بات کو ہر دوسرے الفاظ میں مسکرا کر میڈم کے گوش گزار کیا تھا۔

تم خود بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟ میڈم کشمکش میں تھیں، دہ سے مشورہ طلب کیا، میڈم میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ ہر کلاس میں روز کے کم از کم پندرہ، بیس منٹ فکس کردیں، اگر آپ کو یہ ممکن نہیں لگ رہا تو پھر صبح اسمبلی میں پندرہ منٹ فکس کردیں، سودہ نے اپنی تجویز میڈم کے سامنے رکھی، تو پھر ہر پریڈ کا وقت کچھ کم کرنا پڑے گا، میڈم نے اس کی تجویز کو نہ رد کیا، نہ قبول کیا تھا، شاید ہر طرح سے خود کو مطمئن کرنا چاہتی تھیں، میڈم آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے مجھے اجازت دیں، ان شاء اللہ، اللہ رب العزت اسی وقت میں بہت برکت ڈال دیں گے، ہمیں نہ پریڈ کا وقت کم زیادہ کرنا پڑے گا، نہ وقت بڑھانا پڑے گا، سودہ نے میڈم کو توکل علی اللہ پر مطمئن کرنا چاہا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان جب اللہ رب العزت پر مکمل یقین کرکے نتیجہ اسی کے سپرد کرکے اس کی رضا کے لئے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو وہ رحیم و کریم مہربان رب اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا، اللہ رب العزت پر بھروسے کی بات آجائے تو مسلمان خود بخود مطمئن ہوجاتا ہے، بالآخر میڈم نے بخوشی سودہ کو اسمبلی میں تھوڑی بہت تبلیغ کی اجازت دے دی، مگر صرف پندرہ منٹ سے زیادہ وقت نہ ہونے کی تاکید کرنا نہیں بھولیں تھیں۔

مجھے پہلے ہی پتہ تھا یہ دو فٹ لمبا منہ لٹکا ہوا ہی باہر آتا تھا، مریم جو بہت بے تابی سے سودہ کا انتظار کررہی تھی، اپنی کلاس میں بھی اس سے سکون سے نہیں بیٹھا جارہا تھا، ایک پاؤں کلاس میں، ایک باہر لان کے دوسری طرف بنی چھوٹی سی راہداری کی طرف، جہاں میڈم کا آفس تھا۔

ابھی سودہ مکمل طور پر کلاس کے سامنے والی راہداری تک بھی نہیں پہنچی تھی، جب مریم نے اس پر دھاوا بول دیا۔

سودہ نے اس کو دیکھا، مگر بولی کچھ نہیں، اگرچہ وہ اندر سے کوئی پروگرام بنا کر نہیں آئی تھی، مگر مریم کی کیفیت دیکھ کر جانے اس کو کیا سوجھی کہ بتانے کے لئے منہ کھولتے کھولتے بھی خاموش ہوگئی۔

اچھا یہ تو بتادو کہ کیا کہا میڈم نے، مریم نے مایوس ہوکر بے صبری سے پوچھا تھا، جب تمہیں پتہ ہے تو پھر پوچھنا کیا چاہتی ہو؟؟ سودہ نے نہ جھوٹ بولا، نہ سچ، اس کی بات کو ہی گھما کر اس کو لوٹا دیا۔

بعد میں بات کریں گے مریم، ابھی تو پہلے ہی کافی دیر ہوگئی ہے، بس میڈم بھی ناں، ساری بات کے بعد چائے بھی پلادی، سودہ نے بے چارگی سے کہا، میں نے کہا بھی کہ کلاسیں لگ چکی ہوں گی مگر شاید..... خیر چھوڑو، چھٹی کے وقت ملیں گے، سودہ نے گول مول سا جواب دے کر اپنی کلاس کی جانب قدم بڑھا دیے اور مریم جس کو پہلے ہی کوئی امید نہیں تھی، پھر بھی دل ٹوٹ سا گیا، وہ بھی بوجھل قدموں سے اپنی کلاس کی جانب بڑھ گئی تھی۔

تم بہت خوش نظر آرہی ہو آج، مغرب کی نماز کے بعد جب سودہ آسیہ صاحبہ کے ساتھ کچن میں کھانے کی تیاری میں مصروف تھی، تب سودہ کے لبوں پر مچلتی گاہے بگاہے مسکراہٹ کو دیکھ کر آسیہ صاحبہ نے سودہ کو کہا۔

ماں جانی، بات ہی کچھ ایسی ہے، سودہ نے لاڈ سے آٹے والے ہاتھ ہی آسیہ صاحبہ کے گلے میں ڈال دیے، اچھا ایسی کیا بات ہے بیٹا جانی؟؟ آسیہ صاحبہ نے بھی اس کے لاڈ پر محبت کے پھول نچھاور کردیے، رخ

موڑ کر اس کے گال پر بوسہ لیتے ہوئے پوچھا۔

آپ کو بھی یقین نہیں آئے گا کہ جو میرا مقصد تھا، وہ اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کاملہ سے کامیابی کی منزل کی جانب رواں دواں کر دیا ہے۔ میڈم ہر کلاس میں تو نہیں مانیں کہ روز پندرہ، بیس منٹ ہر کلاس میں ٹیچرز نماز و قرآن کے متعلق بات کریں، مگر اسمبلی میں پندرہ منٹ کی دعوت و تبلیغ کی اجازت دے دی۔

سودہ نے خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ بتایا تھا، اللہ اکبر کبیرا۔ اللہ تمہیں اپنے لئے اپنے راستے میں قبول فرمائے، آمین۔ سودہ کی بات سن کر آسیہ صاحبہ کی آواز میں نمی گھل گئی، وہ اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کرتیں کم تھا، انسان کا مقصد جس قدر خالص ہوگا، اللہ رب العزت اتنی ہی آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں، اسی بات پر انہوں نے تکبیر کہی کہ اللہ نے ان کی اولاد کو اخلاص سے نوازا ہے۔

امی وہ ایک بات کرنی تھی اگر آپ مان جائیں تو..... سودہ نے ہچکچاتے ہوئے آسیہ صاحبہ کو متوجہ کیا جو ہانڈی بنانے میں مگن تھیں، ہاں بولو، آسیہ صاحبہ نے مصروف سے انداز میں کہا۔

امی میں چاہ رہی تھی کہ مریم کی طرف ابھی کھانا کھا کر چلیں، مگر سودہ یہ وقت کسی کے گھر جانے کے لئے مناسب نہیں لگتا، آسیہ صاحبہ اس کی کیفیت اور اس کے سرپرائز دینے کے ارادے سے قطعی بے خبر تھیں، امی پلیز سودہ نے منت کی، مگر بیٹا..... امی دراصل میں میڈم سے بات کرنے جانے سے پہلے مریم کو دعا کا کہہ کر گئی تھی، مگر اس نے مجھے منع کیا تھا کہ میں میڈم کے پاس نہ جاؤں، کیونکہ میڈم اس کے خیال میں بالکل بھی نہ مانتیں، پھر جب میں میڈم کے آفس سے باہر آئی اگرچہ اس وقت میرا چھپانے کا یہ سرپرائز دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، مگر آفس سے باہر انتہائی بے تابی سے میرا انتظار کرتی مریم نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ یہ دو فٹ کا منہ اور لٹکا ہوا باہر آئے گا، اس وقت میرا دل تو بہت چاہا کہ اس کو اپنی ہونے والی بھابھی اور میڈم کی اجازت دونوں خوشخبریاں سنا دوں، مگر بس پھر اس کو مزید تھوڑا ستانے کو دل چاہا تو میں اس کو ٹال کر اپنی کلاس میں چلی گئی، اسی لئے آپ سے کہہ رہی ہوں کہ اب اچانک سے ان کے گھر جائیں گے تو پہلی خوشخبری اس کو ابھی ملے گی اور دوسری صبح اسمبلی میں جب میں اپنا کام شروع کروں گی، اس سے پہلے کہ آسیہ صاحبہ کچھ بولتیں، سودہ نے اپنی معصوم سی خواہش ان کے سامنے رکھ دی، وہ ماں تھیں اور ماں کو اپنے بچوں کی ایسی چھوٹی بڑی خواہشات پوری کر کے جو خوشی اور سکون ملتا ہے، وہ ایک ماں ہونے والی عورت بخوبی جانتی ہے، یہی وجہ تھی کہ آسیہ صاحبہ اپنی بیٹی کے چہرے پر کھلتے خوشی سے خوبصورت رنگ دیکھ کر انکار نہیں کر سکیں اور اس کو ہانڈی بھوننے کا کہہ کر ابراہیم صاحب کو مطلع کرنے چلی گئیں، اگرچہ آج صرف وہ خود اور اپنی دونوں بیٹیوں کو ہی لے جاتیں، مگر ان کو بتانا بھی اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

سودہ بیٹا جاؤ اب تم بھی اپنا کوئی اچھا سا سوٹ نکال کر جویریہ کو دے آؤ، استری کے لئے وہ اپنا اور میرا سوٹ استری کر رہی ہے تم اس کو سوٹ دے کر نہا لے چلی جانا اتنے میں کچن سے فارغ ہو جاؤں گی، تقریباً دس پندرہ منٹ کے بعد آسیہ صاحبہ نے دوبارہ کچن میں آ کر کہا تھا۔

بس امی سالن تو بالکل تیار ہے، روٹیاں بھی بن چکی ہیں، آپ رائتہ اور سلاد بنا لیں، سودہ نے چولہے کی طرف بڑھتی آسیہ صاحبہ کو اطلاع دی اور سالن کے نیچے چولہا بند کر دیا، امی بہت اچھی ہیں، ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا بھی اتنا خیال رکھتی ہیں، آسیہ صاحبہ کے قریب آنے پر سودہ نے ان کے گلے میں بازو ڈال کر لاڈ سے کہا تھا۔

اچھا، اچھا اب مکھن کم لگاؤ اور جا کر جلدی نہا لو، آسیہ صاحبہ نے مصنوعی سی خفگی طاری کی، آپ کو مکھن نہ لگاؤں تو کس کو لگاؤں، سودہ کا انداز ہنوز تھا، سودہ بیٹا، جاؤ شاباش، تنگ نہیں کرو، پہلے ہی ہم رات کے وقت

جا رہے ہیں، پہلی بار تو جلدی جانا چاہیے تھا، آسیہ صاحبہ نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں اس کو سمجھا دیا، پھر جانے ان کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے تکتی رہیں کہ آنکھوں میں پانی بھر آیا، پھر اس کی پیشانی کو پیار سے چوم لیا اور سودہ بھی بے ساختہ ہی ان سے لپٹ گئی۔

یہ کس بات پر دونوں ماں بیٹی میں اس قدر محبت کا اظہار ہو رہا ہے، جویریہ جو سودہ سے کپڑوں کا کہنے آئی تھی، آسیہ صاحبہ کے سینے سے لگی سودہ کو دیکھ کر کہا اور خود بھی آسیہ صاحبہ کی آغوش میں سما گئی۔ جو آسیہ صاحبہ نے اس کو دیکھ کر اپنا ایک بازو سودہ پر رکھ کر دوسرا اس کے لئے کھول دیا تھا۔ اللہ رب العزت میری بچیوں کے نصیب اچھے کرے، آسیہ صاحبہ نے باری باری دونوں کے سر پر پیار کر کے خود سے الگ کیا اور بہت ہی دل سے دعا بھی دی، اچھا تو آج بھابھی سے ملنے جا رہے ہیں تو امی کو اپنی بیٹیوں کا مستقبل نظر آ گیا، جویریہ نے بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔ سودہ اور آسیہ صاحبہ اس کی بات پر بے ساختہ مسکرا دیں اس کی ذہانت پر۔

زینب دیکھو، کافی دیر سے دروازہ بج رہا ہے، امی کی تو نماز کی نیت بندھی ہوئی ہے، مریم جو اپنے کپڑے استری کر رہی تھی، اپنی چھوٹی بہن زینب سے بولی، جو شاید پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اس کا دل نہیں لگ رہا تھا اور بار بار مریم کو کسی نہ کسی بات کے لئے متوجہ کر رہی تھی اور مریم اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دروازے کی آواز کو اپنا وہم سمجھتی رہی، جو شاید کافی ہلکی آواز میں بج رہا تھا، بالآخر زینب کے خاموش ہونے پر دروازے کی واضح آواز سنائی دی تو مریم نے زینب سے کہا۔

اس سے پہلے کہ زینب اٹھ کر جاتی اور دروازہ کھولتی، کسی سے ان کی والدہ کے سلام کرنے کی آواز آئی، چلو اچھا ہوا امی نے کھول دیا دروازہ، زینب نے واپس بیٹھتے ہوئے کہا، تم دیکھ تو لیتی کہ اس وقت کون آیا ہے، مریم نے زینب کو کہا۔

اس وقت آپ کے گھر آپ کے ہونے والے سسرالی آئے ہیں، سودہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے استری کرتی مریم کو چونکا دیا جو استری کرنے میں اتنی مگن تھی کہ سودہ اور اس کے پیچھے جویریہ کو اندر آتے بھی نہ دیکھ سکی تھی، زینب کا چونکہ دروازے کی طرف ہی منہ تھا، وہ دیکھ چکی تھی، اس سے پہلے کہ وہ مریم کو ان کی آمد سے خبردار کرتی، سودہ کی بات نے گویا اس کو سکتہ سا کر دیا تھا، مریم ہونقوں کی طرح سودہ کو دیکھ رہی تھی، سودہ نے راستے میں ہی آسیہ صاحبہ کو کہہ دیا تھا کہ آنٹی کے پاس آپ بیٹھ کر بات کرنا اور میں ان کو سلام کر کے مریم کو یہ خوشخبری اپنے منہ سے سناؤں گی، بہنوں کے ارمان؟ آسیہ صاحبہ نے مسکرا کر بخوشی اجازت دے دی تھی۔

ہم بھی یہیں راہوں میں رل رہے ہیں میڈم بھابھی، جویریہ نے بت بنی مریم کو، جو سودہ کو تک رہی تھی، مخاطب کیا، اس کے مخاطب کرنے پر مریم کے حواس لوٹے، مگر اس سے پہلے کہ مریم کچھ بولتی، سودہ نے بڑھ کر اس کو گلے لگا لیا تھا، چلو اب اپنی دوسری نند سے بھی مل لو، سودہ نے مریم سے الگ ہوتے ہوئے کہا اور مریم آج جویریہ کو پہلی بار دیکھ رہی تھی، اس سے پہلے وہ صرف اس کے نام سے متعارف تھی، جویریہ کو بھی مریم پہلی نظر میں ہی بھا گئی تھی، اس کی خوشی بھی دیدنی تھی، وہ خود بھی از خود ہی مریم سے لپٹ گئی تھی اور مریم اس وقت کس کیفیت میں ہے، وہ مریم خود بھی نہیں جانتی تھی، مریم سودہ کو اپنا دوست سمجھتی تھی، اس نے آج تک مریم سے اس کے گھر کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی مریم نے، بس یہ بے لوث رشتہ اخلاص کا، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جڑا تھا اور دونوں ہی نہیں جانتی تھیں کہ یہ رشتہ بدل کر ایسے رشتے میں بندھ جائے گا کہ وہ دونوں لازم ملزوم بن جائیں گی، مریم کے بعد دونوں زینب سے ملیں تھیں، مریم کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا، آداب

میزبانی زینب نے نبھانا شروع کیے تھے۔

میں بہت چاہت اور مان کے ساتھ آئی ہوں سائرہ بہن اور اس امید کے ساتھ کہ ایک بہن دوسری بہن کو مایوس نہیں کرے گی، کچھ دیر مریم اور زینب کے ساتھ بیٹھنے کے بعد سودہ اور جویریہ کو بھی زینب اسی کمرے میں لے آئی تھی، جہاں آسیہ صاحبہ ان کی والدہ کے ساتھ بیٹھی تھیں، کمرے میں داخل ہوتے وقت ان تینوں نے ہی آسیہ صاحبہ کا یہ جملہ سنا تھا، زینب کو لگا کہ اس کی والدہ کی بھی کم وبیش وہی حالت ہے جو مریم کی ہے، مگر اس وقت اس نے آداب میزبانی بخوبی ادا کرتے تھے، سودہ وہاں نہ بیٹھی۔

آپی کیا ہوگیا ہے آپ کو؟؟ زینب نے واپس اپنے کمرے میں آکر مریم کو سرزنش کی، چلیں میرے ساتھ کچن میں، میں اکیلی بھی کرتر لوں گی مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ کے سسرال والوں کی خاطر مدارت میں کوئی کمی نہ رہ جائے، زینب نے مریم کو اٹھا کر ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جاتے ہوئے کہا تھا، آپ ایسا کریں کہ چائے بننے رکھ دیں اور برتن نکال لیں، میں اتنے میں پروین آنٹی سے کہتی ہوں کہ اپنے چھوٹے بیٹے کو بھیج دیں، قریبی بیکری تک بھیجنا ہے، اور ہاں آپی، امی نے کل ہی تو گاجر کا حلوہ بنایا ہے، وہ بھی گرم کرنا ہے، زینب نے کچن سے نکلتے نکلتے یاد آنے پر پلٹ کر کہا تھا۔

میں نے پھل، دہی بھلے اور بسکٹ نمکو منگوائے ہیں، میں نے سوچا کہ میٹھے میں حلوہ تو موجود ہے، چائے کے ساتھ بسکٹ اور نمکو ہوجائے گا اور میں یہ ساتھ میں فنگر چپس بنا رہی ہوں، ٹھیک رہے گا آپی...... بچے کو سامان لینے بھیج کر زینب کچن میں آئی تو مریم سے مشورہ کرنے لگی، خوشی سے اس کی آواز بھی کھنک رہی تھی، مریم نے اس کی خوشی کو بخوبی محسوس کیا تھا، مگر زینب مریم کی خاموشی کو سمجھ نہیں پارہی تھی، مگر زینب کے بتائے گئے سب کام اس نے خاموشی سے کردیے تھے، چپس زینب بنا چکی تھی اور حلوہ بھی گرم ہو چکا تھا اور چائے بھی تیار تھی اور سارے برتن بھی، بس بازار کا سامان آتے ہی برتنوں میں سیٹ کر کے اندر جانا تھا۔

آپی کیا آپ کو خوشی نہیں ہوئی، زینب نے بالآخر ذرا سا وقت ملتے ہی مریم کے قریب جا کر پوچھا تھا، اس سے پہلے کہ مریم کچھ بولتی، بچہ جو سامان لینے گیا تھا، اس نے پیچھے سے آکر زینب کو مخاطب کرلیا، زینب نے اس کے ہاتھ سے شاپر پکڑے تو اندر سے سائرہ صاحبہ نے اس کو آواز دے دی، وہ سب شاپر وہیں شیلف پر رکھ کر اندر چلی گئی تو مریم نے پھل نکال کر دھویا اور اس کو کاٹ کر برتنوں میں سیٹ کرنے لگی۔

آپی آپ کو امی اندر بلا رہی ہیں، زینب نے آکر کہا، مگر میں اندر جا کر کیا کروں گی، مریم نے لجاجت سے پوچھا۔ میں اندر گئی تو سودہ آپی کی امی اصرار کر رہی تھیں کہ وہ اب جا رہی ہیں، بس شگن کے پیسے آپ کی ہتھیلی پر رکھنا چاہتی ہیں، مگر امی اصرار کر رہی تھیں کہ کچھ کھائے پیئے بغیر جانے نہیں دیں گی تو جناب اب آپ یہ سامان میرے ساتھ لے کر چلیں، زینب نے ساری تفصیل ہی اس کو سنا ڈالی اور مریم پر حیرت در حیرت کے گویا پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، کیا ضرورت تھی امی کو اتنی جلدی ہاں کرنے کی، مریم صرف سوچ کر رہ گئی، جانتی تھی کہ نہ بھائی، نہ باپ، ماں بیمار ہے، ایسے میں اگر وہ سر اٹھائے گی بھی تو سوائے اپنی ماں کو تکلیف پہنچانے کے اور کچھ نہیں کرے گی، کیا ہم غریب اس قدر ارزاں ہوتے ہیں کہ زمانے کے اصولوں کے مطابق بیٹی والوں کا مان بھی نہ رکھ سکیں کہ سوچ کر جواب دیں گے یا کچھ دن ٹھہر جائیں، انہی سوچوں میں غلطاں اس نے اس کمرے کی دہلیز پار کی جہاں سب مہمان جمع تھے، ابھی اس نے میز پر ٹرے رکھی ہی تھی کہ آسیہ صاحبہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا، پھر اس کو خود سے لگائے لگائے ہی سائرہ صاحبہ کے ساتھ چارپائی پر آکر

بیٹھ گئیں، پہلے انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی انگوٹھی سونے کی اتار کر اس کو پہنائی پھر اس کو خوب پیار کیا، بیٹا محسوس نہ کرنا کہ اپنی انگوٹھی تمہیں پہنائی ہے، دراصل ہمارا ارادہ جمعہ کو آنے کا تھا، مگر آج سودہ نے تمہیں سرپرائز دینے تھے، ایک ساتھ دو، دو، پھر ہمارے اولاً تو انگوٹھی کی رسم نہیں ہوتی، مگر یہاں آکر پتہ چلا کہ سودہ نے جلدی جو مچائی تھی اسی میں ہماری بھلائی تھی، اگر ہم دو دن اور رک جاتے تو تمہاری امی تو تمہیں کسی اور کے نام کی انگوٹھی پہنا چکی ہوتیں، بس اسی وجہ سے یہ انگوٹھی تمہاری انگلی میں ڈال رہی ہوں کہ ہماری بہو ہونے کی مہر لگ جائے گی، مریم جو شاید بدگمانی کی دہلیز پر کھڑی تھیں، ان کے اس قدر والہانہ پیار ومحبت اور پھر اس بات نے کہ ان کی والدہ کہیں اور بات پکی کرنے کا ارادہ کیے بیٹھیں تھیں اس کا دل کسی حد تک صاف کردیا۔

بہت مشکل سے منایا ہے بیٹا میں نے تمہاری امی کو، کہہ رہی تھیں کہ میں ان لوگوں کو تقریباً ہاں کیے بیٹھی ہوں ایک دن تک وہ رسم کر جائیں گے، اب بھلا ہماری بچیاں بھی کیا بوجھ ہیں جو ایک شادی شدہ آدمی سے تمہاری امی تمہارے لئے ہاں کرنے کا سوچ رہی تھیں اور وہ بھی سوکن بن کر رہتا، میری بچی کی زندگی ہی برباد ہو جاتی، آسیہ صاحبہ اس کو پیار کرتے نہ تھک رہی تھیں اور مریم یہ سب انکشافات سن کر صحیح کون غلط کون کا فیصلہ تک نہیں کر پا رہی تھی، اس نے دل میں فوراً اللہ رب العزت سے معافی مانگی کہ اس نے ان لوگوں کو فوراً ہاں کرنے پر اللہ سے کیسی بدگمانی پائی تھی، خواہ وہ صرف لمحہ بھر پر محیط تھی مگر وہ رب تو کتنا مہربان ہے کہ اس کی ماں دنیا کے اصولوں، حالات کی وجہ سے ایک شادی شدہ آدمی سے اس کی شادی کرنے پر آمادہ تھیں اور وہ بے خبر تھی، وہ سوچ رہی تھی کہ اگر آج یہ لوگ نہ آتے تو ایک دو دن میں اس کی زندگی کا کتنا خطرناک فیصلہ ہوتا؟؟؟

جاتے وقت آسیہ صاحبہ نے پانچ ہزار کا نوٹ بھی اس کو دیا جو لیتے وقت وہ گھبرا بھی رہی تھی اور شرما بھی رہی تھی، اللہ رب العزت اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہیں، یہ بندے سوچ بھی نہیں سکتے، بالآخر...... مریم مطمئن ہوگئی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! صبح اسمبلی کے بعد سودہ نے مائیک میں اپنی نرم اور پراعتماد آواز میں سلام کیا تو جہاں سودہ کی آواز نے اسکول کی تمام ٹیچرز کو چونکایا تھا وہاں مریم بھی حیران تھی۔

"پیارے بچوں!!! ہم سب آج سے ایک ایسا سلسلہ شروع کر رہے ہیں جس سے نہ صرف ہماری دنیا بلکہ آخرت کی کامیابی بھی یقینی ہے۔" مریم کو یکدم یاد آیا کہ رات کو آسیہ صاحبہ نے کہا تھا کہ "ہم نے تو جمعہ تک آنا تھا، مگر سودہ نے دو، سرپرائز دینے کے چکر میں آنے پر مجبور کیا" اور اسی میں ہماری بھلائی پوشیدہ تھی، رات تو اس نے اس بات کو زیادہ توجہ نہ دی تھی مگر اب سودہ نے بسم اللہ کے بعد درود شریف پڑھ کر بات شروع کرتے ہی قدرتی طور پر یہ بات یاد آگئی تھی۔

جیسا کہ ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ ہم سب مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے کا مطلب ہے کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے دل سے مکمل اطاعت، صرف زندگی میں ایک بار کلمہ پڑھ کر خود کو یہ یقین دلانا کافی نہیں کہ ہم اللہ وحدہٗ کے ماننے والے ہیں۔ اللہ کو کافر بھی مانتے ہیں مگر اپنے مشکل ترین وقت میں، مشرک بھی مانتے ہیں، یہود ونصاریٰ بھی مانتے ہیں، پھر مسلمانوں اور ان میں کیا فرق ہے کہ اللہ کی قدرت کا سب کو علم ہے تو مسلمان ہونے کا مطلب یہی ہے کہ ہم اپنے قول فعل، علم و عمل سے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں جبکہ کافر، اللہ کا انکار کر کے بتوں کو معبود مان لیتے ہیں اور ہم لوگ مسلمان ہو کر اللہ کو مان کر بھی اس کو معبود نہیں مانتے، وہ کیسے؟ آپ سب سوچ رہے ہوں گے، سودہ نے ذرا وقفہ کیا، تو پیارے بچوں، ہم لوگوں نے

اپنے اپنے معبود اپنی اپنی خواہشات کو بنالیا ہے جبکہ اللہ کو معبود ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم اس کے لئے اپنی تمام ناجائز خواہشات کو ترک کردیں، میرا مقصد آپ سب سے بات کرنے کا یہ ہے کہ ہم لوگ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کو اختیار کریں، ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے، اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، آپ لوگ جو تعلیم اس اسکول میں حاصل کررہے ہو، وہ آپ کے لئے ایک حد تک ضروری ہے اور اس کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر ہم مسلمانوں کی زندگی کا طریقہ یہ تعلیم نہیں، ہماری کامیاب زندگی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرو، آپ کی اتباع سے تمہیں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ملے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بھی معاف کردیں گے، ہم سب ہی جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وجہ کائنات، فخر عالم، سردار انبیاء، امام الانبیاء ہیں تو محبوب خدا بھی ہیں، وہ محبوب جن کی وفات کے وقت اللہ رب العزت نے پیغام بھیجا کہ اے میرے محبوب تو اگر مزید دنیا میں رہنا چاہتا ہے تو رہ، مگر میں تیری ملاقات کا منتظر ہوں اور وہ محبوب خدا اس وقت کیا فرماتے ہیں کہ اے اللہ میری امت، اے اللہ میری امت، پیارے معزز بچو!!! سودہ کی آواز شدت جذبات سے بھرآ گئی تھی، اس نے ساتھ ہی اپنے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر نظر ڈالی، ابھی آٹھ منٹ باقی تھے، قیامت کے دن جب ہر نبی کو بھی اپنی فکر ہوگی، اس وقت بھی میرا اور آپ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یارب امتی، یا رب امتی پکار رہا ہوگا، آپ لوگ یہاں جو تعلیم حاصل کررہے ہو، اس کے ہر تقاضے کو پورا کرتے ہو، مگر یہ بات ہم سب بھول چکے ہیں کہ یہ زندگی اللہ کی امانت ہے اور ہم اس امانت میں دن میں کتنی خیانت کرتے ہیں، یہ ہم سب ہی جانتے ہیں، ہم سب بچے اسکول کے ٹیسٹ، امتحان، گیمز، مکمل ہر چیز کی تیاری کرتے ہیں، مگر ہمیشہ رہنے کی جگہ آخرت کی تیاری نہیں کرتے، میں نے آپ کا کچھ وقت اسی کی فکر کے لئے لیا ہے، امید کرتی ہوں کہ آپ سب میرے ساتھ تعاون کریں گے، دنیا میں ہم میں سے کسی نے بھی ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہنا بلکہ ایک مقررہ وقت پر ہم سب کو موت آجائے گی، اس کے بعد پھر کبھی عمل کا وقت نہیں ملے گا اور یاد رکھئے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا جس کی نماز مکمل نکل آئی وہ کامیاب، جس کی نماز ہی مکمل نہ ہوئی تو وہ پہلے ہی مرحلے میں پھنس جائے گا اور آپ سب اچھی طرح جانتے ہو کہ جب پیپر میں آنے والے کسی اہم سوال کا پتہ چل جائے تو کس طرح لگن کے ساتھ اس کی تیاری کی جاتی ہے اور آخرت بھی ایک امتحان گاہ ہے، اس دنیا میں ہم سوال حل کررہے ہیں۔ آخرت میں اسی کے مطابق رزلٹ ملے گا، کل ان شاء اللہ سب بچوں سے پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی کا پوچھا جائے گا اور پھر نماز کی ادائیگی کا صحیح طریقہ بھی سکھایا جائے گا۔ ان شاء اللہ ہر بچے کے پاس ایک چھوٹی نوٹ بک ہو، جس پر پانچوں نمازوں کی ادائیگی پر والدین کے دستخط موجود ہوں، پھر اس پر میڈم کے سائن ہوں گے، آج سے یہ اس اسکول کا ایک اصول ہے، تمام ٹیچرز سے درخواست کی جاتی ہے کہ بچوں کو اس اصول کی اہمیت و پاسداری کی اہمیت کا احساس دلاتی رہیں۔ والسلام

۱۳ منٹ کے بعد ہی سودہ نے سلام کیا اور میڈم کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی، میڈم نے جو اس کی بات پر حیران تھیں اور ساتھ متاثر بھی، اس کو مسکرا کر دیکھا تھا، میڈم نے مائیک پکڑ کر کہا کہ ”تمام ٹیچرز اس اصول کی خلاف ورزی ہونے پر ذمہ دار ہوں گی، ہر بچے کی کلاس ورک و ہوم ورک ڈائری پر اس اصول کو خوش خطی کے ساتھ تحریر کردیں تاکہ آج ہی تمام بچوں کے والدین تک اطلاع پہنچ سکے۔

.............(جاری ہے).........

والدین بچپن ہی سے بچوں کو ذمہ داری کا احساس رکھنے والا بنائیں

جنرل سرجن
ڈاکٹر سائرہ سلیم
سے یادگار ملاقات

انٹرویو: راحت ارشد حسین

ڈاکٹر سائرہ سلیم سعودی عرب کے علاقہ قسیم کے شہر بریدہ کے معروف اسپتال ”کنگ فہد اسپیشلسٹ ہوسپٹل“ میں بطور جنرل سرجن بڑی مستعدی اور لگن سے کام کررہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے سرجن بن کر یہ ثابت کردیا کہ اس شعبے میں خواتین کامیابی سے کام بھی کرسکتی ہیں اور اس فیلڈ میں خواتین کی ضرورت بھی ہے۔ پچھلے دنوں بریدہ میں ہونے والی ایک ملاقات میں ڈاکٹر صاحبہ سے ان کے پروفیشن اور عام حالات پر بڑی چشم کشا گفتگو ہوئی جو قارئین حجاب کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، تو آیئے ڈاکٹر سائرہ سلیم صاحبہ سے ملتے ہیں۔

س: کچھ اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں بتائیں؟

ج: میرے دادا جان جناب دین محمد صاحب برصغیر کی تقسیم کے وقت مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر سے ہجرت کرکے پاکستان آئے۔ میرے دادا جان نے پاکستان آکر فیصل آباد میں ایک جنرل اسٹور کھولا جس نے اب اتنی ترقی کرلی ہے کہ وہ ایک ڈپارٹمنٹ اسٹور

بن گیا ہے۔ میرے نانا جان جناب خان محمد مرحوم تعلیم کے بڑے شوقین تھے۔ انہوں نے اس دور میں بھی میٹرک کیا تھا جس وقت پڑھائی کا اتنا چرچا نہیں تھا۔ وہ گورنمنٹ جاب کرتے تھے۔ میری نانی اور دادی صاحبہ سگی بہنیں تھیں۔ ان کے والد صاحب بڑے عبادت گزار اور متقی اللہ والے تھے۔ میرا ددھیال فیصل آباد میں آباد ہے۔ میرے والد صاحب جناب محمد سلیم علوی میرے بھائیوں کے ساتھ اپنے ڈپارٹمنٹل اسٹور کو دیکھتے ہیں، اس اسٹور کا نام علوی ڈپارٹمنٹ اسٹور ہے۔ ہم ماشاء اللہ چھ بہن بھائی ہیں۔ تین بہنیں اور تین بھائی۔ میرے شوہر جناب محمد اعجاز احمد آئی اسپیشلسٹ ہیں۔ یہ تین بھائی اور دو بہنیں تھے۔ اب ان کے ایک بھائی کا انتقال ہوچکا ہے۔ میرے سسرال والے سانگلہ ہل کے ہیں جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔

س: آپ کی تعلیمی قابلیت کیا ہے؟

ج: میری پوری تعلیم فیصل آباد ہی میں ہوئی۔ میں نے گورنمنٹ کوہ نور ہائی اسکول سے میٹرک، گورنمنٹ کالج فار گرلز مدینہ ٹاؤن سے انٹر اور پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد سے 1999ء میں ایم بی بی ایس کیا۔ میں نے سرجری میں ایف سی پی ایس کیا ہے اور اللہ کے فضل سے میں فیصل آباد کی پہلی فیمیل سرجن ہوں۔ میری شادی 2002ء میں ڈاکٹر اعجاز احمد صاحب کے ساتھ ہوئی۔ میں نے سب سے پہلے فیصل آباد میں گورنمنٹ جاب کی، میں Senior kegis thar تھی اور ساتھ ہی میں شام کو پرائیویٹ پریکٹس کرتی تھی۔

س: آپ نے اپنے لئے میڈیسن کی فیلڈ کیوں چنی، خاص طور سے سرجری کی؟

ج: آپ یوں سمجھ لیں کہ یہ میرا بچپن کا شوق ہے۔ میں بالکل چھوٹی سی تھی۔ یہی کوئی تین سال کی تو جب بھی میں سنتی کہ ایم بی بی ایس فلاں تو میں فوراً کہتی ایم بی بی ایس سائرہ سلیم۔ مجھے ڈاکٹر بننے کا اتنا شوق تھا کہ ایک دفعہ میرے ماموں ایک کرسی لے کر آئے کہ یہ سائرہ کی ہے، اس پر سائرہ بیٹھا کرے گی۔ پھر جیسے جیسے میں بڑی ہوتی گئی اور آگے کی کلاسوں میں پہنچتی رہی تو یہ میرا شوق ہی نہیں میری لگن ہوگئی کہ میں ڈاکٹر بن جاؤں۔ الحمدللہ کہ میرا پورا ہی تعلیمی کیریئر بہت اچھا رہا۔ پھر مجھے اپنے والدین اور گھر والوں کی بھی پوری سپورٹ حاصل رہی سب ہی نے اس مشکل پڑھائی میں میرا پورا پورا ساتھ دیا اور ہر طرح سے میرے ساتھ تعاون کیا۔ میں نے سرجری کی فیلڈ اس لئے چنی اور اس میں اس لئے اسپیشلائز کیا کہ میں دوران پڑھائی اور پھر ہاؤس جاب میں یہ دیکھتی تھی کہ خواتین میل سرجنز کو اپنے مسائل بتاتے ہوئے کافی جھجکتی ہیں اور اگر ایک خاتون سرجن ہو تو وہ اس سے زیادہ کھل کے بات کرتی ہیں اور چیک اپ کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ الحمدللہ کہ میں نے سرجری میں ایف سی پی ایس کیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فیصل آباد کی پہلی خاتون جنرل سرجن ہونے کا اعزاز دیا۔

س: آپ کی فیلڈ میں کس طرح کے کیس آتے ہیں؟

ج: اللہ کا کرم ہے کہ میں ہر طرح کے کیس کامیابی سے کرلیتی ہوں، میرے پاس اپنڈکس، بریسٹ سرجری، بواسیر...... ہر طرح کے کیس آتے ہیں، میں نے بیٹر برین بھی کئے ہیں اور چھ ماہ کی اسپیشلائز ٹریننگ آرتھوپیڈک سرجری کی بھی کی ہے۔ فیصل آباد کے گرد ونواح سے بھی کافی خواتین جن کو سرجری کی ضرورت ہوتی ہے میرے پاس آتی تھیں۔

س: آج کل آپ سعودی عرب میں جاب کررہی ہیں، آپ کو یہ جاب کیسے ملی؟

ج: میں نے 2006ء میں حج کیا تو ہر وقت میری ایک ہی دعا ہوتی کہ یا اللہ ہمیں بار بار یہاں بلا بلکہ یہاں ہی بلالے، حج کے بعد یہاں سعودی عرب کے ایک شہر عنیزہ میں کنگ فہد اسپیشلسٹ اسپتال میں سرجن کی جاب کا اخباروں میں اشتہار آیا تو میں نے اللہ کا نام لے

کر اپلائی کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا اور میری یہاں بطور سرجیکل اسپیشلسٹ تقرری ہوگئی، میں نے تین سال یہاں کام کیا۔ اگر میں پاکستان میں ہوتی تو میں وہاں بھی اب اسسٹنٹ پروفیسر ہوتی کیونکہ مجھے اب ساڑھے سات سال سے زیادہ کا عرصہ پریکٹس کرتے ہوئے ہوگیا ہے۔ عنیزہ میں تین سال جاب کرنے کے بعد اب میں قسیم ریجن کے ایک دوسرے شہر بریدہ میں کنگ سعود اسپتال میں سرجن ہوں۔ میں یہاں آپ کو یہ بتاتی چلوں کہ عنیزہ بھی قسیم ریجن کا ایک شہر ہے۔ بلکہ بریدہ اور عنیزہ جڑواں شہر ہیں۔ میرے شوہر ڈاکٹر اعجاز صاحب قسیم یونیورسٹی میں Optholmology Department میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ میں اس اسپتال میں جاب کرنے کے ساتھ ساتھ ہاؤس جاب کرنے والے سعودی ڈاکٹرز کو پڑھاتی اور مریضوں کے کیس کے بارے میں بتاتی اور سکھاتی بھی ہوں۔ یہاں میں آپ کو یہ بھی بتاتی چلوں کہ بعض دفعہ یہاں ایکسیڈنٹ کے ایسے ایسے کیس آتے ہیں کہ دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ ابھی کچھ عرصے پہلے ہی میں نے کئی ایسے کیسوں کی اسٹیچنگ کی کہ ان کے پورے پورے منہ اور جبڑے کھلے ہوئے تھے۔ اللہ کا بہت ہی شکر اور کرم ہے کہ جو کام ایک پلاسٹک سرجن کا تھا اس مالک نے مجھ سے لے لیا اور ایسے سب مریض صحت یاب ہوکر اسپتال سے رخصت ہوئے۔

س: آپ نے سعودی عرب کے ان بڑے اسپتالوں کو کیسا پایا؟

ج: یہاں کے اسپتالوں کا تو کیا ہی کہنا، حکومت نے عوام کو صحت کے شعبے میں بہت ہی زیادہ مراعات دی ہیں۔ یہ اسپتال کسی طرح بھی کسی مغربی ملک کے اسپتالوں سے کم نہیں۔ ان کے یہاں کے آپریشن تھیٹر ہر طرح کی جدید ترین سہولتوں سے لیس ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ کہ مملکت سعودیہ میں قانون کا احترام ہے اور قانون پر سختی سے عمل ہوتا ہے، ہماری طرح نہیں کہ حکومتی اسپتالوں کی دوائیاں باہر جاکر بک رہی ہیں اور مریضوں کو پانی ملاکر انجکشن دیئے جارہے ہیں۔ اب تو یہاں سعودی لڑکوں کے ساتھ ساتھ کافی لڑکیاں بھی میڈیکل کالجز میں ہیں اور یہ نئی نسل اپنے پروفیشن سے بہت مخلص اور سنجیدہ ہے۔ دوسرے یہاں کے بڑے بڑے اسپتالوں میں پاکستان ڈاکٹرز کی ایک بڑی تعداد کام کررہی ہے اور الحمدللہ کہ اپنے اپنے شعبے میں یہ ڈاکٹر بہت مستند مانے جاتے ہیں۔

س: کیا یہ ہمارا المیہ نہیں کہ ہم جیسے ہی پاکستان سے نکلتے ہیں، ہمارا کردار اور ہمارا شعور ہی بدل جاتا ہے؟ آخر ایسا کیوں ہے؟

ج: جی بالکل ٹھیک کہا آپ نے، میں نے خود فیصل آباد میں سرکاری جاب کی ہے، اپنے ملک میں تو ہمارا یہ عالم ہوتا ہے کہ ہم ڈیوٹی پر دیر سے پہنچیں گے، مریضوں کو وہ توجہ نہیں دیں گے جو دینی چاہئے۔ آپ نے خود بھی دیکھا ہوگا کہ مریض کو درد ہوگا الٹی آرہی ہوگی ڈیوٹی ڈاکٹر کبھی نہیں اٹھے گا، پھر ڈاکٹروں کی لاپروائی اور غیر ذمہ داری دیکھ کر پیرا میڈیکل اسٹاف بھی اسی طرح کا رویہ اپنالیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہاں کام کا لوڈ اور پریشر بہت ہوتا ہے مگر یہ سب وقت کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ او پی ڈی کا وقت صبح آٹھ سے دوپہر دو بجے تک ہوتا ہے اگر ڈاکٹر آٹھ سے کچھ پہلے ہی پہنچ جائیں تو حالات بہت ہی بہتر ہوجائیں جب ڈاکٹر ہی نو بجے اور کہیں کہیں ساڑھے نو بجے آئے گا اور ایک بجے اٹھنے کی فکر کرے گا تو آپ سب دیکھتے ہیں کہ اس ایک عمل سے کس قدر افراتفری پھیلتی ہے۔ آپ کے سوال کا دوسرا حصہ تو ایسا ہے کہ میں خود آج تک یہ نہیں سمجھ پائی کہ آخر ہم پاکستان سے نکلتے ہی قانون کی پابندی کرنے والے، وقت پر کام کرنے والے اور اتنے باشعور کیسے بن جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں پاکستان کی قدر نہیں ہے اور

ہم سب صرف شکایتیں کرنے والے بن گئے ہیں۔

س: آپ کے خیال میں آج پاکستان کا خصوصی طور سے اور پوری امت کا مجموعی طور پر سب سے اہم مسئلہ کیا ہے؟

ج: میرے خیال میں پاکستان کا سب سے اہم مسئلہ کرپشن ہے، حکومتی سطح پر تو اتنی زیادہ کرپشن ہے کہ ان کے لئے ہر حرام، حلال ہو چکا ہے، بغیر پیسے کے کوئی کام نہیں ہوتا، بیوروکریٹس چاہتے ہیں کہ ان کی ہر چیز، ہر کام سرکاری پیسے سے ہو جو درحقیقت عوام کے خون پسینے کی کمائی سے دیئے گئے ٹیکس ہوتے ہیں۔ پھر کرپشن صرف مالی ہی نہیں ہے، وقت پر ڈیوٹی پر نہ آنا، ڈیوٹی پر ہوتے ہوئے چائے پانی میں وقت گزارنا، پھر پوری تنخواہیں لینا، یہ سب بھی کرپشن ہی ہے۔ پوری امت کے مسئلے کے طور پر میں سمجھتی ہوں کہ سستی ہماری بنیادی کمزوری بن چکی ہے۔ آپ جس اسلامی ملک پر نظر دوڑائیں آپ کو مستعد اور ذمہ دار افراد بہت کم ملیں گے۔ اب یہ گھر کی تربیت ہے کہ والدین بچپن ہی سے بچوں کو چست اور ذمہ داری کا احساس رکھنے والے کیوں نہیں بناتے۔ ان مسئلوں کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے بچپن کی تربیت۔

س: پاکستان کے حوالے سے آپ بتائیں کہ کرپشن کیسے دور کی جائے؟

ج: میں سمجھتی ہوں کہ عوام ہمیشہ حکومتی افراد کو دیکھتے ہیں، جب ہمیں بیوروکریسی کی لشکارے مارتی ہوئی گاڑیاں، ان کے گھروں کے ٹھاٹ باٹ، ان کا رہن سہن، ان کے بچوں کی شادی بیاہ کی تقریبیں اور دوسری پارٹیاں نظر آتی ہیں، جن پر بلا مبالغہ کروڑوں روپیہ صرف ہوتا ہے تو پھر ہر طرف ایک دوڑ ایک ہوس شروع ہو جاتی ہے۔ آپ کو میں اپنا بتاؤں کہ میری امی نے ہماری شادیوں پر ایک اسٹینڈ لیا، انہوں نے شریف لوگ دیکھے، کردار دیکھا اور بالکل سادگی سے سب کی شادی کردی۔ الحمدللہ کہ ہم سب ہی اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ تو ہم سب کو سادگی اپنانی ہوگی جس کے پاس ہے وہی آگے بڑھے اور اپنا کردار ادا کرے ورنہ تو ہم اور بھی ڈوبیں گے۔

س: قارئین حیا کو آپ کیا نصیحت کریں گی؟

ج: میں کیا کسی کو نصیحت کروں گی بس مجھے یہ کہنا ہے کہ ہمیں وقت کی قدر کرنی چاہئے۔ ہر کام وقت پر دل لگا کر کریں اور وقت ضائع نہ کریں۔

☆......☆......☆

اگر سنت زندہ ہو سکے

دیوبند اور نواح دیوبند میں نکاح بیوگان کو انتہا درجہ کا عیب سمجھا جاتا تھا۔ مولانا نانوتوی نے لطیف پیرایہ میں اس کی تحریک شروع کی۔ جب اندرونی طور پر خواص کو اپنا ہم خیال بنایا تو اس کے بعد جلسۂ عام کیا۔ اس میں مولانا نانوتوی نے وعظ فرمایا۔ بہت بڑا مجمع تھا، تقریر کے دوران حضرت گھر گئے۔ حضرت کی بڑی بہن بیوہ تھیں، ۹۵ برس کی عمر میں کہاں نکاح کے قابل! مگر حضرت نے فرمایا کہ آپ نکاح کرلیجئے۔ بہن نے فرمایا کہ اگر سنت رسول میری وجہ سے زندہ ہو سکے تو میں جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ حضرت نے نکاح پڑھایا۔ اصلاح معاشرت اور رسومات مٹانے کے لیے حضرت نے خود اپنے گھر سے قربانی پیش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی مجلس میں ستر اسی نکاح پڑھے گئے۔

☆......☆......☆

عورت کیا ہے......؟

ماں کے روپ میں باعثِ جنت، بیٹی کے روپ میں باعث رحمت، بہن کے روپ میں باعثِ عزت اور بیوی کے روپ میں باعثِ سکون ہے۔

باوفا بھی ہے اور بے وفا بھی، نرم دل بھی ہے اور سنگ دل بھی، نیک ہو تو گھر میں سکون ہوتا ہے۔

☆......☆......☆



ام حیات ہنگورا

وہ دبلی پتلی، لمبے قد کی سانولے رنگ کی خاتون تھیں۔ آتے ہی انہوں نے سلام کیا۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!"

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! تشریف رکھئے۔" میں نے جواباً کہا، تو وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جی فرمایئے، کس سلسلے میں آنا ہوا۔" مجھے ان کی شخصیت عجیب پراسراری لگ رہی تھی۔

"مجھے تو نہیں آنا تھا، مگر یہ مجھلی آپا کسی کی مانتی کب ہے، زبردستی بھیجا ہے، وہ مجھے کہتی ہیں، میں جنونی ہوگئی ہوں اور میں اپنا نفسیاتی علاج کراؤں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، میں سچی اور کھری بات کرتی ہوں، تو یہ اس کو میرا جنون کہتے ہیں، خیر گھر سے باہر نکلنے کا بہانا سہی، میں بھی قید میں رہ کر تنگ آگئی ہوں۔" وہ تلخ انداز میں مسکرادی۔

"نام پوچھ سکتی ہوں۔" اتنی دھان پان سی ہونے کے باوجود ان کی شخصیت میں عجیب قسم کا رعب تھا۔ مجھے بھی بات آگے بڑھاتے ہوئے جھجک سی ہوئی۔

"پروین نام ہے میرا، گھر میں سب چھوٹی آپا کہتے ہیں، میری بھابی بھی جو مجھ سے عمر میں بڑی ہیں، مگر سب کے سامنے مجھے بڑا ثابت کرنے کے لئے چھوٹی آپا کہتی ہیں۔" وہ تلخ ہی بول رہی تھی۔

"ہوسکتا ہے آپ غلط سمجھ رہی ہوں، وہ آپ کی عزت کرتی ہوں، اس لئے چھوٹی آپا کہتی ہوں۔" میں نے بات آگے بڑھائی۔

"اونہہ عزت، عزت صرف اتنی ہیں کہ غیروں کے سامنے، چھوٹی آپا، چھوٹی آپا کرکے آگے پیچھے پھرتی ہیں ورنہ خاطر میں بھی نہیں لاتی اور کئی کئی دن تک بات نہیں کرتی۔ جتنی میری عمر ہے اس سے زیادہ میرا تجربہ ہے لوگوں کے چہرے دیکھ کر ان کے اندر تک اتر جاتی ہوں، کون کیسا ہے مجھے فوراً پتہ چل جاتا ہے اور میں پھر اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک رکھتی ہوں، جیسے تم۔ تم مجھے بے ضرر سی لگیں اس لئے میں تم سے کھل کر بات کر رہی ہوں، امید ہے میری توقع پر پوری اترو گی۔" وہ یہ کہہ کر میرے چہرے کو بغور دیکھنے لگی تو میں گڑبڑا گئی، مجھے تو ایک لمحے ایسا لگا کہ وہ ڈاکٹر ہیں اور میں علاج کے لئے آئی ہوں، خیر میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ان سے تو بہت سوچ سمجھ کر بات کرنی پڑے گی، کیونکہ ان کا "میں" بہت بڑا تھا، جو ان کا اصل مسئلہ لگ رہا تھا۔

"بچے کتنے ہیں آپ کے؟" میں نے عام سوال کیا

تو وہ یکدم غصہ میں آ گئیں۔
"تم سے میں نے یہ کب کہا کہ میں شادی شدہ ہوں، ذرا سوچ سمجھ کر بات کرو۔"
"اچھا آپ اپنے متعلق ذرا تفصیل سے مجھے بتادیں تاکہ مجھے آپ سے بات کرنے میں آسانی ہو۔" میں مسکرائی، حالانکہ اس جھڑک کے بعد مسکرانا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔
"ہم سات بہن بھائی ہیں، دو بہنوں کی شادیاں ہوئی ہیں، اس میں ایک تو مرگئی ہے جبکہ ایک بھائی نے ابھی سات سال پہلے شادی کی ہے، کیا اچھا ہی ہوتا عباس کی طرح شاکر بھی شادی نہ کرتا تو زندگی اس قدر بد صورت نہ ہوتی، ہم تین بہنوں اور ایک بھائی کی شادی نہیں ہی۔ سب سے بڑی زبیدہ آپا ہیں، ان کے چھ بچے ہیں، پھر رشیدہ آپا تھیں، ان کی اولاد نہیں تھی، پھر چمن آپا ہیں، سب ان کو بڑی آپا کہتے ہیں، پھر عباس بھائی ہیں، ان کے بعد شاکر بھائی ہیں، انہوں نے شادی اپنی مرضی اور پسند سے سات سال پہلے کی ہے، پھر عابدہ آپا ہیں، ان کو منجھلی آپا کہتے ہیں، جنہوں نے مجھے زبردستی آپ کے پاس بھیجا اور پھر میں ہوں پروین، گھر میں اب سب مجھے چھوٹی آپا کہتے ہیں، جب سے وہ ہماری بھابی صاحبہ آئی ہیں روشن آرا خاتون۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئیں، پھر دوبارہ کہنے لگیں۔
"ہم سب بہنوں نے گریجویشن کیا ہوا ہے جبکہ دونوں بھائی ہمارے پروفیسر ہیں اور شاکر بھائی نے اپنی کولیگ سے شادی کی ہے، ان کے دو بچے ہیں، بچے ہیں آفت کے پرکالے ہیں، ناک میں دم کردیتے ہیں، ہم لوگوں کو اب ہنگاموں کی عادت نہیں رہی اور یہ دونوں بچے ہروقت گھر میں ادھم مچائے رکھتے ہیں اور ہیں بھی دونوں لڑکے اف میری توبہ، مجھ سے تو اکثر پٹ ہی جاتے ہیں۔" انہوں نے قدرے تفصیل سے اپنے متعلق بتادیا۔
"آپ سب ساتھ رہتے ہیں۔" میں نے سوال کیا۔
"تو اتنی دیر سے کیا بک رہی ہوں، ڈاکٹر ہو مگر بڑی کم عقل ہو۔" انہوں نے مجھے پھر لتاڑ دیا۔
"نفسیات تو میں نے بھی پڑھی ہے مگر ابو جان نے ڈاکٹر نہیں بننے دیا، کہا، بس اتنی تعلیم کافی ہے، آج کچھ نہ ہوتا کم از کم میرا تمہارے جیسا کلینک تو ضرور ہوتا اور چلتا بھی خوب، لگتا ہے تمہارے فضول سوالوں سے بہت کم لوگ ہی تمہارے پاس آتے ہوں گے، حلیہ بھی عجیب بنایا ہوا ہے، اب یہاں پر جب کوئی آدمی نہیں ہے تو اتنا بڑا اسکارف پہننے کی کیا ضرورت ہے، اتنی گرمی ہے، کم از کم یہاں تو آرام سے بیٹھو، مگر تم بھی مجھے لگتا ہے بڑوں کی باتیں نہیں مانتی ہوگی، تمہاری بھی ماں بہنیں تمہیں سمجھاتی ہوں گی مگر تم وہی کرتی ہوگی جو تمہارا دل کہتا ہوگا، پردہ اچھی بات ہے، مگر خود کو جان بوجھ کر تکلیف میں ڈالنا حماقت ہے۔" اب میں ان کو کیا سمجھاتی کہ اسکارف لینا تو ضروری ہے، سر کا ڈھانکنا تو ہر عورت کے لئے ضروری ہے۔ چاہے وہ اکیلے ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ اگر عورت کا سر کھلا ہو تو رحمت کے فرشتے نہیں آتے، وہ بھی حیا کرتے ہیں جبکہ عورتیں ہی حیا نہیں کرتیں، مجھے ان کو جواب دینا مناسب نہ لگا، اس لئے میں نے بات کا رخ پلٹ دیا۔
"رشیدہ آپا کا انتقال ہوگیا ہے؟" میں نے نوٹ بک پر نظر ڈالی۔
"ہاں بے چاری! ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرگئی مگر جیسی کرنی ویسی بھرنی، اللہ تعالیٰ بہترین انصاف کرنے والا ہے۔" وہ پھر تلخ لہجے میں بولیں۔
"پروین جی مرنے والے کے متعلق ایسی باتیں نہیں کرتے، بہت گناہ ملتا ہے، وہ آپ کی بڑی بہن تھیں۔" میں نے ان کو نرم لہجے میں سمجھایا۔ بہن نہیں ناگن تھی اور اس کا شوہر ناگ، ڈس گیا ہم بہن بھائیوں کی زندگی کو صرف جائیداد کی خاطر۔ صرف جائیداد کی خاطر اس نے ہماری شادیاں نہیں ہونے دیں، اس نے اور نادر نے مل کر ہماری زندگیاں برباد کرڈالیں، ہمارے

خاندان میں خاندان سے باہر شادی نہیں کی جاتی، زبیدہ آپا اور رشیدہ آپا کا تو رشتہ چچا جان کے گھر ہوگیا، مگر ہم سب کو خاندان میں رشتے نہ ملنے پر زنداں کے قیدیوں کی طرح زندگی گزارنی پڑی، جائیداد غیروں میں چلی جائے گی، اس وجہ سے ہمارے رشتے ٹھکرا دیئے جاتے اور ہم بہنوں کی خاطر عباس بھائی نے اب تک شادی نہ کی مگر شاکر خود غرض نکلا، بیاہ لایا غیر خاندان کی بہت کچھ بھی نہ کرسکیں، ویسے کیا کرلیتیں اللہ نے ان کو اولاد ہی سے محروم رکھا، شوہر ان کا فالج سے مرگیا اور خود۔" وہ یہ کہتے ہوئے مسکرانے لگی۔
مجھے منجھلی آپا کا تجزیہ صحیح لگا تھا، حالات نے ان کو جنونی بنادیا تھا، پھر وہ دوبارہ کہنے لگی۔
"خود سیلاب میں بہہ گئیں، بہت بڑی کوٹھی تھی ان کی، اب قبرستان کا نقشہ پیش کرتی ہے، وہی کوٹھی ان کے لئے وبال بن گئی۔"
میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا بات کروں، حالات نے ان کی زبان کو تند و تیز تلوار بنادیا تھا، جس کی کاٹ سے دل چیر جائیں۔
"ضروری تو نہیں ان میں صرف خامیاں ہی ہوں، کچھ اچھائیاں بھی ضرور ہوں گی، کبھی آپ نے اس پر غور نہیں کیا۔" میرا جملہ سن کر وہ بغور مجھے دیکھنے لگیں۔
"اچھا نکتہ اٹھایا ہے تم نے، دل میں اتنے حسد اور ہوس کے بعد جو اچھائیاں ہوں گی وہ کس قابل رہ جائیں گی، اچھائیاں تو ساری برائیوں نے ڈھانپ لیں، پھر کیا باقی بچا، غریبوں کو کھانا کھلاتیں تھیں، مزاروں پر ترس کھاتی تھیں، لوگوں کے مسئلے مسائل حل کرتی تھیں، کبھی بھی اونچی آواز میں بات نہیں کرتی تھیں۔ مگر کس کام کی یہ اچھائیاں، جب بھی میری امی نے ہماری شادیوں کے متعلق بات کی تو یہ کہہ کر ان کو خاموش کرادیتیں کہ ان کی شادیاں قرآن سے ہوچکی ہیں، یہ ظلم نہیں ہے، ہم پڑھے لکھے لوگوں کی شادیاں بھی قرآن سے ہوتی ہیں، ہم پچھلے چالیس سال سے شہر میں ہیں، آپا بھی شادی کرکے گاؤں گئی تھیں، ناصر ہمارا چچازاد ہے، ابو شہر میں آگئے تھے، چچا لوگ بلکہ ہمارا پورا خاندان گاؤں میں تھا، ابو سب سے بڑے تھے، ہمارے لئے رشتے کا مسئلہ رہا اور پھر میرے امی ابو تک کے پڑھے لکھے ہونے کے باوجود ہمارے ساتھ آپا اور خاندان والوں نے یہ ظلم ڈھایا، اب ان کے لئے دعا تو نہیں نکل سکتی۔" وہ پھر خاموش ہوگئیں۔
"بھابی بچوں سے کیوں ناراض ہیں، ان کا کیا قصور ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"ان کو دیکھ کر تو ہماری حسرتیں بڑھ جاتی ہیں، میرے برابر یا مجھ سے ایک دو سال چھوٹی ہوں گی بھابی، پھر میرا کیا قصور ہے کہ میں ایسے زندگی گزاروں، شاکر نے ہمارا کیوں نہیں سوچا، ساری دنیا خود غرض، مطلبی ہے، ہمارا دین، ایمان اور پیسہ ہے، ہماری زندگیوں کا حساب کون دے گا، بڑی آپا، منجھلی آپا اور عباس بھائی کی برداشت بہت زیادہ ہوگی، مگر میں، میں......" وہ اتنا کہہ کر مٹھیاں بھینچنے لگیں۔
"میں رشیدہ آپا سے بھی لڑتی تھیں، میں ان سے بات نہیں کرتی تھی، دوسری بہت ہمدردی ہم سے ہے تو صرف زبیدہ آپا کو، ورنہ شاکر بھی اپنی بیوی بچوں کا ہوکر رہ گیا ہے۔" وہ بات مکمل کرکے کھڑی ہوگئی۔
"تم میرا کیا علاج کروگی، میری زندگی جادو کی چھڑی گھما کر بدل دوگی۔ میری زندگی کے بہترین سال جو میں زندان میں گزار چکی ہوں، کیا لوٹا سکوگی، کیا میری حسرتوں کو پورا کرسکوگی، کبھی میرے گھر آنا میں تم کو بتاؤں گی، ہم کیسے رہتے ہیں۔" وہ یہ کہہ کر جانے لگیں۔
"ایک منٹ پروین جی، میری بات سنیں گی۔" میں نے ان کو جانے سے روکا۔
"کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔" وہ مڑ کر بولیں۔
"منجھلی آپا کو کیا جواب دیں گی۔" میں نے سوال کردیا۔
"منجھلی آپا، ان ہی کی تو بدولت یہاں پر آئی ہوں

ورنہ.....'' وہ دوبارہ کرسی پر آ کر بیٹھ گئیں۔
''جو ہو گیا سو ہو گیا، آگے کو بہتر نہیں بنانا چاہیں گی آپ۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔
''آگے کیا بہتر ہوگا، یونہی جلتے کڑھتے قبر میں اتر جاؤں گی۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں بولیں۔
''نہیں کچھ راستے بن سکتے ہیں، جن کی بدولت آپ بہتر زندگی گزار سکتی ہے، مگر اپنے غصے کو قابو کرنا ہوگا۔'' میری بات سن کر انہوں نے اپنا سر جھکا لیا اور پھر مجھ سے کہنے لگیں۔
''کیوں آس دلا رہی ہو، ہمارے تمام راستے صرف قبرستان ہی کی طرف جاتے ہیں۔'' وہ مایوس لہجے میں بولیں۔
''راستے تو سب کے قبرستان ہی کی طرف جاتے ہیں۔'' میں نے شعر پڑھا:

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا
کہاں جارہا ہے کدھر دیکھتا ہے

''ہوں مگر ہماری طرح کی زندگیاں کون گزارتا ہوگا، شاذونادر ہی تم نے سنا ہوگا ایسا۔'' وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
''بہت مشکل بات کہہ دی آپ نے، دنیا میں جتنے لوگ ہیں، ظاہر ہے ہم سب کے متعلق تو نہیں جانتے، قرآن کریم بنی نوع انسان کے لئے نور ہدایت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے بہت ساری چیزیں سمجھائی ہیں جس میں ایک بات یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' میں رک کر ان کو دیکھنے لگی تو ان کو اپنی طرف متوجہ پایا۔
''ناشکرا پن ہی تو ہے کہ ہم کو جو نعمتیں ملی ہیں اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور جو نہیں ملتا، اس کو سوچ کر ساری زندگی کڑھ کڑھ کر گزار دیتے ہیں۔'' میں آگے کہنے لگی تو انہوں نے بات کاٹی۔
''تمہاری شادی ہوئی ہے۔'' میں گڑبڑا گئی۔
''جی'' میں نے ساتھ ہی سر بھی ہلایا۔
''بچے ہیں'' انہوں نے پھر پوچھا۔
''جی، الحمدللہ چار ہیں'' میں نے جواباً کہا۔
''تبھی ہی تو اس طرح کی باتیں کر رہی ہو، تم کو یہ سب نہ ملتا تو میں پوچھتی تم سے ناشکرا پن کیا ہوتا ہے، تم میری احساسات کو کیسے سمجھ سکتی ہو، بس دو چار نصیحت بھری باتیں کہوں گی، اللہ رسول کے متعلق بتاؤں گی، اللہ اللہ خیر صلا تمہارا کام یہی ہے، مگر صرف باتوں سے زندگی نہیں گزرتی۔'' انہوں نے میری بات مکمل طور پر رد کردی۔
''آپ اپنی جگہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں گی، میں آپ کا علاج Dialogues ہی سے کروں گی، کچھ آپ کہیں گی، کچھ میں کہوں گی اور آپ کی کہی ہوئی باتوں میں سے جو Posituie ہوگا، اس کو ہم لے کر چلیں گے، کچھ چیزیں ایسی ہیں، جس کا کوئی فیصلہ کوئی ''تک'' نہیں بنتا۔ ہم سوچتے ہیں ایسا کیوں ہوا، لیکن ہوتا رہتا ہے، وہ جو علیم مطلق ہے، جو مالک ہے سب کا، اپنی مرضی سے جو چاہتا ہے، کرتا ہے اور اس کی مرضی میں کوئی راز نہیں ہوتا ہے، بالکل اسی طرح اگر کوئی چار پانچ سال کا بچہ اتفاق سے اسپتال کے آپریشن تھیٹر میں چلا جائے اور دروازہ کھلا ہوا ہو اور سرجن کام کر رہے ہوں ایک بندے کے اوپر، ان کے ہاتھوں میں اوزار ہوتے ہیں، ان کے منہ پر ماسک ہوتا ہے، تو وہ بچہ تو چیخیں مارتا ہوا نکلے گا اور کہے گا، ظلم ہو رہا ہے، اچھے بھلے آدمی کا پیٹ کاٹ رہے ہیں، لوگوں جاؤ، اس کی جان بچاؤ، تو کچھ حال ایسا ہی انسان کا ہے، وہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ میری عقل دانش کے مطابق ہے، چیونٹی جیسے ایک سمندر کو نہیں سمجھ سکتی، انسان اللہ تعالیٰ کے راز افعال اور اس کے کام اور قانون کو نہیں جان سکتا، ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس نے ہمیں شریعت اور احکام دیئے ہیں، اس کا احسان ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پورا روڈ میپ دے دیا ہے، انسان جو ہے وہ بڑا بے صبرا ہے اور ناشکرا ہے، بہت کم لوگ شکر ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اکثر مقامات پر یہ بات کہی ہے، سورۂ ملک میں بھی اللہ تعالیٰ یہی فرماتے ہیں: ''قلیلا ماتشکرون'' ''اور بہت کم لوگ شکر ادا کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے ان کا بغور جائزہ لیا کہ ناگواری کے تاثرات تو نہیں ابھر رہے، جو ان کے چہرے پر ان کی شخصیت کا خاصہ بن چکی تھی۔
''انسان کی ایک خاصیت ہے، چھوٹے سے دھبے کو نہ صرف پھیلا کر اپنی زندگی ہی نہیں، اپنے اردگرد اور ساری زندگی پر محیط کر لیتا ہے اور خود اس دائرے کی لپیٹ میں آجاتا ہے، جب مشکلات اور مصیبتیں آتی ہیں تو اگر ہم غور کریں تو ان کا ایک حصہ بالکل چھوٹا سا ہماری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے، لیکن ہم اس دھبے کو اتنا پھیلا دیتے ہیں کہ وہ دھبہ ہمارا حکمران بن جاتا ہے، جب تکلیف پڑتی ہے تو چیختا چلاتا ہے اور جب خوشی کا لمحہ آتا ہے تو اس کو بھی پھیلاتا ہے کہ میں سارے کا سارا خوش ہو گیا، حالانکہ اس میں خامیاں، کمزوریاں اور کوتاہیاں بدستور موجود ہوتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے افعال کو جاننے کی آرزو ہے تو ہم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر صدق دل سے عمل کرنا ہوگا۔'' میں نے یہ کہہ کر گھڑی دیکھی۔
''وقت زیادہ ہو گیا ہے کل آؤں گی دوبارہ۔'' پروین جی نے ڈھڑلے سے کہا۔
میں نے اپائمنٹ بک کھولی تو اتفاقاً وقت تھا میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا، ورنہ ان کو اس پر بھی سمجھانا مشکل ہو جاتا۔ ٹھیک پانچ بجے، میں نے وقت بھی کنفرم کر دیا۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! آج میں نے پہلے سلام کیا۔
''وعلیکم السلام'' وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔
''تمہاری بات مکمل مجھے سمجھ میں نہیں آئی، لیکن ایسا محسوس ہو رہا ہے شاید میری گھٹن کچھ کم ہو رہی ہے۔'' وہ آتے ہی بولیں۔
''اچھا میں آپ سے ایک سوال کروں گی مگر آپ اس کا جواب غصے سے نہیں سوچ سمجھ کر دیں گی۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔
''صحیح سوال پوچھنا، الٹی سیدھی بات مت کرنا۔'' انہوں نے مجھے پہلے سے تنبیہ کردی۔
''لوگوں نے اگر آپ کو کچھ نہیں دیا تو آپ نے لوگوں کو کیا دیا ہے؟''
''میں نے لوگوں کو کیا دیا ہے۔'' انہوں نے سوال دہرایا۔
''شاید کچھ بھی نہیں، میں نے کسی کو کچھ نہیں دیا۔'' وہ طنزیہ ہنسی۔
''کبھی اپنوں کو اپنی مسکراہٹ بھی دی۔'' میں نے پھر سوال کیا؟
''پوری زندگی تو گزار دی ان کے اصولوں کے لئے، جان بھی دے دوں کیا۔ خیر جان بھی کسی دن نکل جائے گی۔'' وہ پھر تلخ ہو گئیں۔
''آپ کو جو زندگی سے شکایت ہے، کیا بڑی آپا، منجھلی آپا اور عباس بھائی کو نہیں ہے۔'' میں نے موضوع بدلا۔
''نہیں، انہوں نے زندگی سے سمجھوتہ کر لیا ہے، ان کو روشن آرا اور ان کے بچوں میں کوئی برائی نظر نہیں آتی، وہ اپنے ماں باپ کے ظالمانہ فیصلے کو قدرت کا لکھا سمجھ کر ٹال دیتے ہیں، وہ لوگ اپنی زندگی سے مطمئن ہیں یا مطمئن نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں، یا ان کے سینوں میں دل نہیں ہے، یہاں دنیا میں جو لوگ اچھے ہیں، ان کو دنیا میں اتنی تکلیفیں کیوں اٹھانا پڑتی ہیں اور جو برے لوگ ہوتے ہیں، وہ دندناتے پھرتے ہیں، مگر خیر ان کا انجام۔''
''پلیز پروین جی، آپ دوبارہ ایسا نہیں کہیں گی میں نے ان کو ٹوک دیا۔''
''کیوں بھلا میں کیوں نہ برا بھلا کہوں، میری

زندگی تباہ کرنے میں اس کا ہاتھ تھا، مجھے مایوسی کی دنیا میں دھکیل دیا، مجھے زندگی سے نفرت دلا دی، میرا رشتوں پر سے اعتماد ختم کردیا، میں کیسے بھول جاؤں، یہ اتنا آسان ہوتا تو منجھلی آپا مجھے تمہارے پاس ہرگز نہ بھیجتی۔ وہ کہتے کہتے رک گئی۔"

"پروین جی، انسان وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو آسانی عطا کرے، آپ صرف یہ دیکھیں کہ آپ نے دوسروں کو کیا آسانی فراہم کی ہے، لوگوں کو صحت دی ہے، جس کے پاس جو ہوگا وہ دوسرے کو دے گا، آپ کے پاس کیا ہے، صرف آپ یہ سوچیں، ٹھیک ہے آپ کی شادی نہیں ہوئی، آپ کے بچے نہیں ہیں، یہ آپ کے مقدر میں نہیں تھا، جس نے برائی کی وہ اس کا عمل تھا، مگر اس کے علاوہ زندگی میں کیا کچھ آپ کو نہیں ملا، کیا کسی دن بھی آپ کو یہ سوچنا پڑا کہ کل کیسے گزرے گی، کبھی خداوند کریم نے آپ کو روپے پیسے کی تکلیف دی، آپ کے دکھ درد کو محسوس کرنے کے لئے ایک نہیں، تین ساتھی دیئے، جن کی زندگی بھی آپ ہی کی طرح گزر رہی ہے، مگر وہ اسے بڑے صبر شکر سے گزار رہے ہیں، کیا وہ لوگ اپنی ذات سے لوگوں کو تکلیف دے رہے ہیں، آدمی کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ اس کے اندر کیا خرابی ہے، وہ اپنی خرابی پر غور نہیں کرتا، وہ ساری ذمہ داری دوسروں پر ڈالتا ہے، فلاں چیز کیوں ہوئی، کبھی ان لمحات میں دوبارہ جانے کے بعد صرف اپنی کمی، کوتاہیوں کو تلاش کریں۔"

جب پڑی اپنے عیبوں پر نظر
نظر میں کوئی برا نہ رہا

بات مکمل کرنے پر میں نے پروین جی کو غور سے دیکھا تو وہ خیالوں میں گم نظر آئیں۔

☆......☆......☆

"چمن، احمد پڑھا لکھا نہیں ہے تو کیا ہوا، گھر کا بچہ ہے، ورنہ کنواری بیٹھی رہ جائے گی۔" اماں چمن کی خوشامد کررہی تھی جبکہ پروین مستقل انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

میں چمن آپا کی شادی احمد سے نہیں ہونے دوں گی، وہ چار بچوں کا باپ ہی رہ گیا ہے، میری آپا کے لئے، اتنی نازک سی ہیں اور وہ ہاتھی کا بچہ، کوئی جوڑ نہیں بنتا۔" پروین ماں سے الجھ گئی۔

"دیکھ پروین تو بیچ میں نہ بول، تیری وجہ سے عابدہ کا رشتہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔"

"تو کیا اماں اس بگلے سے بڑی آپا کی شادی کردو گی، اماں کوئی جوڑ تو ہو، خدا لیا یہ ظلم تو نہ کریں۔"

"بیٹا یہ ظلم نہیں ہے، اگر ان دونوں کی شادیاں نہ ہوئیں تو، تو اور عباس بھی بیٹھے رہ جاؤ گے، اللہ کے واسطے تو ان کے بیچ میں نہ بول، یہ جیسے بھی ہیں، اپنے ہیں۔"

"باز آئی میں ایسے اپنوں سے۔" چمن بھی بیچ میں بول پڑی تو اماں آہ بھر کر رہ گئیں۔

☆......☆......☆

"یہ کیا تماشہ لگایا ہے تم نے پروین، ہم نے بھی تو گاؤں میں شادیاں کی ہیں، چمن اور عابدہ انوکھی تو نہیں ہیں۔" رشیدہ نے آتے ہی پروین پر غصہ کرنا شروع کردیا۔

"رنڈوے اور ملنگے نہیں ہیں نادر بھائی۔"

"ٹھیک ہے پھر تم سب اسی طرح زندگی گزارو، خاندان سے باہر تو شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ورنہ میں سب کی جان ایک کردوں گی، نادر جیسے جاہل کے ساتھ میں گزارا کررہی ہوں، تم لوگوں کو بھی اسی خاندان میں آنا ہوگا۔" رشیدہ نے حتمی بات کہی۔

"رشیدہ آپا، آپ کے ساتھ جو ہوگیا، اس کا بدلہ ہم سے تو نہ لیں۔"

"کیوں نہ لوں، ہر جگہ ٹاپ کیا میں نے اور مجھے بیاہ دیا جاہل اجڈ گنوار کے ساتھ اور جہاں میں رہتی ہوں، وہاں رہ کر دکھاؤ تو مانوں، جب میری شادی پر تم لوگوں کو اعتراض نہیں تھا تو ان لوگوں کی شادی پر کیوں ہے اور اب پھوپھی، طاہر کا رشتہ بھی پروین کے لیے لے کر آنے والی ہیں، آپ لوگ ان کا رمت کیجئے گا، اس کے سوا خاندان میں کوئی اور لڑکا پروین کے لئے نہیں بچا ہے۔"

"وہ منگول اس سے میری شادی کروائیں گی آپا، آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے، ہم بہنوں پر یہ ظلم کیوں ڈھا رہی ہیں۔" پروین چیخ اٹھی۔

"پروین ادب سے رہو، بڑی بہن ہوں تمہاری، وہ منگول نہیں ہے، بس ذرا کم سمجھ ہے، تم گزارا کرلوگی۔"

"آپا کس جنم کا بدلہ لے رہی ہیں، میں مرجاؤں گی مگر طاہر سے شادی نہیں کروں گی۔" پروین روتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

"کب تک تم لوگ ایسے زندگی گزارو گے، میں ایسی زندگی نہیں گزار سکتا، آپا میری شادی کرادو۔" شاکر زبیدہ آپا کی منتیں کررہا تھا۔

"شاکر میں رشیدہ کے منہ نہیں لگتی، تم خود ہی اس سے بات کرلو۔"

"انہی سے تو ڈر لگتا ہے، میں خود ہی کوئی انتظام کرلوں گا۔" شاکر دھیرے سے بڑبڑایا۔

"بھلی ہی گزر گئی اپنی شاکر، یہاں پر ہم بہن بھائی مل کر سکون سے زندگی تو گزار رہے ہیں، صرف شادی ہی تو نہیں ہوئی، رشیدہ کو شادی کرکے کیا سکھ ملا، ہم نے ان سے بہتر زندگی گزاری ہے۔ شکر ادا کرو۔" عابدہ شاکر کو سمجھا رہی تھی۔

"اپنا بدلہ لیا تو کیا فائدہ، آپا مگر میں چینج چاہتا ہوں، میں خاندان سے باہر ضرور شادی کروں گا، آپ لوگ مانتے نہیں، ورنہ ابھی بھی آپ لوگوں کی شادیاں ممکن ہے۔" شاکر نے سمجھایا۔

"خود بچوں والی سے شادی کروگے، ہم لوگوں کے لئے یہ رنڈوے اور طلاق یافتہ ہی بچے ہیں۔ خود پہلے بھی ایسی خاتون سے کرکے دکھاؤ تو بات ہے۔" پروین نے ٹوکا۔

"مجھے اگر کنواری مل جاتی ہے تو کیا برائی ہے آپا۔"

تو ہمارے لئے بھی کنوارے ہی تلاش کرو، ورنہ چپکے بیٹھے رہو۔" پروین جھنجلاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

"یہ روشن آرا خاتون ہیں، آپ کی بھابی۔" شاکر نے گھر میں گھستے ہی دھماکہ کیا۔

"تمہاری یہ جرات کہ تم نے کنواری بہنوں کے ہوتے ہوئے بیاہ رچالیا، تم کو خدا کا خوف نہ آیا، تم کو صرف اپنے ارمان ہی نظر آئے، تم کتنے کم ظرف نکلے شاکر۔" رشیدہ آپا نے شاکر کو بری طرح لتاڑ دیا۔

"آپ اپنے گھر میں رہا کریں، ہمارے معاملے میں مت بولیں، میں بڑی آپا سے ان کو ملوا رہا ہوں، آپ سے نہیں۔" شاکر نے روشن آرا کو بڑی آپا کی طرف آگے کیا۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا شاکر۔" پروین بیچ میں بولی۔

"میں نے تم لوگوں سے مشورہ نہیں مانگا، اب جو بھی ہے روشن آرا میری زوجہ ہیں۔"

☆......☆......☆

"بھابی کا کھانا آپ نے کیوں پکایا ہے بڑی آپا، ہم ان کی نوکرانیاں ہیں۔" پروین بڑی آپا سے الجھ پڑی۔

"پورا دن کی تھکی ہاری آتی ہے، جب سب کا پکتا ہے تو اس کا بھی پک جائے گا، اتنی فضول بات کیوں کرتی ہو چھوٹی۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کریں، اس طرح تو ہم ان کے خدمت گار بن جائیں گے۔"

"پروین تم ہر بات کو غلط طریقے سے کیوں دیکھتی ہو۔"

"رہنے دیں بڑی آپا، آپ سے بات کرنا ہی فضول ہے۔" پروین غصے سے جلتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

"دیکھیں پروین جی، ہماری جو سب سے بڑی کوتاہی ہے کہ ہم اپنی خامیوں اور کمیوں کو دور کرنے کے بجائے ہر وقت دوسروں پر تنقید کرتے رہتے ہیں، جس کی

وجہ سے ہم اللہ کی رحمت سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ انسان کے اندر ایک چیز ہوتی ہے وہ اسے محسوس کرتا ہے کہ شاید مجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے، یہ کبر ہے، جس کی وجہ سے وہ ہر بات میں دوسروں کو تسلیم کرتا ہے، ابھی تک آپ نے جتنے بھی واقعات سنائے ہیں، ان میں ہر جگہ آپ سب پر حاوی رہی ہیں، آپ کا یہ رویہ دوسروں کے ساتھ زیادتی کا سبب بنتا ہے، حالات جو بھی ہوں، معاملات مل بیٹھ کر سوچ بچار سے حل ہوتے ہیں، لڑنے جھگڑنے سے ہمیشہ معاملات خراب ہوتے ہیں اور آپ نے ہمیشہ اپنے معاملات خراب کئے۔" میں رک کر پروین جی کو دیکھتی رہی تو وہ جواباً گویا ہوئی۔

"یعنی ہر جگہ میرا ہی قصور ہے۔"

"اگر آپ یہ مان لیں تو آگے جا کر آپ کی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ اگر آپ کا اپنی بھابی سے ہی رویہ صحیح ہوتا تو شاید اب جا کر بھی آپ کی شادی ہو جاتی۔" میں نے سمجھایا۔

"دوسروں کے بچے کیوں پالیں آخر ہم لوگ، ہمارا کیا قصور ہے۔"

"لوگوں سے ملتی ہیں آپ۔" میں نے سوال کیا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

"دوست وغیرہ، خاندان میں آنا جانا۔" میں نے پوچھا۔

"بہت کم، خاندان میں مستقل انکار کی وجہ سے میرا آنا جانا چھوٹ گیا جبکہ دوست وغیرہ، پڑوسی، ہم کسی سے نہیں ملتے ہیں سب رشتے ناطے صرف روشن آرا نبھاتی ہیں۔"

"روشن آرا سے پہلے کون کرتا تھا سب؟" میں نے پھر پوچھا۔

"بس آہستہ آہستہ سب چھوٹ گیا، ہم لوگ اپنے گھر ہی کی دنیا میں رہتے ہیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولیں۔

"نماز وغیرہ، حج کیا ہے آپ لوگوں نے، دینی رجحان کیسا ہے؟" وہ برقعے میں نہیں آئی تھیں مگر بڑی سی چادر ضرور لیتی تھیں، میں نے بات آگے بڑھائی۔

"نماز، روزہ تو ہم برابر رکھتے اور پڑھتے ہیں جبکہ زکوٰۃ کے متعلق کچھ خاص علم نہیں، حج بھی نہیں کیا۔" وہ اطمینان سے بولیں۔

"تو کیا آپ سب کی حیثیت نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں نہیں ہماری جائیدادیں ہیں۔" وہ فخر سے بولیں۔

"پھر کیا آپ کو علم نہیں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"تھوڑا بہت ہے، اب یہ مردوں کے معاملات ہیں، بھائی ہی دیکھتے ہوں گے۔ دفع کرو یہ کیسی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو، تم میری پریشانی Settle کرنے کی کوشش کرو، ان معاملات کو میں خود ہی دیکھ لوں گی۔" وہ چڑ کر بولیں۔ یہ دولت اور سرمایہ انسان کو کمزور سے کمزور کرتا چلا جاتا ہے، جسمانی طور پر چاہے تگڑا کردے، روحانی طور پر کمزور کردیتا ہے، اس لئے اکثریت دولت مندوں کی اسی طرح پریشان نظر آتی ہے، خیر یہاں پر امیر غریب کا ابھی سوال نہیں ہے، امیر پر تو فرض ہے، جیسے زکوٰۃ، قربانی، مگر غریبوں کو بھی اپنے دس روپے میں سے کچھ خیرات کرنا چاہئے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، مگر افسوس ہم مسلمان تو ہیں مگر کچھ جانتے ہی نہیں اور کچھ لوگ دیندار ظاہر ہوتے ہیں، مگر ایسے بیانات دیتے ہیں کہ لوگ ان کی باتوں پر عمل کرنا شروع کردیتے ہیں، کراچی کے ایک معروف سماجی کارکن کا نام کون نہیں جانتا، مگر ان کا دین سے لاعلمی کا یہ عالم ہے کہ اپنے گمراہ کن خیالات قربانی کے متعلق اس طرح رائے زنی کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ لوگ قربانی کی جگہ پیسے دے دیں وغیرہ، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے واضح احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے موقع پر اسلام دین کے مکمل اور کامل ہونے کا واضح اعلان قرآن پاک کی سورۃ آل عمران آیت نمبر ۳ میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا یعنی مکمل کردیا۔" مگر یہ دین دشمن لوگ

نئے اور خود ساختہ راستے بنا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شر سے بچائے۔

"اچھا آپ بتا رہی تھی، آپ نے بھی نفسیات پڑھی ہے۔" میں نے موضوع کو یکسر بدل دیا۔

"ہاں، پڑھی ہے پھر۔" وہ چڑ کر بولی۔

"آپ ان کتابوں کو اب بھی دیکھتی ہیں یا پھر۔" میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں، میں نے چھوڑی نہیں، میں اب بھی ان کتابوں کو دیکھتی ہوں۔" (ان کتابوں کو دیکھنے کے باوجود وہ نفسیاتی مریض تھیں، اس کی وجہ بھی مجھے سمجھ میں آگئی تھی، انہوں نے اخلاقی دنیاوی نفسیات پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی مگر روحانی اور دینی نفسیات کو نہ سمجھا، میرا طریقہ کار دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کا تھا بلکہ دینی رجحان زیادہ ہی تھا، جس کی وجہ سے مریض مکمل صحت یاب ہو یا نہ ہو، مگر اپنی زندگی سے مطمئن ضرور ہو جاتے تھے، نفسیاتی مریض دراصل اپنے زندگی سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت ناخوش رہتا ہے)

"پھر آپ نے ماہر نفسیات فرائیڈ کو یقیناً پڑھا ہوگا۔" میں نے پروین جی سے نفسیات سے متعلق بات شروع کی۔

"ہاں اس نے انسانی ذہن کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، شعور اور لاشعور۔" انہوں نے فرائیڈ (ماہر نفسیات) کا اہم پوائنٹ بیان کیا۔

"تو پھر آپ جو اپنی بھابی اور بچوں سے نفرت کرتی ہیں، اس میں شعور کا حصہ ہے یا لاشعور کا۔" میں نے بات آگے بڑھائی۔

"ماہر نفسیات فرائیڈ کہتا ہے ہر انسان اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ لاشعور کے تحت بسر کرتا ہے اور مجھے بھی لگتا ہے میں یہ سب لاشعوری طور پر کرتی ہوں۔"

"پھر تو بعض دفعہ۔" پروین جی میری بات سمجھ گئیں تو انہوں نے میری بات کو مکمل کیا۔

"ہاں مجھے منجھلی آپا کہتی ہیں کہ ہمارے گھر پر کسی نے جادو کردیا ہے، ہم سب پر ان کے اثرات ہیں وغیرہ وغیرہ، میں ان کو سمجھاتی ہوں کہ یہ صریحاً قدرت کے کھیل ہیں، جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہیں کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، بے شک جادو برحق ہے اور اس کا علاج بھی قرآن کی آخری تین سورتوں میں ہے، مگر ہم نے ایسا کیا گناہ کیا ہے جس کی سزا ہی ختم نہیں ہو رہی۔" پروین جی دبے دبے لہجے میں چیخ اٹھیں۔

"پلیز پروین جی، ایسی باتیں نہ کریں، گناہ کی سزا ملنی شروع ہوگئی تو زندہ کیسے رہیں گی، آپ کو یاد ہے کہ آپ نے اب تک کتنی نیکیاں اور گناہ کئے ہیں۔" میں نے دریافت کیا۔

"تمہارا نیکی اور بدی کا پیمانہ کیا ہے؟" انہوں نے الٹا مجھ سے سوال کردیا۔

"یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی، اچھا آپ ایسا کریں کم از کم دو یا تین دن تک ڈائری لکھیں، جن میں دو کالم بنائیں، ایک میں نیکی کا ذکر اور دوسرے میں گناہ کا ذکر لکھیں، پھر ہم اس کو ڈسکس کریں گے، میں نے ان کو سمجھایا۔

"ٹائم کافی ہو گیا ہے اسی لئے بھگا رہی ہوں، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اب چار دن بعد آؤں گی۔" انہوں نے حکم صادر فرمایا۔

"ایک منٹ" میں نے اپائنمنٹ بک کھولی۔

"چار نہیں، پانچ دن بعد جمعے کو۔" میں نے ان کو پانچ بجے کا وقت دے دیا۔

☆......☆......☆

جمعے کو پروین جی کافی جلدی تقریباً ساڑھے چار بجے آگئیں، میں جب کلینک میں داخل ہوئی تو ان کو منتظر پایا۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ" میں نے داخل ہوتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو؟" انہوں نے خیریت

دریافت کی۔
"الحمدللہ ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟" میں نے جواباً پوچھا۔
"شاید میرے رویے میں کچھ بہتری آگئی ہے۔" وہ جواباً بولیں۔
"آپ کو کیسے پتہ چلا۔" میں نے نوٹ بک کھولی۔
"منجھلی آپا نے محسوس کیا تھا، وہ کہہ رہی تھیں کہ میں بچوں پر غصہ نہیں کررہی۔"
"اچھی بات ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔
"ڈائری لکھ کر لائی ہوں۔" میں نے پوچھا۔
انہوں نے ڈائری نکالی۔ "پڑھ کر سناؤں یا تم خود پڑھ لوگی۔"
"نہیں آپ سنائیں ہم ڈسکس کرتے جائیں گے۔" میں نے کہا۔
"ہفتے کو آئی تھی، پھر اتوار تھا، میں نے اتوار کی ڈائری لکھی ہے، جس میں اچھے کام یہ ہیں۔ میں نے ایک گھنٹہ قرآن مجید پڑھا، ایک گھنٹہ لان میں پانی ڈالا، کام والی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس کو جلدی چھٹی دے دی۔" وہ چن چن کر سنا رہی تھیں۔
"آپ نے پورے دن کی ڈائری لکھی ہے؟" میں نے اندازہ لگایا۔
"ہاں، مجھے ڈائری لکھنے کی عادت ہے لیکن ان دنوں میں نے اچھے کام کرنے کی کوشش کی ہے اور برے کام سے بچنے کی، اس لئے میں تم کو سنا رہی ہوں۔" وہ گویا ہوئیں۔
"اچھا تو آپ مجھے پورے دن کی ڈائری سنایئے۔" میں نے فرمائش کی۔
"پورے دن کی۔" وہ ایک لمحے کو سوچنے لگیں اور پھر کہنے لگی۔
"سنو! آج اتوار کا دن ہے، اتوار کے دن بھی ہم فجر کی نماز کے ساتھ جاگ جاتے ہیں، شکر ہے آج ان بدتمیز بچوں کا شور نہیں ہے، میں نے اطمینان سے نماز پڑھی، پھر تلاوت کی، پھر ریڈیو پر خبریں سنیں اور لان میں آپا کے ساتھ ٹہلنے نکل گئی، آج روشن آرا ناشتہ بناتی ہیں، ہمیشہ کی طرح اس نے ناشتہ نو بجے لگایا، یہ عورت کوئی کام جلدی نہیں کرسکتی، میں نے منجھلی آپا سے کہا تو آپا نے مجھے ٹوکا، چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے، دیر سویر ہو ہی جاتی ہے، ٹیبل پر میں نے ہمیشہ کی طرح سوچا کہ ان کی پکائی ہوئی چیزوں پر تنقید کروں تو مجھے یاد آگیا کہ مجھے گناہ سے بچنا ہے، اس لئے میں خاموش رہی۔"
"ایک منٹ پروین جی" میں نے بات کاٹی۔
"اب آپ مجھے یہ بتائیں ہمیشہ کی طرح آپ کیوں تنقید کرتی تھیں؟"
"میں" میں نے ان کی آنکھوں میں دیکھا تو وہاں عجیب یاسیت تھی۔
"روشن آرا جب بھی کچھ پکاتی ہیں تو شاکر ایک ایک چیز کی اس طرح تعریف کرتا ہے کہ مجھے وحشت ہونے لگتی ہے، میں ساتھ ہی اس میں برائی نکالنا شروع کردیتی ہوں، اس دن اس نے حلوہ پوری بنائی شاکر بھائی نے حلوے کی تعریف کردی، میں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا کہ شکر اور گھی زیادہ ڈالو تو کیسے اچھا نہیں بنے گا مگر میں نے اپنی بات اپنے منہ میں دبا پھر شاکر بھائی پوری کی شان میں قصیدے پڑھنے لگے میں نے دل میں سوچا کہ آج کچھ نہیں کہنا ہے، جب میں خاموش کھاتی رہی تو عباس بھائی بھی ناشتے کی تعریف میں بولنا شروع ہوگئے اور وہ روشن آرا بڑھ چڑھ کر سب کو کھلاتی رہیں، جیسے ہم مہمان ہوں، ورنہ میری تنقید اکثر اٹھ کر چلی جاتی ہیں یا جواباً وہ بھی کچھ کہہ دیتی۔ اسی طرح ناشتہ بخیر وعافیت ہوگیا۔
"تو یہ آپ کی سب سے بڑی نیکی ہوئی ناں۔" نے ان کو سمجھایا۔
"یہ نیکی ہے۔" وہ اچنبھے سے دیکھنے لگیں۔

"یہی تو نیکی ہے، آپ نے کچھ نہ کہا تو نہ بدمزگی ہوئی اور تعریف سے کسی کا دل خوش ہوگیا تو یہ تو نیکی ہوئی ناں، آپ کھانا پکاتی ہیں؟" میں نے دریافت کیا۔
"بہت کم، بہت مشکل لگتا ہے مجھے کھانا پکانا اور کس کے لئے بناؤں، بس میں زیادہ تر کتابیں پڑھتی ہوں، ریڈیو سنتی ہوں، ٹی وی دیکھتی ہوں اور گھر کے کام کاج اپنی نگرانی میں کرواتی ہوں۔" وہ جواباً بولیں۔
"یعنی آپ کو علم ہے کہ کھانا پکانا مشکل کام ہے۔"
"ہاں وہ اعتراف کرنے لگیں۔ "آپ کو پتہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ساس، بہو، نند، بھاوج کے رشتے آپس میں اتنے نالاں کیوں ہیں۔" میں نے ان کو دیکھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔
"دراصل ساس اپنی بہو کو گھر تو سونپ دیتی ہے، مگر شاباشی نہیں دیتی، انہیں یہ فن نہیں آتا، کبھی یہ نہیں کہتیں کہ آج تم نے یہ پکا کر کمال کردیا، اسی طرح نندیں بھی بھابی کا حوصلہ نہیں بڑھاتیں کہ واہ بھابی آپ نے امی کی خدمت کرکے ہمارا دل جیت لیا، صرف دو بول محبت کے بہو کو بھاوج کو زندہ کردیتے ہیں، وہ ساری عمر خدمت کرے گی، جان دے گی مگر آپ اس کو توڑتے رہے، اس کی خامیاں گنواتے رہے تو وہ آپ سے دور ہوتی چلی جائے گی اور یہ دوریاں دل ہی نہیں، گھر بھی الگ کردیتے ہیں، پروین جی ہمیں معاشرے میں لوگوں کی عزت نفس لوٹانی ہے، ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ ہم دوسرے کی عزت کریں، چاہے رتبے میں وہ ہم سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اعتقاد کے پکے ہیں، عبادات بھی خوب کرتے ہیں، مساجد بھی بھری ہوئی ہیں، مگر معاملات کے میدان میں صفر ہیں، ہم معاملے کو جان ہی نہیں سکے، ہمیں علم ہی نہیں ہے کہ ہم بہن بھائیوں کا آپس میں کیا رشتہ ہے، ساس کا بہو سے، نند کا بھاوج سے، حالانکہ یہ رشتے برے نہیں، ان کو ہم نے خود برا بنالیا ہے، اپنے سے حقیر جان کر ان رشتوں کو توڑ دیا ہے، خواتین کو خاص طور پر اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، آپ کے اس عمل نے روشن آرا کا دل بڑھا دیا ناں۔" میں نے ان کو بغور دیکھا۔
"ایک تو تم ہر بات پر مصر ہوجاتی ہو، ٹھیک ہے یہ نیکی ہے پھر۔" وہ احسان کرتے ہوئے بولیں۔
"اچھا آگے سنائیں۔" میں نے مسکرا کر بات آگے بڑھائی۔
"ناشتہ کرکے روشن آرا دوپہر کے کھانے کے متعلق دریافت کرنے لگیں، تو میں بڑی آپا سے کہنے لگیں کہ یہ کوئی نیا سوال کیوں نہیں کرتیں، جسے روشن آرا نے سن لیا اور چپ کرکے کچن میں چلی گئیں۔
"چھوٹی فضول بہت بولتی ہو۔" بڑی آپا نے ڈانٹا تو مجھے غصہ آگیا، سب کچھ مجھ میں فضول نظر آتا ہے۔" تھوڑی دیر بعد روشن آرا خاتون کی والدہ محترمہ تشریف لے آئیں، ایک یہ محترمہ ہر دوسرے مہینے تشریف لے آتی ہیں، میں دل ہی دل میں بڑبڑائی، بھائی بھی آئے تھے، وہ تو خیر سے چلے گئے، بڑی بی کو یہیں چھوڑ گئے، روشن آرا نے اپنی والدہ کو روک لیا کہ بریانی بنارہی ہوں، کھا کر جایئے گا، مجھ سے اب کہ چپ نہ رہا گیا تو میں نے بھی کہہ دیا، آپ کی لاڈلی پکارہی ہے، آپ کے طفیل ہمیں بھی کچھ اچھا کھانے کو مل جائے گا، میری بات سن کر دونوں ماں بیٹی خفیف سی ہوگئیں۔"
"تو آپ نے مہمان کو بھی شرمندہ کردیا اور وہ بھی بزرگ خاتون کو۔" میں نے بات کاٹی۔
"ارے بھئی یہ تو روزمرہ کے جملے ہیں، مجھے تو اس سے زیادہ سخت بولنے کی عادت ہے اور پھر وہ جنات کی نسل کے بچے اٹھ گئے اور نانی کو دیکھ کر ایسے دیوانے ہوئے کہ میں نے کمرے میں جانا ہی بہتر سمجھا۔ دوپہر کی نماز کے بعد منجھلی آپا مجھے کھانے کے لئے بلوانے آئیں تو اچھا خاصا جھاڑ دیا کہ یہ کون سا طریقہ ہے کہ گھر میں مہمان ہیں اور تم کمرہ بند کرکے بیٹھی ہو۔"

"وہ میرے مہمان نہیں ہیں، میں نے بدستور مطالعہ جاری رکھا، نماز کے بعد میں نے اپنی پسند کی کتاب نکال کر پڑھنا شروع کردی تھی۔ چھوٹی، شاکر کا منہ بھی دیکھنا ہوتا ہے۔" انہوں نے مجھے ڈانٹا۔

"آپ دیکھیں میرا کوئی تعلق نہیں ہے اور ویسے بھی ان ماں بیٹی کے درمیان ہمارا کیا کام۔" ایک گھر میں اس طرح نہیں رہا جاتا، منجھلی آپا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے شاکر الگ ہوجائے، میں نے بے نیازی سے کہا۔"

"الگ ہونے کے لئے یہ کوٹھی پہلے بکے گی، تم کو بیچنا منظور ہے۔" منجھلی آپا نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میرے جیتے جی نہیں بکے گی۔"

"پھر سیدھی طرح چلو۔" مجبوراً مجھے کھڑا ہونا پڑا، کھانا کھا کر چائے پی کر جب تک بڑی بی گئی نہیں، مجھے ان کی الٹی سیدھی بکواس سننی پڑی، پھر روشن آرا، شاکر اور بچوں کو لے کر چھوڑنے گئیں تو پھر ہم چاروں بھائی بہن رہ گئے، ٹی وی دیکھ کر بھی اکتا گئے، عجیب گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے، اتوار کی شام تو ایسا لگتا ہے سب سے زیادہ کڑوی ہوتی ہے، ایک ایک چیز سائیں سائیں کرتی محسوس ہوتی ہے، ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ دیکھ کر بھی جی اوبھ گیا ہے، اف کیسی زندگی ہے، رات کو ڈائری لکھتے ہوئے میری اداسی بڑھ گئی۔"

"صرف اتوار کی شام ہی عجیب ہوتی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"اس لئے کہ شاکر بچوں کو لے کر چلا جاتا ہے تو گھر....." وہ یکدم خاموش ہوگئیں، تو میں نے مسکرا کر دیکھا اور کہا:

"یعنی بچے رونق ہیں۔"

"نہیں۔" انہوں نے سختی سے میری بات رد کردی، ان کو دیکھ کر میری حسرتیں بڑھ جاتی ہیں، میں نے تم کو پہلے ہی بتایا تھا۔

"یہ ایک کتاب ہے، ہمارے حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کی، اس کا مطالعہ کیجئے گا، بہت سکون ملے گا، میں نے اپنے حضرت والا کے مواعظ میں سے ایک مواعظ "علاج کبر" ان کی طرف بڑھایا، جو انہوں نے بے دلی سے لے کر رکھ دیا۔

"ٹی وی دیکھنا گناہ ہے؟" اب انہوں نے سوال کردیا۔

"جی" میں نے مختصر جواب دیا۔

"تو پھر ہم کیا کریں کتنی کتابیں، کتنی نمازیں پڑھیں، ہمارا وقت تو ویسے ہی نہیں کٹتا، اگر ٹی وی نہ ہوتا تو ہم تو پورے پاگل ہوجاتے۔" انہوں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"نہیں ٹی وی نہ ہوتا تو آپ نے جو اپنے اوپر پریشانیاں سوار کرلی ہیں، وہ نہ ہوتی، آپ پرسکون ہوتیں، آپ کا گھر بھی پرسکون ہوتا۔" میں نے ان کی بات رد کردی۔

"کیسے پرسکون ہوتا، کیسے ہوتا، سمجھاؤ مجھے، کیسے ہوتا پرسکون؟" وہ اسی بات کی تکرار کرنے لگیں۔

"ٹی وی ام الخبائث ہے، ٹی وی کی ایجاد سے پہلے ہر منکر کا دائرہ فساد اس کے وجود تک محدود تھا، مگر ٹی وی کی ایجاد نے اس ناممکن کو ممکن بنادیا، کتنی ہی چیزیں آپ کے علم میں پہلے نہیں تھیں، ان کی آگاہی ٹی وی نے آپ کو دی، اسی طرح ہمارے مسلم معاشرے میں جو بے حیائی پروان چڑھ رہی ہے، وہ اسی کی مرہون منت ہے، اس کا اندازہ آپ نوجوان نسل کو دیکھ کر کرسکتی ہیں، ٹی وی دیکھنا گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ مستقل کرنے سے بندہ اللہ کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے تو اس کی زندگی میں سکون کیسے ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تصویر اور کتے سے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔" آپ اندازہ نہیں کرسکتی کہ جب رحمت نہیں ہوگی تو پھر کیا ہوگا۔" میں نے بات مکمل کی۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی تقریباً ٹی وی تو ہر گھر میں ہی ہے، تو وہ سب اللہ کی رحمت سے دور ہیں اور پھر سب گھروں میں خوشیاں بھی ہیں، سب کی شادیاں بھی ہوتی ہیں۔" انہوں نے بات کو سمجھا ہی نہیں۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کا مسلمان اللہ کی رحمت سے دور ہوتا جارہا ہے، دراصل دنیا تو کافروں کو اللہ تعالیٰ نے بے حساب دی ہے تو کیا ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، ان کی اور ہماری زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے، اگر آپ باہر ملکوں سے اپنے ملک کا ہی مقابلہ کریں گی تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہم تو کس صدی میں رہ رہے ہیں، تو ان کو دیکھ کر کیا ہم کافر ہوجائیں گے، پروین جی یہ عارضی دنیا ہے، اصل زندگی تو شروع ہونے والی ہے یا تو ہمارا Examination hall ہے، ٹھیک ہے اب آپ کے مقدر میں ایسی زندگی ٹھہری تھی، اس کو صبر شکر کے ساتھ گزار لیجئے، یہ تو چند روزہ ہے، پھر ابدی زندگی سنور جائے گی۔" میں نے ان کو سمجھایا۔

"یہ باتیں سننے میں تو اچھی لگتی ہیں، مگر عملی زندگی میں ان پر عمل کرنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے۔" پروین جی آہستہ سے بولیں۔

"صرف پہلا قدم مشکل ہوتا ہے، پھر سب آسان ہوجاتا ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"سب لفظی باتیں ہیں ماہر نفسیات ژنگ بھی اپنی کتاب میں یہی نفسیات بیان کرتا ہے کہ سچ بولنے میں اور دوسروں کو خوش رکھنے میں جو انسان سکون محسوس کرتا ہے، وہ خود اس کو اپنی ذات کے لئے وہ خوشی محسوس نہیں ہوتی، لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا، میں یہ سمجھتی ہوں۔" پروین جی نے ایک اور ماہر نفسیات کا حوالہ دیا۔

"ماہر نفسیات ژنگ غیر مسلم ہو کر بھی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ انسانیت کی معراج دوسروں کو آسانی فراہم کرنے میں ہے، جب کہ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں ہم کو یہی بتلایا ہے کہ "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہے۔" اسی طرح ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا۔"

"شہزادی زیب النساء مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی بیٹی تھیں ان کی بھی شادی نہیں ہوئی تھیں وہ تیس ہزار کتابوں کی حافظہ تھیں، اپنے وقت کی بہترین مجتہد تھیں، مگر انہوں نے اپنی زندگی کو کارآمد بنایا تھا، ہاں اس وقت ٹی وی نہیں تھا۔" میں نے مسکرا کر کہا اور پھر بات آگے بڑھائی۔

"ہمارے حضرت والا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جب ٹی وی نہیں تھا تو کیا اس وقت لوگوں کا ٹائم نہیں پاس ہوتا تھا، وہ لوگ کیا قبروں میں نہیں گئے، پروین جی انسان کی زندگی اور وقت بہت قیمتی ہے، ان کو فضول کاموں میں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔"

"ہوں۔" پروین جی نے اتنا ہی کہا۔

"عین جوانی میں عورتیں بیوہ ہوجاتی ہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو پالتی ہیں، غریب عورتیں جن میں اکثریت کے شوہر کچھ بھی نہیں کرتے، لوگوں کے گھروں میں کام کرکے اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہیں، لوگوں کی جھڑکیاں بھی کھاتی ہیں اور شوہر کی مار بھی لیتی ہیں۔"

"مجھے سب پتہ ہے، ایک ہی بات بار بار کیوں دہراتی ہو۔" پروین جی غصے میں آگئیں۔

"اچھا آپ آگے ڈائری سنائیں۔" میں نے آگے پیش رفت کی۔

"نہیں سنانی مجھے کوئی ڈائری وائری۔" وہ انتہائی غصے میں آگئیں۔ اپنی ڈائری اور میرا دیا ہوا وعظ اٹھایا اور اٹھ کر چلی گئیں۔ تقریباً پندرہ دن بعد منجھلی (چمن) آپا نے مجھ سے پروین جی کے لئے اپائنٹمنٹ لیا اور وہ دونوں بہنیں ساتھ آئیں۔

"السلام علیکم۔" دبلی پتلی گوری رنگت کی چمن آپا

ایک پروقار شخصیت کی مالک تھیں، انہوں نے آتے ہی سلام کہا۔

"وعلیکم السلام۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"پروین جی ابھی بھی خفا خفا معلوم ہو رہی تھیں۔

"میرا نام چمن ہے، میں پروین کی بڑی بہن ہوں۔" انہوں نے تعارف کرایا۔

"جی پروین جی نے بتایا تھا۔" میں نے جواباً کہا۔

"بہت کچھ بتا چکی ہوں۔" پروین جی نے مداخلت کی۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" میں نے پروین جی کو مخاطب کیا۔

"کیا ہوا ہے میری طبیعت کو ٹھیک ہوں، دکھائی نہیں دے رہا۔" پروین جی نے سخت لہجے میں کہا۔

"پروین کس طریقے سے بات کر رہی ہو۔" چمن آپا نے ٹوکا۔

"چھوٹی ہے مجھ سے، میں اس سے ایسے بات کر سکتی ہوں۔" پروین جی نے وضاحت کی۔

"نہیں! چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں، کیا ہم تمہارے ساتھ ایسے بات کرتے ہیں۔" وہ نرم لہجے میں گویا ہوئیں۔

"نہیں۔" وہ یکدم شرمندہ ہو گئیں۔

"پہلے سے پروین میں بہت زیادہ بہتری ہے، مگر اس کو مزید تھراپی Therapy کی ضرورت ہے۔" چمن آپا نے پروین جی کی وکالت کی۔

"طبیعت میں غصہ بہت ہے۔" میں نے مزید وضاحت کی۔

"غصہ تو ایسا لگتا ہے ہمارے معاشرے کا مزاج بن گیا ہے، جو غصہ نہیں کرتے ہوں گے نہ جانے وہ لوگ کیسے ہوتے ہوں گے۔" چمن جی دلگرفتہ لہجے میں بولیں۔

"مگر آپ میں تو زیادہ محسوس نہیں ہو رہا۔" میں نے ان کے لہجے کی مٹھاس سے اندازہ لگایا، وہ بہت دھیمے اور پرسکون لہجے میں بات کر رہی تھیں، دونوں بہنیں مزاجاً ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں۔

"عابدہ اور مجھ میں کم ہے، مگر باقی سب بہن بھائیوں میں بہت ہے، جی کہ روشن آرا میں بھی اور ان کے بچوں میں بھی۔" وہ دھیرے سے مسکرائیں اور کہنے لگیں۔

"میں اسے چھوڑ کر جا رہی ہوں، تھوڑی دیر میں لے لوں گی۔" وہ یہ کہہ کر کھڑی ہو گئیں۔

پروین جی تھوڑی دیر خاموش رہیں پھر گویا ہوئیں

"اچھی کتاب تھی بلکہ بہت اچھی، مجھے اپنے آپ کو گناہوں سے روکنے میں مزا آنے لگا ہے، میں نے ڈائری میں باقاعدہ اس کو لکھنا شروع کر دیا ہے، ماہر نفسیات فرائیڈ کو پڑھا، ماہر نفسیات ژنگ کو پڑھا، مگر ان کو پڑھا تو لگا کہ ان کے مقابلے میں تو کوئی بھی نہیں ہے اور اتنا کچھ پڑھنے کے بعد عمل۔" وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں بلکہ ایسا لگ رہا تھا قدرے مضطرب نظر آئیں۔

"حسد اور بدگمانی سے باہر آؤں گی تو کچھ کروں گی ناں۔" انہوں نے بات مکمل کی۔

"دراصل آپ کی طبیعت میں نزاکیت NARCISSISM پائی جاتی ہے، آپ نے محسوس کیا۔" (نرگسیت نفسیاتی مرض کی ایک اصطلاح ہے)

"ہر انسان خواہ مرد ہو یا عورت، کسی نہ کسی حد تک نرگسی مزاج کا حامل ہوتا ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اگر حد اعتدال پر رہے ورنہ اپنی ذات پر اعتماد، استحکام خودی کا موجب ہے۔" میں نے ان کو دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر جواباً بولیں۔

"ایسے ہی مجھے بے وقوف اور سیدھی سادھی لگی تم، کافی سمجھدار ہو، میری انا بہت ہے ناں، یہی کہہ رہی ہوں۔"

"آپ کی نزاکیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ آپ اپنے آپ کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتی ہیں، پہلے آپ ایسی نہیں تھیں، یقیناً۔" میں نے ان کی طرف پر اعتماد نظروں سے دیکھا۔

"ہاں مجھے کچھ باتوں کا بے حد افسوس ہے، جس کی وجہ سے میں خود کو مجرم سمجھتی ہوں، اسی لئے۔" اتنا کہہ وہ پھر خاموش ہو گئیں۔

"آپ نے کبھی کسی سے شیئر کرنے کی کوشش نہیں کی، حالانکہ چمن آپا آپ کی بہترین غمگسار ثابت ہو سکتی تھیں۔" میں نے کہا۔

"انہی کی تو مجرم ہوں، ان کو کیسے کہتی۔"

"کہہ کر معافی مانگ لیتیں تو شاید مزاج میں اتنی گرمی نہ آتی، انا کی دیواریں اونچی نہ ہوتیں، اکیلے احتسابی عمل سے گزرتے گزرتے انسان بعض دفعہ پاگل پن کی حدوں کو چھونے لگتا ہے، اپنی ذات کے خول سے نکلتیں تو بہت آسانی ہو جاتی سب کے لئے۔"

"صحیح کہہ رہی ہو چھوٹی، نام کیا ہے تمہارا۔"

"فردوس" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"فردوس تم کو میں چھوٹی ہی کہوں گی۔" پروین جی مجھ سے بولیں۔

"تو پھر مجھ سے اپنا دکھ کہہ لیں۔" میں نے ایک مان سے کہا۔

"احمد چار بچوں کا باپ تھا تو کیا ہوا، اس کی بیوی چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مر گئی تھی، آج جو اس کی بیوی ہے اس کو دیکھتی ہوں تو چمن آپا کی ویران زندگی کی خود کو مجرم گردانتی ہوں، دوسری شادی نہ گناہ ہے نہ منع ہے، مگر افسوس ہمارے رسم و رواج، ہماری ذہنی اپروچ، صرف ظاہر تک جاتی ہے۔" انہوں نے آہ بھری۔

"مگر آپ تو شاید ان کی جسامت کے متعلق بھی کچھ کہہ رہی تھیں۔" مجھے یاد آیا۔

"آپی دبلی پتلی ہیں، اس لئے زیادہ لگتا تھا ورنہ اتنا خاص موٹا نہیں تھا، بس ایک ضد تھی یا ایسی آنکھوں میں پٹی بندھی تھی، دوسری بیوی کے بھی دو بچے ہیں، جس طرح سے اس نے اپنی دوسری بیگم کو رکھا ہوا ہے، پورے خاندان میں قابل رشک ہے، اسی طرح بڑی آپا کی بھی مجرم ہوں، نوید بھائی ہکلاتے ہی تو تھے، آج ان کے بیٹے نے اسکالرشپ لی ہے، صرف میری ہٹ دھرمی سے یہ لوگ ایسی زندگی گزار رہے ہیں۔" وہ بڑے دکھ سے بولیں۔

"اور آپ کے لئے جو رشتہ آیا تھا، اس کا کیا ہوا۔" میں نے سوال کیا۔

"وہ تو واقعی پاگل تھا، تیس سال کی عمر میں مر گیا بے چارہ، مجھے احساس تو وقت کے ساتھ ساتھ بہت پہلے ہی ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے میرے مزاج کی تیزی اور گرمی اتنی بڑھ گئی تھی کہ گھر کا ماحول انتہائی تلخ ہو چکا تھا اور پھر شاکر کی شادی کے بعد میں، ہم سب کا بدلہ روشن آرا سے لینے لگی، جو بڑھ کر جنون کی حد تک پہنچ گیا۔" وہ خاموش ہو گئیں۔

"روشن آرا کیسی ہیں میرا مطلب ہے ان کی طبیعت ان کا مزاج۔"

"روشن آرا پہلے تو کچھ نہیں کہتی تھیں، مگر آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ بیٹوں کے بعد جواب دینے لگیں تھیں، بھائی شاکر سے بھی لڑائی کرتیں، مجھے بھی اگنور کرتیں اور اب جب حالات بالکل بے قابو ہو گئے تو چمن آپا نے بہتر سمجھا کہ میرا علاج کروایا جائے، کیونکہ پہل میری طرف سے ہمیشہ ہوتی ہے اور مجھے تمہاری باتیں پہلی دفعہ سمجھ میں آ گئیں تھیں۔" اب وہ کہتے کہتے رک گئیں۔

"مگر آپ کی شخصیت میں جو نرگسیت ہے اس کی وجہ سے آپ مجھ سے بھی ناراض ہو جاتی تھیں۔" میں نے ہمت کر کے کہہ دیا کیونکہ میں ان تین چار ملاقاتوں میں اندازہ کر چکی تھیں کہ وہ تھوڑی دیر میں آپے سے باہر ہو جاتی ہیں۔

"ہوں" وہ یہ کہہ کر پھر خاموش ہو گئیں، پھر کہنے لگیں۔

"شاکر نے بڑا سمجھایا تھا اپنی شادی کے وقت کہ وہ ہم بہنوں کی شادیاں کر دینا چاہتا ہے مگر۔"

"تو آپ مان لیتیں ان کی بات" میں نے بات مکمل کی۔

"کیسے مان لیتیں، اب اس عمر میں جو ہمارے

مزاج اور طبیعتیں بن چکی ہیں وہ اب دوسرے گھروں میں جا کر کیسے بدلیں گی یا ڈھلیں گی اور اس عمر میں شادی کے بعد طلاق بہت مشکل کام تھا اور اس کی Risky بھی۔" وہ افسردہ سی بولیں۔

"یہ بھی خود ہی سوچ لیا آپ نے۔" میں نے دریافت کیا۔

"دیکھو لڑکی کو دوسرے گھر جا کر خود کو بولنا پڑتا ہے اور مجھے عابدہ اور چمن آپا دونوں نے منع کر دیا تھا کہ اس عمر میں وہ ذمہ داریوں کے اہل نہیں ہیں اور میں نے سوچا کہ جب انہوں نے میرے کہنے پر شادیاں نہیں کیں تو اب میں ان کا ساتھ دوں گی ورنہ شاکر نے میرے لئے بہت اچھا رشتہ تلاش کر لیا تھا۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"چمن آپا کہہ رہیں ہیں کہ ان کی شادی کروا دیتے ہیں مگر میری وجہ سے۔"

"بہت اچھا کہہ رہیں ہیں چمن آپا۔" میں نے ان کی بات پوری کر دی۔

"آپ آگے پڑھائی شروع کر سکتی ہیں۔" میں نے سمجھایا۔

"اس دنیا میں رہنا کتنا ہے جواب مزید تگ و دو کی جائے۔" انہوں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

"تو دینی تعلیم حاصل کر لیں، زندگی با مقصد ہو جائے گی۔" میں نے مشورہ دیا۔

بس شروع ہو گئیں مشورے دینے، ایک تو تم فوراً بات گھما پھرا کر اپنی مطلب کی باتوں پر آ جاتی ہو، میرے گھر میں اور بھی مسائل ہیں۔"

"وہ بھی مل جل کر حل کر لیں گے۔ ان شاء اللہ۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاں، ہاں ضرور۔" چھوٹی آپا نے اتنا کہا تو ماسی اندر آ کر کہنے لگی۔

"باجی ان کو لینے آئے ہیں۔"

"کہہ دو آ رہی ہیں۔" میں نے حضرت والا کا ایک اور مواعظ "علاج الغضب" ان کی طرف بڑھایا۔

"ہاں یہ بہت مفید مواعظ ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے رکھ لیا۔

"آپ اب کب آئیں گی؟"

"پرسوں ٹھیک رہے گا۔"

"آپ کی ڈائری لکھنے کی عادت ہے آپ مجھے اس میں سے کچھ پرانا سنائیں گی تا کہ میں......" انہوں نے میری بات کاٹی۔

"ہاں میں نے بھی یہی سوچا تھا مزید کچھ چیزیں تم سے ڈسکس کرنی ہیں۔" "ٹھیک ہے پرسوں ان شاء اللہ۔"

☆......☆......☆

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ! کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام" انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر بولیں۔

"بھئی یہ پرانی ڈائری والا حساب کتاب تو بہت خطرناک ہے۔"

"کیوں!" میں نے حیرت سے دریافت کیا۔

"سنو گی تو بولو گی واقعی خطرناک ہے، اس لئے اس کو رہنے دو، یہ باتیں کرنے کی نہیں ہیں پس یونہی ٹھیک ہے۔"

"نہیں پروین جی، یہ جو اندر کی آلودگی ہے اگر دور نہیں ہوگی تو مسائل وہیں کے وہیں رہیں گے۔" میں نے سمجھایا۔

"ضروری تو نہیں یہ آلودگی ہی ہو۔" پروین جی نے کہا۔

"دیکھیں پروین جی، ہمارے دل کے اندر ایک خانچہ ہے، اس کے اندر گہرے گہرے دراز ہیں، ان درازوں کو نکال کر اوندھا کر کے صاف کرنے کی ضرورت ہے، ہم خود کو بھلا چنگا اور ٹھیک ٹھاک سمجھتے ہیں، لیکن ہماری فضول سوچیں اور عادتیں ہماری آلودگی کو بڑھا دیتی ہیں، ان آلودگیوں کو ہر کسی سے کہا نہیں جا سکتا کیونکہ اگر اسے آپس میں ڈسکس کیا گیا تو دل کے اندر کی کدورتیں بڑھ جائیں گی اور وہ جب جب یاد آئیں گی زخم تازہ ہوگا، مگر آپ مجھ سے کہہ لیں گی تو اپنی خوبیوں اور خامیوں کو علیحدہ کر کے ان کی اصلاح کر سکیں گی، اس کا تعلق آپ کی تھراپی سے ہے، جب اندرونی صفائی ہو جائے گی تو زندگی بہت سہل

ہو جائے گی۔" میں نے قدرے تفصیل سے سمجھایا۔

"نہیں چھوٹی یہ وقتی ہوگا یہ پھر دوبارہ ابھرے گی۔"

"ٹھیک ہے گا ہے بگاہے میرے پاس آتی رہنے گا مستقل تھراپی سے بہتری ممکن ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ شاکر کی شادی کے دوسرے ہفتے کا چھٹی والا دن ہے، صبح روشن آرا تیار ہو کر کمرے سے نکلیں تو بہت اچھی لگ رہیں تھیں، اس نے کچن میں آ کر ناشتے کے لئے پراٹھے تلنا شروع کئے، وہ مجھے اس وقت زہر لگ رہی تھی، میں کچن میں بیٹھ کر چائے پی رہی تھی کہ میں سوچنے لگی کہ کتنا ہی اچھا ہو، اگر اسی گرم تیل میں اس کا ہاتھ جل جائے اور ایسا ہی ہوا، اس کا پورا ہاتھ پراٹھا ڈالتے ہوئے تیل کے اندر چلا گیا اور اس کا پورا ہاتھ جل گیا۔"

"دیکھا تم نے مجھے کتنی حسد و رقابت ہو گئی تھی، تم سوچ بھی نہیں سکتی، میں نے کس طرح کے سلوک اس کے ساتھ روا رکھے، میرا دل نہ چاہتا تو کئی کئی دن تک دونوں میاں بیوی سے بات نہ کرتی، روشن آرا اگر بات کرتی تو اس کا جواب دیتی تو اس کو دیکھتی بھی نہیں، سوچو وہ کیسے ہرٹ ہوتی ہوگی، میں نے بتایا تھا کہ میری حسرتیں روشن آراء کو دیکھ کر بڑھ جاتیں، میں نے بہنوں کی محبت میں آ کر شادی نہ کرنے کا فیصلہ تو کر لیا تھا، مگر روشن آرا کو دیکھ مجھے اپنے فیصلے پر بڑا افسوس ہوتا، اسی طرح اس کا پہلا بچہ ہونے والا تھا، اس عمر میں تو ویسے بھی Complication بڑھ جاتی ہیں، وہ سیڑھیوں سے اتر رہی تھی اور میں کتاب پڑھ رہی تھی کہ اچانک میری نظر اس پر پڑی اور میں نے سوچا، کاش یہ سلپ ہو جائے اور وہ واقعی سلپ ہو گئی اور آخر وقت تک بیڈ ریسٹ پر رہی، دونوں ماں بچے بچ گئے، ورنہ عام طور پر بچے کو ہی کچھ ہو جاتا ہے۔" میں نے کل یہ ڈائری پڑھی تو مجھے رونا آ گیا اور مجھے پڑھ کر اتنی شرمندگی ہو رہی ہے تم بھی سوچ رہی ہوگی کہ میں کیسی عورت ہوں، کتنی نفرت، حسد، بغض ہے میرے دل میں مگر اس میں میرا قصور کتنا ہے؟" وہ یہ کہہ کر چپ ہو گئیں۔

"چھوڑیں پروین جی آپ یہ بتائیں اس سے پہلے بھی آپ کو افسوس ہوا یا صرف کل ہی ہوا۔" میں نے پوائنٹ نوٹ کیا۔

"نہیں، اکثر مجھے پڑھ کر افسوس ہوتا تھا کہ میں اتنی جذباتی کیوں ہو جاتی ہوں کہ دوسروں کا برا سوچنے لگوں۔ اس کے علاوہ بھی ہر چیز میں اس سے مقابلہ کرتی، اس کے پاس جو چیز دیکھتی تو شاکر سے ضد کر کے اپنے لئے منگواتیں، کپڑے، زیور وغیرہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ......

"بھائی زبیدہ آپا کے بیٹے کی شادی ہے مجھے روشن آرا کا نولکھا ہار چاہئے پہننے کے لئے، میں نے شاکر سے کہا۔"

"مگر وہ تو اس کے جہیز کا ہے، اس کی ماں نے دیا ہے۔" شاکر بولا

"مجھے نہیں پتا، آپ مجھے بنوا دیں۔"

"آج کل میرا ہاتھ ذرا تنگ ہے۔" شاکر نے معذرت کی۔

"ہاں میرے اوپر کیوں خرچ کریں گے، سارے نخرے اس کے پور کریں گے۔" میں غصے میں کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ رات کو روشن آرا میرے کمرے میں آئیں۔

"یہ لیں چھوٹی آپا آپ کو شوق ہو رہا ہے آپ پہن لیں، ان چیزوں کی کیا حیثیت ہے۔"

"رہنے دو، خود تمہیں بننے کا شوق ہے، نہیں چاہئے مجھے، تمہارا احسان تم ہی کو مبارک ہو۔"

"رکھ لیں آپا، آپ پر اچھا لگے گا، انہوں نے ہار نکال کر میرے گلے میں ڈال دیا۔"

"آج مجھے سے ہار گر گیا، شادی کا دن تھا اس کا لاک لوز تھا، دل میں تو میں بہت خوش ہوئی مگر مجھے جبراً روشن آرا سے معذرت کرنی پڑی، جو میرے پاس چیز نہ ہو، اس کے پاس کیونکر ہو، اس واقعے کے بعد تقریباً دو مہینے بعد میرا ہیروں کا سیٹ غائب ہو گیا، میں نے اس کو صفائی کے لئے نکال کر دراز میں رکھا تھا، تو میں نے اس کا

الزام روشن آرا پر لگا دیا کہ انہوں نے اپنے نولکھے ہار کا بدلہ لیا ہے، وہ بے چاری قسمیں کھاتی رہی، مگر میں نہ مانی، مگر پھر پتہ چلا وہ منجھلی آپا نے واپس تجوری میں رکھ دیا تھا اور وہ رکھ کر بھول گئی تھیں۔"

"ان سب قصوں میں آپ کی فیلنگز آپ کی آپاؤں کو معلوم نہیں ہوتی تھیں۔"

"نہیں، وہ دونوں اپنی ذات میں گم رہتی ہیں، بس نولکھے ہار لینے پر بڑی آپا نے سمجھایا تھا کہ میں نہ لوں، اسی طرح ہیروں کے ہار والے معاملے پر عباس نے مجھے سرزنش کی تھی کہ بے سلا الزام لگانا غلط ہے، جو دو گھنٹے میں مل بھی گیا تھا، چونکہ میرے غصے سے سب ڈرتے بہت ہیں، اس لئے دبے دبے لفظوں ہی میں کہتے ہیں۔" وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

"یہ سب باتیں کس چیز کی غمازی کرتی ہیں، آپ نے ماہر نفسیات فرائیڈ کو پڑھا ہے آپ کو اندازہ تو ہوگا۔" میں نے ان کو نفسیاتی حوالے سے کریدا۔

"میں توجہ طلبی اور حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہوں۔" انہوں نے اپنا تجزیہ کر ڈالا۔

"Exactly تمام ماہر نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ عورت توجہ طلبی رکھتی ہے، یہ سب باتیں توجہ طلبی کے ہی مظاہرات ہیں، اکثر جگہوں پر حسد بھی شامل ہے، جس کی وجہ سے بعض دفعہ احساس تحفظ کی خاطر غیروں کی ادنیٰ خامیوں کا سختی سے محاسبہ کرتی ہیں بلکہ بے رحمانہ تنقید، الزام تراشی اور خوبیوں کے اعتراف کے بجائے عیوب کی ٹوہ لگاتی ہیں، یہ ابھی تک جاری ہے یا ان میں کمی بیشی ہے۔" میں نے دریافت کیا۔

"سال بھر سے میں نے روشن آرا سے مکمل طور پر بات چیت بند کر رکھی ہے۔" انہوں نے نئی بات بتائی۔

"اور جب سے میرے پاس آ رہی ہیں، اس کے بعد بھی شروع نہیں کی۔"

"نہیں" وہ بولیں۔

"اور بچوں سے۔"

"ان سے ڈانٹ ڈپٹ ہو جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ اپنی اصلاح چاہتی [illegible] سب سے پہلے آپ کو بات چیت شروع کرنا ہوگی۔ [illegible] نے صاف کہہ دیا۔

"مگر اس میں تو مجھے جھکنا ہوگا میں ضد ہو کر رہ[illegible] گی۔" وہ فخریہ بولی۔

"ضد ہے یعنی بہن اور آپ کو جھکنا نہیں ہوگا [illegible] آپ آج گھر جائیں گی تو گھر میں بچوں اور روشن [illegible] سلام کر دیجئے گا، وہ جواب دیں گے تو آپ پوچھ [illegible] کیا پکایا ہے یا کر رہے ہو وغیرہ، پتہ بھی نہیں چلے [illegible] سلسلہ شروع ہو جائے گا۔" میں نے سمجھایا۔

"ہاں یوں ٹھیک ہے۔" وہ رضامند ہو گئیں۔

"ایک ہفتے بعد آنا ہوگا۔" میں نے ان کو آٹھ[illegible] بعد بلوایا۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ" میں نے سلام کیا اور سا[illegible] ہی پوچھ لیا کہ "کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام، ٹھیک ہوں سانس تو لینے [illegible] مسکرا دیں۔ حیرت انگیز بات پروین جی اس تمام عر[illegible] میں پہلی دفعہ مسکرائی تھیں۔

"گھر میں سب کیسے ہیں۔" میں نے دریافت [illegible]

"سب ٹھیک ہے اور کافی ٹھیک ہیں۔" وہ جواباً بولیں۔

"کافی ٹھیک ہیں یعنی اس دن والی بات پر عمل کیا تھ[illegible]

"نہیں، اس دن تو نہیں کیا تھا، دوسرے دن بچوں [illegible] روشن آرا جب اسکول سے لے کر آئیں تو میں نے س[illegible] کیا اور بات چیت شروع ہو گئی، دو دن تک بچے جھجک[illegible] رہے، مگر میرے نرم رویے کو دیکھ کر ایسے فری ہو گئے [illegible] کہ میری جان کو چمٹ گئے ہیں، چھوٹی پھپھو پھپھو [illegible] زبان نہیں تھکتیں، البتہ روشن آرا بے چاری ابھی بھی [illegible] ہیں۔" انہوں نے پوری روئیداد سنا دی۔

"یہی فرق بچوں اور بڑوں میں ہے وہ ہر بات بھول جاتے ہیں فوراً جبکہ ہم یہ سب چیزیں اپنے ذہنوں میں پکاتے رہتے ہیں، ویسے اچھی پیش رفت ہے۔" میں نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب بچوں پر غصہ نہیں آتا۔" میں نے دریافت کیا۔

"آتا ہے ڈانٹ بھی دیتی ہوں مگر پہلے جیسی شدت بالکل نہیں ہے۔"

"دیکھیں پروین جی، یہ جو دل میں کدورتیں، قلقتیں، بغض، کینہ، حسد اور دوسروں کے لئے غم و غصے کا عنصر، یہ تمام کے تمام گناہ ہیں اور ان رذائل کا کچھ نہ کچھ عنصر ہر انسان میں شامل ہوتا ہے کیونکہ ان فسق و فجور کا مادہ انسان میں موجود ہوتا ہے اور انہی سے بچنے کا نام تقویٰ ہے، اگر یہ چیزیں انسان میں ودیعت نہ کی گئیں ہوتیں تو وہ تقویٰ کس سے بچ کر حاصل کرتا۔ حضرت حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رذائل کا ازالہ نہیں امالہ مقصود ہے، یعنی رذائل کو زائل نہیں کیا جاسکتا، ان کا رخ پھیرا جاسکتا ہے، مثلاً کسی کے اندر غصہ کا مادہ زیادہ ہے، اصلاح سے پہلے وہ اپنے نفس کے لئے کیا کرتا تھا، کسی نے برا کہہ دیا بس آپے سے باہر ہو گیا، کسی سے کوئی تکلیف پہنچی اس پر صبر نہ کیا اور غصہ نافذ کر دیا، لیکن اصلاح کے بعد اس غصے کا رخ بدل گیا، اب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر غصہ آتا ہے، خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بغض رکھتا ہے، نفس اگر گناہ کا تقاضہ کرتا ہے تو نفس پر غصہ نافذ کرتا ہے کہ ہرگز تجھے گناہ نہیں کرنے دوں گا۔ غصہ تو ہے اب امالہ ہو گیا، رخ بدل گیا جو پسندیدہ محمود ہے۔"

"ہاں میں نے اس کتاب میں بھی پڑھا تھا، جو تم نے مجھے دی تھی "علاج کبر" وہ نصیحتیں میں نے ڈائری میں نوٹ بھی کیں ہیں اور یاد بھی کی ہیں، پہلی نصیحت ہے کہ کسی کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو اور دوسری نصیحت یہ ہے کہ اپنے اوپر احسان کی نظر مت ڈالو کہ میں اچھا ہوں، یعنی دوسروں کو برا نہ سمجھو اور خود کو اچھا نہ سمجھو۔"

"جی بالکل یہی تو معاشرے میں کبر بڑھا رہا ہے پروین جی۔ کیونکہ ہم ہمیشہ خود کو صحیح اور دوسروں کو غلط سمجھتے ہیں۔ جبکہ ہمیں کیا پتہ ہمارا کیا حشر ہونے والا ہے۔"

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

"بھئی تم نے مجھے جو کتاب علاج الغضب دی تھی، سمجھ میں تو آتا ہے مگر غصہ بہت آتا ہے۔" انہوں نے اپنی پریشانی بتائی۔

"غصے کے وقت اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ لیا کریں، جس پر غصہ آ رہا ہو وہاں سے ہٹ جائیں، پانی غصے کا علاج ہے، وضو کر لیں اور پانی بھی پی لیں، کیونکہ آگ جب لگتی ہے تو پانی ہی سے بجھتی ہے، یہ حدیثوں کا علاج ہے کہ جس پر غصہ چڑھے وہ وضو کر لے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے (مشکوٰۃ صفحہ 434 کنز العمال جلد ج ص 828)

"علاج تو آسان ہے یعنی اب صرف عمل کی مشق کرنی ہے۔" پروین جی بولیں۔

"جی یقیناً۔" میں نے جواباً کہا۔

پروین جی گاہے بگاہے میرے پاس آتی رہتی ہیں، حضرت والا کے مواعظ پڑھتی رہتی ہیں اور جو کچھ سمجھ میں نہیں آتا، وہ بھی آ کر ڈسکس کرتی رہتی ہے، غصہ بالکل ختم تو نہیں ہوا مگر اپنی ہمت اور عزم سے انہوں نے کافی حد تک اپنے غصے کو امالہ میں بدل لیا ہے۔

"ہمارے معاشرے میں غصہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ ہر کوئی اس کا رونا روتا نظر آتا ہے، میاں کا بیوی پر، ساس کا بہو پر، ماں کا بچوں پر اور اکثر بچوں کا والدین پر (جو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے) اس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا ہے صرف تحمل کی ضرورت ہے، ہم سب کو، اللہ توفیق دے اور قبول کرے۔ آپ کی باجی فردوس

آلام روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ملا اسے غم جاناں بنا دیا



غموں کی راکھ

تبسم محسن علوی

اس بڑی کائنات میں انسان کی بساط ہی کیا ہے، مگر نجانے کیوں انسان اپنی ذات کے حصار میں قید رہتا ہے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے دوسرے کے دلوں کو پھول کی طرح مسل کر پھینک دیتا ہے اور جب اس کا اپنا دل دکھتا ہے تو پھر اسے دوسرے کے غم و دکھ کا احساس ہوتا ہے، مگر اس وقت یہ دکھ و غم نہیں، انسان کا پچھتاوا کہلاتا ہے اور آج اسی پچھتاوے کی شدت سے پرویز کا دل اور آنکھیں دونوں رو رہی تھیں، غم کے سائے میرے خوش باش دل پر شاید اس لئے منڈلا رہے تھے، کیونکہ پرویز میری پہلی چاہت اور میرا منگیتر بھی تھا، میری خالہ یعنی پرویز کی امی اور خود پرویز کی بے پناہ خواہش کی بنا پر انٹر کے بعد ہی میری منگنی پرویز سے ہوگئی، میرے حسن و خوبصورتی سے میری خالہ کو ڈر تھا کہ میری شادی میری والدین کوئی اچھا رشتہ پاتے ہی کہیں اور نہ کردیں، بی اے کے بعد رخصتی ٹھہرائی گئی، اس وقت تک پرویز بھی ایم اے کرکے جاب پر لگ جاتا، میں نے بھی اس کچی عمر میں پرویز کے پیار کی چنری اوڑھ لی، پہلی محبت کے خمار میں بھیگا بھیگا میرا وجود پرویز کے نام سے پرویز کے نام پر ختم ہوتا تھا، وہ دن کو اگر رات کہتا تو وہ دن میرے لئے رات بن جاتی، وہ رات کو اگر دن کہتا تو وہ رات مجھے دن لگتی، یہی حال اس کا بھی تھا، اگر وہ میری آنکھوں آنسو بھی دیکھ لیتا تو حد درجہ پریشان ہوجاتا، دیکھو یہ آنکھیں میری امانت ہیں، ان جھیلوں میں طغیانی، میں بھی طغیانی نہیں آنے دوں گا، اس کے پیار کی پھوار بھیگے بھیگے خوبصورت شب و روز کو نجانے کس کی نظر لگ کہ میری جھیل جیسی آنکھوں میں سیلاب اتر آئے، ا

دن بھیا کے ساتھ موٹر سائیکل پر کالج جاتے ہوئے ا برے ایکسیڈنٹ میں میری ایک ٹانگ میرے جسم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے الگ کردی گئی اور میں پیار کے نخلستان سے درد کے صحرا میں داخل ہوگئی، جب میں ویل چیئر پر اسپتال سے گھر آئی، بھیا بھابھی اور سب بہن بھائی مجھے ہر طرح سے حوصلہ دینے کی کوشش میں لگے رہتے میرے دل کو پورا اعتبار تھا کہ پرویز بھی میرا ہاتھ تھا کہے گا کہ "اونچی محبت تو آزمائش میں ہی پہچانی جاتی میری محبت اتنی کمزور نہیں کہ اتنی سی آزمائش پر ہار جائے زندگی کے ہر امتحان میں ہم دونوں ایک دوسرے کا ساتھ نبھائیں گے۔" ان لفظوں کی جھنکار سننے کے لئے میں بیقراری سے اس کا انتظار کرتی، اسپتال میں تو روز آتا تھا، مگر گھر آنے پر جب میں اس سے اکیلے میں ملنے کی تمنا کررہی تھی، وہ نہ آیا، اس کے انتظار میں دن کانٹوں میں، راتیں انگاروں میں بسر ہورہی تھیں، ہواؤں نے خوابوں نے تو جیسے میری آنکھوں میں بسیرا کرلیا اور پھر ان ڈراؤنے خوابوں کی بھیانک تعبیر حقیقت بن کر یوں سامنے آئی کہ پرویز پھر کبھی میرے گھر نہیں آیا، امی ضرور اشک بہاتی آنکھوں کے ساتھ یہ نوحہ سنا گئیں کہ پرویز ایک اپاہج جیون ساتھی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا، مجھے لگا کہ میری سانس کی ڈوری کسی لمحے ٹوٹ کر ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گی، کیونکہ میری زندگی کا محور تو بس وہی تھا، میری پہلی اور آخری خواہش، تمنا وہی تھا وہی زندگی تھا، وہی دل کی دھڑکن تھا، دل اپنی دھڑکنوں کے بغیر بھلا کیسے رہ سکتا ہے، مگر قدرت نے جتنی سانسیں مقدر میں لکھ دی ہیں، اس سے پہلے ہم اس دنیا سے کیسے جاسکتے ہیں اور میں زندہ رہی اور زندہ ہوں، چھ ماہ بعد پرویز کی شادی بہت حسین جمیل نرگس سے ہوگئی اور میں نے تنہائیوں کی آغوش میں اتر کر عشق مجازی سے منہ موڑ کر عشق حقیقی کو پالیا اور جب انسان عشق حقیقی میں ڈوب کر اپنے خالق سے اپنے رب سے قریب ہوجاتا ہے تو دنیا کا کوئی غم غم نہیں رہتا، بھیا بھابھی، امی ابو، میری پیاری پیاری بجو نے مجھے جینے کا نیا عزم عطا کردیا، ان کی کوششوں نے بیساکھی کی بجائے میری معنوی ٹانگ لگادی، شروع میں تو بہت الجھن میں گرفتار رہی، مگر پھر عادی ہوگئی اور اسی دوران میرے چچا کے بیٹے نعمان کا رشتہ آگیا، گھر والوں کے ساتھ میں بھی حیران تھی، میرے ایک بار پردہ میرے کمرے میں چلا آیا، جس کمرے میں کبھی میں تنہا پڑی پرویز کے محبت بھرے جملوں کا میں انتظار کرتی تھی، وہ جملے اس نے بول کر مجھے جیت لیا کہ "ارشی آپ میں بھلا کس چیز کی کمی ہے، اتنا بے داغ حسن... ہونٹوں کے گلاب، یہ آنکھوں کے غزال..... ریشم جیسے بال..... یہ قد و قامت کی دلکشی، یہ آواز کی نغمگی، اگر اللہ نے ایک چیز آپ سے واپس لے لی تو آپ نے اپنے کو اتنا حقیر سمجھ لیا کہ اپنے آپ کو دوسروں پر بوجھ سمجھتے ہوئے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا، آپ کے پھول جیسے بوجھ کا وزن ہم اٹھانے کے لئے پہلے بھی تیار تھے، مگر چچا چچی نے آپ کو پرویز کے نام اتنی جلدی منسوب کردیا کہ ہم خاموش ہوگئے، یاد رکھئے کہ ہماری محبت میں نہ آج کمی آئی ہے، نہ کل کمی آئے گی، اس کی آنکھوں میں موجود محبت ستائش کے آگے میرا سر جھک گیا، نعمان تو میرے لئے وہ نعمت خداوندی ہیں کہ جس کے شکر کے لئے میں تمام زندگی بھی شکرانے کے طور پر سجدے میں پڑی رہوں تو شکر ادا نہیں کرسکتی، ہمارے چمن کے تینوں پھول بھی بے پناہ حسین اور شگفتہ ہیں، حسن، حسین اور چاند جیسی ماہین اور آج میں سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ انسان جس قدر اپنی فرعونیت کے ذریعے اپنی قسمت میں خوش قسمتی لانا چاہے، نہیں لاسکتا، ہر اختیار کا مالک صرف اور صرف وہی قادر مطلق ہے جو ہم سب کی قسمت لکھتا ہے اور ہم اکثر ہی اس کی حکمت کو نہ سمجھتے ہوئے نادانی سے اس سے ناراض ہوکر شکوہ و شکایت شروع کردیتے ہیں جبکہ اسی کے حکم سے غموں کی راکھ سے خوشیاں پھوٹ پڑتی ہیں میں اور نعمان خاندان کی کسی تقریب میں بچوں کے ساتھ ساتھ داخل ہوئے تو برسوں بعد پرویز کو اپنے ساتھ دیکھا، جو اپنی موٹی سی بیوی اور دونوں ٹانگوں کی پولیو کی شکار دس سالہ بچی کو ویل چیئر پر لئے ہمارے بہت پاس سے گزرتے ہوئے ہماری جانب بڑی حسرت سے دیکھ رہا تھا، اس کے بجھے بجھے اداس چہرے پر غم و دکھ اور پچھتاوے کے غمگین سائے بکھر رہے تھے، نعمان نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا، میں بھی مسکراتے ہوئے رسمی حال احوال پوچھتے ہوئے آگے تیزی سے اس لئے اس بڑھ گئی کہ اس کی آنکھوں میں آئے ہوئے اشک کہیں ہمارے سامنے چھلک نہ پڑیں۔

☆......☆......☆

سراب

جوانی کی ترنگ میں بہک جانے والے شہزادے کا ماجرا، ترک ادب سے ایک سوغات

ثروت صولت

سلطان قلیچ ارسلان کی سب سے قیمتی دولت اس کا بڑا بیٹا سنجر تھا، اتالیق، احمد بابا نے اس کی بڑی محنت سے تربیت کی تھی، وہ جوان ہو کر حسین، طویل قامت اور جوان رعنا نکلا، اس کا باپ کچھ دن سے محسوس کر رہا تھا کہ سنجر کے اندر کچھ تبدیلی آگئی ہے جس نے باپ کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کر دیے، آخر ایک دن سلطان نے اس کے اتالیق کو طلب کر کے پوچھا:

"احمد بابا! کیا آپ بھی سنجر کے اندر کچھ تبدیلی محسوس کرتے ہیں؟ وہ کچھ کھویا کھویا سا رہتا ہے، کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھاتا۔"

"جی ہاں سلطان عالی جاہ، میں یہ بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" معمر بابا نے جواب دیا۔

"اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"جوانی کا تقاضا ہے" احمد بابا نے کہا، لیکن سلطان اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا اور احمد بابا کا منہ دیکھنے لگا۔ پھر پوچھا: "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"عالی جاہ! سنجر پورے اٹھارہ سال کا ہو چکا ہے، اس عمر میں کسی نوجوان کا رنگ زرد پڑ جائے اور وہ کھویا کھویا رہنے لگے، تو اس کا صرف ایک ہی سبب ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔ "کون سا سبب؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" سلطان کچھ دیر بعد بولا۔

"عشق۔" یہ سن کر سلطان نے پیچھے کھسک کر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائی اور احمد بابا کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا۔

"اگر یہی بات ہے تو ہمیں معلوم کرنا ہوگا کہ وہ کون لڑکی ہے جس کے عشق میں شہزادہ مبتلا ہو گیا۔ میری درخواست ہے کہ آپ خود اسے بلا کر بات چیت کریں۔" بابا نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ میں بیٹے کو بلا کر دریافت کروں کہ تم کس لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو؟ میں ایک بادشاہ ہوں اور مجھے ایسی حرکت زیب نہیں دیتی۔"

"عالی جاہ! آپ باپ پہلے ہیں اور بادشاہ بعد میں۔" احمد بابا کہنے لگا۔ بات ٹھیک تھی، سلطان چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا، لیکن وہ بیٹے سے اس موضوع پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اسی لئے بابا سے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر آپ سنجر سے بات کریں۔"

"کیا یہ آپ کا حکم ہے عالی جاہ؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں یہ میری درخواست ہے" سلطان نے کہا۔ "آپ نے سالہا سال سنجر کی تعلیم و تربیت کی، اسی لئے اس پریشان کن سوال کا جواب آپ بہتر طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔"

احمد بابا یہ سن کر سوچ میں پڑ گیا، پھر کہنے لگا "یہ بڑا مشکل کام ہے، بالکل ایسا جیسا ستاروں کے اسرار معلوم کرنا۔"

سلطان قلیچ ارسلان مسکرایا اور کہنے لگا: "لیکن ہو اسرار آپ ہی معلوم کر سکتے ہیں۔"

سلطان قلیچ ارسلان نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے درخواست نہیں کی تھی لیکن اب وہ اپنے بیٹے کی خاطر مجبور ہو گیا۔ تاہم وہ خوشی کے ساتھ درخواست کر رہا تھا، کیونکہ وہ اپنے بیٹے کے سر پر جلد سہرا بندھا دیکھنا چاہتا تھا۔ بابا کے لئے اب نئی ذمہ داری قبول کرنے کے علاوہ کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ وہ بادشاہ کے پاس سے اٹھا اور سیدھا سنجر کے ہاں پہنچا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کس طرح شروع کی جائے۔ ابھی وہ غور کر ہی رہا تھا کہ سنجر یوں چونکا جیسے کوئی خواب میں چونکتا ہے۔ پھر اس نے احمد بابا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"لالہ! آپ نے مجھے بہت کچھ سکھایا پڑھایا لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو آپ سکھا نہیں پائے؟"

"خیریت تو ہے سنجر! وہ کیا بات ہے جو میں تمہیں سکھا نہیں پایا؟ ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو۔" احمد بابا نے جواب دیا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں مکمل طور پر ایک بات نہیں جانتا۔"

"کوئی شخص ہر بات کو مکمل طور پر جان بھی نہیں سکتا سنجر! اور کم از کم یہ بات میں نے تمہیں بتائی تھی۔" احمد بابا نے جواب دیا۔

سنجر نے محسوس کیا کہ لالہ کو اس کا یہ سوال ناگوار گزرا ہے، اس لئے معافی مانگتے ہوئے بولا:

"آپ صحیح فرماتے ہیں، مجھے آپ نے سمجھا دیا تھا کہ انسان کو اپنی مشکلات کا حل خود نکالنا چاہئے۔ لیکن پھر بھی میں بعض باتیں جاننا چاہتا ہوں۔"

"صاف صاف کہو سنجر، تمہیں کیا پریشانی لاحق ہے؟" بابا نے سوال کیا۔

"میری الجھن......" یہ کہہ کر سنجر رک گیا اور پھر کہنے لگا:

"مجھے کوئی الجھن نہیں ہے۔"

"ایسا نہ کہو" احمد بابا نے کہا: "اگر تم اپنی پریشانی اور اپنی الجھن بیان نہیں کرو گے، تو پھر وہ کیسے دور ہو گی؟"

"لالہ! آپ نے مجھے علم نجوم اور غیب کی باتیں معلوم کرنے کا طریقہ کیوں نہیں سکھایا۔" سنجر نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"ارے بھائی، یہ کاہنوں کا کام ہے اور میں ایک عام انسان ہوں، معاً بابا کے ذہن میں ایک خیال آ گیا، ان کے منہ سے لفظ "مگر" نکلا اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔

سنجر نے فوراً سوال کیا:

"مگر کیا بابا؟"

"میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک کنواں ہے جسے "تمناؤں کا کنواں" کہتے ہیں۔ اگر اس کنوئیں کے اندر منہ کر کے کوئی بات کہی جائے، تو وہ اس کا علاج بتا دیتا ہے۔ اگرچہ میں ایسی باتوں پر یقین نہیں کرتا، لیکن اگر تم کہو تو ہم دونوں وہاں چلے چلیں۔" احمد بابا نے کہا۔

"لالہ! تمناؤں کا کنواں کہاں ہے؟" سنجر نے پوچھا۔

احمد بابا اب شہزادے کو اپنے مطلب کے راستے پر لے آیا تھا، اس لئے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اس جگہ کا پتا بتا دیا جہاں کنواں واقع تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ دوسرے دن سنجر پہلا کام یہی کرے گا کہ کنوئیں پر جا کر اپنی آرزو بتائے گا۔ ہوا بھی یہی، دوسرے دن علی الصباح شہزادہ کنوئیں پر پہنچ گیا، وہ اندھا کنواں تھا اور اس میں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ سنجر نے اس کے کنارے پہنچ کر گردن جھکائی اور بولا:

"اے کنوئیں! سنا ہے تو لوگوں کی آرزوئیں پوری کرتا ہے، میری بھی ایک آرزو پوری کر۔" جب کچھ دیر تک اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو سنجر نے بات پھر دہرائی۔

اچانک کنوئیں کی تاریک گہرائی سے آواز آئی:

"اے نوجوان، تو کیا چاہتا ہے؟"

سنجر گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ "کیا واقعی کنوئیں میں سے آواز آئی ہے؟" وہ سوچنے لگا۔ چند لمحوں بعد سنجر نے پھر اندر جھانکا، وہاں اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ آواز کس کی ہے، آخر اس نے یہ سوچ کر کہ

کہیں موقع ہاتھ سے نکل جائے، دل کی بات کہہ دی:

"اے کنوئیں، میں ایک لڑکی پر عاشق ہوگیا ہوں، لیکن اسے میں نے دیکھا ہے اور نہ اس کے بارے میں کچھ جانتا ہوں، میں صرف اس کی تصویر دیکھ کر دیوانہ ہوگیا ہوں، یہ تصویر مجھے ایک تاجر نے دی تھی، اسے دیکھتے ہی میں لڑکی پر فریفتہ ہوگیا اور میرا دل قابو میں نہیں رہا، میں اس لڑکی کو کس طرح تلاش کروں؟ اے کنوئیں، تو میری مدد کر۔"

کچھ دیر بعد کنوئیں سے جواب آیا:

"اپنی مشکل اپنے لالہ سے بیان کر، وہ تیری مدد کرے گا۔"

"کنوئیں! میری مشکل یہی ہے کہ میں اپنا درد اور غم کسی سے ذکر نہیں کرسکتا۔"

"لیکن تمہیں لالہ سے بات کرنا ہوگی، وہی تمہاری مدد کرسکتا ہے۔" کنوئیں سے آواز آئی۔

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ سنجر نے پھر کئی سوال کیے لیکن کسی کا جواب نہیں ملا۔ آخر وہ واپس اپنے محل آگیا۔ اس کے روانہ ہوتے ہی ملازم نے کنوئیں میں رسی ڈالی اور احمد بابا اس کی مدد سے اوپر آگیا۔ دوسرے دن بابا دیر سے محل پہنچا۔ ادھر سنجر اپنے دل کا حال کہنے کے لئے بیتاب تھا، بابا جیسے ہی اس کے سامنے آیا وہ کہنے لگا:

"لالہ! میں نے خوب سوچا، غور کیا، بالآخر یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اپنی مشکل آپ سے بیان کردوں کیونکہ صرف آپ ہی میری مدد کرسکتے ہیں۔"

احمد بابا مسکرایا اور پھر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ بیان کرو۔ سنجر فوراً دوڑ کر کمرے میں گیا اور لڑکی کی تصویر لے آیا۔ لڑکی واقعی انتہائی حسین تھی۔ تصویر بابا کو دکھاتے ہوئے سنجر نے کہا:

"لالہ! میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

احمد بابا تصویر دیکھ کر خاموش ہوگیا، وہ سوچ رہا تھا، کیا یہ لڑکی ہے اور اگر ہاں تو اس کا پتا اور احوال کہاں سے اور کیسے معلوم کیا جائے۔ سنجر اپنے اتالیق کی خاموشی برداشت نہ کرسکا، اس نے احمد بابا کے شانے ہلا ڈالے

"بیٹے! ذرا صبر کرو، میں تمہارے معاملے پر ہی غور کررہا ہوں۔" احمد بابا نے جواب دیا۔ پھر کچھ دیر غور کرنے کے بعد بولا:۔

"اگر یہ تصویر کسی مصور کے موئے قلم اور اس تخیل کا نتیجہ نہیں اور جس لڑکی کی یہ تصویر ہے، وہ واقعی موجود ہے، تو ہم ان شاء اللہ اسے ڈھونڈ نکالیں گے صرف جدوجہد شرط ہے۔"

احمد بابا نے پھر سارا معاملہ سلطان قلیچ ارسلان بتایا۔ اس نے کہا: "آپ سنجر کے ساتھ لڑکی کی تلاش میں نکلیں اور اپنے ساتھ فوج کا ایک دستہ بھی لے جائیے"

لیکن احمد بابا نے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا! کہا: "ہم جنگ پر نہیں جارہے کہ فوج لے جائیں۔ ہم لڑکی کی تلاش میں جارہے ہیں۔"

سلطان نے احمد بابا کی بات مان لی اور وہ دونو درویشوں کے بھیس میں روانہ ہوگئے۔ انہیں یہ بھی معلو نہ تھا کہ انہیں جانا کہاں ہے، بس تقدیر پر بھروسا کرکے چل پڑے۔ وہ دن کو سفر اور رات کو مسافر خانوں میں آرام کرتے۔ جہاں آبادی دیکھتے، لوگوں سے معلومات حاصل کرکے انہیں لڑکی کی تصویر دکھاتے۔ ایک دن وہ فراح الفقرہ میں ایک مسافر خانے میں بیٹھے تھے کہ ایک بوڑھے نے تصویر پہچان کر بتایا کہ یہ لڑکی ریاست سند کی شہزادی ہے۔

احمد بابا نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ ریاست کس ملک میں واقع ہے؟"

بوڑھے نے بتایا: "ہندوستان میں۔" اس نے پھر یہ بھی بتایا کہ وہ جب سیر کرتا ہوا سند باد پہنچا، تو اس نے یہ تصویر وہاں دیکھی تھی۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ ان کی شہزادی کی تصویر ہے۔

سنجر یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑا اور بے تاب ہو بوڑھے سے پوچھا کہ ہندوستان جانے کا طریقہ کیا ہے۔

اس نے جواب دیا کہ وہاں جانے کے لئے بحری جہاز سے سفر کرنا ہوگا۔ احمد بابا نے پھر بوڑھے سے پوچھا کہ کیا وہ پورے یقین سے کہہ سکتا ہے کہ یہ تصویر سند باد کی شہزادی کی ہے؟

"کیوں نہیں، میں پورے یقین سے کہہ رہا ہوں۔ جب تم سند باد کے بازار کی سیر کرنے نکلو گے، تو تمہیں یہ تصویر جگہ جگہ لگی نظر آئے گی۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

اب سنجر کا بے چینی سے برا حال ہوگیا۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھی وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا، مگر احمد بابا نے اسے سمجھایا کہ کل علی الصباح سفر کرنا مناسب ہے۔ چنانچہ دونوں نے رات مسافر خانے میں گزاری اور صبح ہوتے ہی سفر پر روانہ ہوگئے۔ دن کو سفر اور رات کو آرام کرتے ہوئے وہ بصرہ کی بندرگاہ پہنچے۔ قسمت اچھی تھی کہ انتظار نہیں کرنا پڑا ایک جہاز سیدھا ہندوستان جارہا تھا۔ دونوں اس پر سوار ہوگئے۔ سنجر ہیجانی کیفیت میں مبتلا تھا، ہر آن وہ اپنی محبوبہ کے وطن سے قریب ہورہا تھا۔ ساتھ ہی یہ خوف بھی اسے ستارہا تھا کہ معلوم نہیں اطلاع صحیح ہے یا نہیں، گوہر مقصود ہاتھ آئے گا یا نہیں۔ اس نے احمد بابا سے پوچھا:

"لالہ! کیا واقعی ہم لڑکی تلاش کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے؟"

"پوچھ پوچھ کر تو آدمی بغداد پہنچ جاتا ہے، ہمیں یہ تو معلوم ہوگیا کہ وہ کہاں رہتی ہے، اب شہزادی تک بھی پہنچ جائیں گے۔"

آخر سفر ختم ہوا اور جہاز ریاست سند باد کے ساحل پہنچ گیا۔ احمد بابا اور سنجر نے جیسے ہی اس سرزمین پر قدم رکھا، قدم قدم پر بوڑھے کی باتوں کی تصدیق ہوتی چلی گئی۔ بازار میں کئی جگہ شہزادی سند باد کی تصویریں آویزاں تھیں۔ سنجر کی بے تابی کا عجیب عالم تھا، وہ جلد از جلد اپنی محبوبہ سے ملنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر گھومنے پھرنے کے بعد وہ شاہی محل تلاش کرنے لگے۔ انہیں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ محل پہنچ کر انہوں نے مہاراجہ کو اپنے آنے کی اطلاع بھجوائی اور یہ بھی کہلوا بھیجا کہ وہ کون ہیں۔ مہاراجہ نے دونوں کو فوراً اندر بلا لیا۔ آداب اور تسلیمات کے بعد مہاراجہ نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں انتظار کرنے لگے کہ مہاراجہ کس طرح گفتگو کا آغاز کرتا ہے کیونکہ اس کی زبان ہندی تھی۔ لیکن سنجر کو بڑا تعجب ہوا جب وہ فارسی زبان میں گویا ہوا۔ احمد بابا بہت اچھی فارسی جانتا تھا، اس لئے وہ مہاراجہ سے گفتگو میں معروف ہوگیا۔ سنجر دونوں کا منہ دیکھتا رہا۔ مہاراجہ تنومند اور ہنس مکھ مزاج کا مالک تھا۔ عمر اسی سال کے لگ بھگ ہوگی لیکن چہرے مہرے سے وہ اتنا بوڑھا نہیں لگتا تھا۔ مہاراجہ کے حکم پر شربت لایا گیا، پھر اس نے احمد بابا سے کہا:

"میں ترکی کے سلطان قلیچ ارسلان سے واقف ہوں اور احمد بابا، آپ کی شہرت بھی میں نے سنی ہے۔ ہمارے ہاں دنیا جہاں کی خبریں آتی ہیں اور ہم مطالعہ بھی بہت کرتے ہیں۔ ویسے بھی ہم نسلاً ترک ہیں۔"

دونوں میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی، کبھی تاریخ اور کبھی فلسفے کے موضوع پر، سنجر نے بارہا اشارہ کیا کہ شہزادی کے بارے میں بھی احمد بابا کوئی سوال کرے لیکن اس نے توجہ نہیں دی۔ آخر مہاراجہ نے بتایا کہ ان کے لئے کمرے تیار ہیں اور وہ وہاں جاکر آرام کرلیں۔ مہاراجہ نے یہ بھی کہا کہ رات کو ان کے اعزاز میں دعوت دی جائے گی۔ احمد بابا نے راجہ کا شکریہ ادا کیا اور دونوں اپنے کمروں کی طرف چل دیئے۔ راستے میں سنجر نے کہا: "لالہ! ہم یہاں دعوت کھانے نہیں آئے۔"

احمد بابا مسکراتے ہوئے بولا: پھر کس لئے آئے ہیں؟"

"ہم شہزادی سند باد سے ملنے آئے ہیں، شاید آپ یہ بات بھول گئے۔" سنجر نے کہا۔

تاہم احمد بابا نے پھر بھی اس موضوع کی طرف توجہ نہیں دی اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ ادھر سنجر کے لئے شام تک کا وقت گزارنا مشکل ہوگیا۔ جب رات ہوئی، تو دونوں ضیافت گاہ پہنچ گئے۔

وہ نہایت شاندار دعوت تھی، دونوں کے لئے عمدہ کھانے اور مشروبات تیار کیے گئے تھے۔ مہاراجہ ایک نمایاں جگہ بیٹھا، دائیں طرف رانی بیٹھی اور قریب ہی احمد بابا کو جگہ دی گئی۔ سنجر کو بائیں طرف بٹھایا گیا۔ مہاراجہ اور احمد بابا تو گفتگو میں مصروف ہو گئے اور سنجر نظریں دوڑاتا رہا کہ شاید کہیں شہزادی سندبادو کھائی دے جائے۔ اس نے کئی بار احمد بابا کو اشارہ بھی کیا کہ وہ شہزادی کے بارے میں سوال کرے لیکن وہ ٹال گیا۔ آخر سنجر سے صبر نہ ہو سکا اور وہ باآواز بلند بولا:

"لالہ، خدا کیلئے شہزادی کے لئے بھی کچھ پوچھئے۔"

مہاراجہ نے پہلے حیرانی سے سنجر کی طرف دیکھا، پھر احمد بابا پر نظر ڈالی اور کہا:

"کیا کوئی خاص بات ہے، شہزادہ سنجر کیا کہہ رہے ہیں؟"

"کوئی خاص بات نہیں، ہم لوگوں نے شہر میں ایک شہزادی کی جگہ جگہ تصویریں لگی دیکھی ہیں، تعجب ہے کہ وہ یہاں نظر نہیں آ رہی۔" احمد بابا نے بتایا۔

یہ سن کر مہاراجہ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ سنجر نے احمد بابا کو دیکھا اور اس کی نظریں شہزادے کی آنکھوں سے ملیں اور پھر دونوں مہاراجہ کی طرف دیکھنے لگے۔ مہاراجہ نے اس دوران ہندی میں رانی کو بتایا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں اور وہ بھی مسکرانے لگی۔ پھر مہاراجہ کہنے لگا:

"حیرت ہے آپ لوگوں نے ابھی تک شہزادی کو نہیں دیکھا!"

سنجر اور احمد بابا ایک دوسرے کا منہ تک کر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگے۔ یہ دیکھ کر مہاراجہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی اور اس نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ ہے وہ شہزادی۔" یہ سنتے ہی سنجر کا یہ حال ہو گیا کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ وہ پریشانی کے عالم میں سوچنے لگا۔ "پھر وہ تصویر کس کی ہے؟"

جب احمد بابا نے مہاراجہ کو بتایا کہ شہزادے کا مدعا کیا ہے، تو وہ پھر ہنسنے لگا اور بتایا۔ "وہ تمام تصویریں میری رانی کی ہیں، مگر اس وقت کی جب ہماری شادی ہوئی تھی۔ لوگ چونکہ اپنی رانی سے بہت محبت کرتے ہیں، اسی لئے وہ اس کی جوانی کی تصاویر اب تک بناتے رہتے ہیں۔ راجہ نے پھر رانی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"ہم دونوں کو ایک دوسرے سے بہت محبت ہے اور یہ ہندوستان میں مثال بن چکی ہے۔"

سنجر نے ایک بار غور سے ضعیف العمر مہارانی کے پرنور چہرے پر گہری نظر ڈالی اسے محسوس ہوا کہ واقعی اس میں اور تصویر میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ سنجر کو پہلی مرتبہ اس حقیقت کا بھی پتہ چلا کہ بڑھاپے میں شکل کس قدر بدل جاتی ہے، کہاں تو جوانی کی وہ تصویر، جسے دیکھ کر وہ اس کا عاشق ہو گیا تھا اور کہاں جھریوں بھرا یہ چہرہ، سنجر نے حسرت و یاس کے ساتھ احمد بابا کو دیکھا، وہ، مہاراجہ اور مہارانی سب لوگ مسکرا رہے تھے۔

☆......☆......☆

دوسرے دن ان کا واپسی کا سفر شروع ہو گیا، شہزادہ سنجر بالکل خاموش تھا، دو دن وہ اسی حالت میں سفر کرتا رہا۔ آخر تیسرے دن اس کے لب کھلے:

"احمد بابا۔" بابا نے سنجر کی طرف دیکھا اور کہا: "بولو۔ کیا کہنا چاہتے ہو، خاموش نہ رہو۔"

"اب کیا ہو گا؟" سنجر نے پوچھا۔ "ارے وطن پہنچتے ہی تمہارے لئے خوبصورت دلہن ڈھونڈ کر تمہاری شادی کر دیں گے اور کیا کریں گے۔" احمد بابا نے جواب دیا اور پھر مسکراتے ہوئے کہا:

"ایک بات یاد رکھو، آئندہ کبھی کسی تصویر پر عاشق نہ ہونا۔"

"لالہ! کیا میری دلہن بھی بڑھاپے میں رانی کی طرح ہی ہو جائے گی؟" سنجر نے پوچھا۔ "ہاں دلہن ہی نہیں تم بھی بڑھاپے میں مہاراجہ جیسے ہو جاؤ گے۔" احمد بابا نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

☆......☆......☆

میں شجر ہوں شہر ملال کا......



یہ غم تکلیف دیتے ہیں
امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں
یقیں پر بے یقینی ہے
کسر کچھ ایسا چڑھتا ہے
دکھائی کچھ نہیں دیتا
سجھائی کچھ نہیں دیتا
دعا کے لفظ بس میرے
لبوں پر کپکپاتے ہیں
کسی خواہش کے اندیشے
ذہن میں دوڑ جاتے ہیں

کہ ہم سہہ نہ پائیں گے
یہ گہرے زخم جیون کے
کسی سے بھر نہ پائیں گے

وہ خالی خالی نظروں سے ڈائری میں لکھے لفظوں کو دیکھے جارہی تھی۔

"کیا کررہی ہو؟" کومل نے آکر یکدم کہا تو وہ ڈائری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں!" اس نے بے تاثر انداز میں ڈائری بند کردی۔

"اچھا امی کہہ رہی ہیں کہ ذرا جلدی سے تیار ہوجاؤ...... کریمن بوا کچھ لوگوں کو لے کر آرہی ہیں۔" وہ تیزی سے کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔

"کیوں؟" وہ ڈائری اب الماری میں رکھ رہی تھی۔

"ظاہر ہے تمہیں دیکھنے۔" وہ معروف انداز میں بولی۔

"اور پھر رد کرنے؟" اس کے لہجے میں بلا کی تلخی گھل گئی۔

"بری بات ہے مسکان... پہلے ہی بددل ہوجاؤ گی تو کچھ بھی اچھا نہیں ہوگا، ایسا نہیں سوچتے .... ایسا کرو وہ پرپل کلر سوٹ پہن کر فریش ہوجاؤ... پھر جلدی سے کچن میں جاؤ...... شاباش!" وہ اس سے چھوٹی ہونے کے باوجود بڑوں کی طرح پیش آتی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ مہمان خواتین کو سرو کررہی تھی، ان کی ایکس ریز نظروں سے اس کی روح گھائل ہوتی جارہی تھی۔ کچھ دیر اس سے انٹرویو لینے کے بعد انہوں نے چائے اور دیگر لوازمات پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ پھر ایک صاحبہ نے نہایت اسٹائل سے بوا کو مخاطب کیا۔

"بھئی کریمن! میں نے تو تمہیں کہا تھا کہ مجھے اپنے بیٹے کے لئے چاند سی دلہن چاہئے...... آخر میرا بیٹا لاکھوں میں ہے...... اس عام سی لڑکی میں تمہیں آخر نظر کیا آیا تھا جو مجھے یہاں گھسیٹ لائی ہو۔" ان کے چہرے پر بیزاری جھلک رہی تھی، کریمن بوا نے بوکھلا کر امی کی جانب دیکھا جن کی آنکھیں کرب سے بھر آئی تھیں اور پھر سنبھل کر انہوں نے کہنا چاہا۔

"ناز! بیٹیاں تو سب کی ......" اور وہ تیزی سے اٹھ کر باہر آگئی، اس کا دل درد سے بھر گیا تھا۔ اب مزید سننے کی ہمت نہیں تھی۔

"او مسکان!...... رو کیوں رہی ہو پاگل...... بالکل اچھا امپریشن نہیں پڑے گا...... آنسو صاف کرو...... اور یہ پانی لے جاؤ جلدی سے اندر۔" کومل نے اسے گلاس تھمانا چاہا۔

"تم خود ہی لے جاؤ۔" وہ بیر بختی بیڈروم میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

رابعہ بیگم نے انتہائی فکرمندی سے ریسیور کریڈل پر رکھا۔

"کیوں رابی! خیریت تو ہے نا" مرین بیگم چونک گئیں۔

"ارے کیا بتاؤں مرو آپا!...... یہ اولاد بھی والدین کے لئے آزمائش ہی ہوتی ہے...... مسکان کی شادی کرنا چاہ رہی ہوں...... مگر جو بھی اسے دیکھنے آتا ہے، وہ کومل کو پسند کرکے چلا جاتا ہے...... سمجھ نہیں آتا کیا کروں ..... کومل کی پہلے کردوں تو پھر مسکان کا کیا ہوگا...... لوگ الگ باتیں بنائیں گے کہ چھوٹی کی کیوں کی...... اگر نہ کروں تب بھی مشکل ہے...... اب اتنے اچھے رشتے تو روز روز ٹھکرائے نہیں جاسکتے ناں۔" وہ کہتی چلی گئیں۔

"ابھی فون کس کا تھا؟"

"بوا کا ..... کہہ رہی تھیں کہ پرسوں جو عورتیں آئی تھیں... انہیں اپنے بیٹے کیلئے کومل پسند آگئی ہے۔"

"لڑکا کیا کرتا ہے؟" مرین نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

جواباً انہوں نے تفصیل سے ساری معلومات دے دیں۔

"دیکھو رابی!" مرین بیگم نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اتنا اچھا رشتہ پھر نہیں ملے گا...... تم اللہ کا نام لے کر کومل کا کردو..... مسکان کے لئے بھی اچھا ہی ہوگا..... اللہ پر بھروسہ رکھو۔" رابعہ بیگم گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

☆......☆......☆

پروفیسر محمد اجمل اور دیگر ججز ہال میں تشریف لاچکے

تھے۔ "یار تیرا پروجیکٹ تو سب ہی کو مات دیتا نظر آرہا ہے۔" باسل نے ساتھ کھڑے ماثور کے کان میں سرگوشی کی تو وہ سنجیدگی سے بولا:

"ضروری تو نہیں ہے۔"

"ضروری ہے نا بہت ضروری ہے...... جس جگہ تو موجود ہو اور کوئی اور جیت جائے ناممکن!...... چاہے تو شرط لگالے مجھ سے کہ آج فرسٹ پوزیشن تیری ہے۔"

اب کے وہ مسکرا اٹھا۔

"مکھن لگانے میں خاصی مہارت ہے تجھے باسل؟"

یہ سن کر باسل نے آنکھیں حیرت سے پھیلائیں۔

"کمال ہے کہ تو خود کو ایسا سمجھتا ہے حالانکہ مجھے تو تو کہیں سے ڈبل روٹی جیسا نہیں لگتا!" اس نے اسے جواب دینا چاہا مگر سر قریب آچکے تھے۔ انہوں نے سرسری نظروں سے میز پر سجائے تمام سائنس ماڈلز دیکھے اور اس کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ اچانک رک گئے۔ پروفیسر اجمل نہایت دلچسپی سے اس کے بنائے "SOLAR ENERGY" پروجیکٹ کا جائزہ لینے لگے۔ اس نے پراعتماد انداز میں اپنے ماڈل کے متعلق تمام تفصیلات بتانی شروع کیں۔ پھر سوئچ آن کرکے اس کی تکنیک سمجھانے لگا۔ "IT IS TOO NUIQUE NOE" وہ یہ جملہ کہہ کر آگے بڑھ گئے تو وہ اندر تک سرشار ہوگیا اور اس دن واقعی باسل کی پیشین گوئی پوری ہوگئی تھی کیونکہ اس کے ماڈل کو "ماڈل آف دا ایئر" قرار دے کر اسے "آل پاکستان انٹر کالجز سائنس ایگزیبیشن کا رنر" قرار دیا گیا تھا۔ وہ پرائز لینے کے لئے اسٹیج پر پہنچا اور کپ لہرا کر پورے اعتماد سے مسکرادیا۔

"WELL DONE GENTLE MAN!" سر عامر نے اس کی پیٹھ تھپکی۔

"تھینکس سر!" اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

چھن چھن کرتی رنگین چوڑیاں اس کی گوری گوری کلائیوں میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھیں، وہ جو مٹر چھیلنے میں مصروف تھی، یکدم اپنا کام بھول کر اس کی کلائیوں کو دیکھنے لگی۔ نگاہوں کے ارتکاز پر کومل نے دیگچی میں چمچ چلانا چھوڑ کر اسے دیکھا تو وہ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔ کھانا بنا کر وہ آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"کومل تم سے زیادہ خوبصورت ہے۔" آئینے نے کڑوا سچ بولا۔

"تمہارے پاس نہ ہی اس کی جیسی دودھیا رنگت ہے...... نہ تیکھے نین نقش، نہ ہی خوبصورت آنکھیں...... اور موٹی انگلیاں...... اس جیسا کچھ بھی تو نہیں ہے تمہارے پاس!..... پھر زمانہ تو حسن پرست ہی ہے ہمیشہ سے...... لہٰذا تمہارے بجائے وہ پسند کرلی گئی تو اس میں عجیب کیا ہے؟..... تم تو ایک عام سی لڑکی ہو مسکان!...... کیا ہے تمہارے پاس زمانے کے معیار کے مطابق؟ .... کچھ بھی تو نہیں...... تمہارے پاس تو فقط زخم ہیں، درد ہیں، کہیں رسوائی کے تو کہیں نارسائی کے...... اپنا احساس تنہائی ہے...... متعدد بار لٹی ہوئی دل کی دنیا ہے ..... پھر ان سب پر متضاد نازک سادی اور حساس سی طبیعت... سادہ سا مزاج...... جلد رونے اور دیر سے ہنسنے والی شخصیت اور بس!

وہ کتاب زندگی کے اوراق پلٹنے لگی۔

"ارے بہو!" دادی اماں کی تیز آواز پر امی اسے ہوم ورک کراتا چھوڑ کر باہر نکل گئیں۔

"یہ کپڑے دھوئے ہیں تم نے میرے؟...... پتا نہیں کون سے جادو ٹونے کرائے تھے تمہاری ماں نے .... جو مجھے اپنے ہونہار بیٹے کے لئے تم جیسی لڑکی لانی پڑی...... کسی پھوہڑ پرلے درجے کی کام چور!" وہ ہوم ورک کرتے کرتے رک گئی کیونکہ باہر جنگ شروع ہوچکی تھی۔

"ہم نے کچھ نہیں کہا تھا آپ پر...... آپ کے کنگلے بیٹے کو رشتہ دے ہی کون رہا تھا اماں!..... آپ نے خود

بیس بیس دفعہ ہمارے گھر آ کر رشتہ مانگا تھا۔"

امی ترخ سے بولیں۔ "ارے مجھے پتا ہوتا کہ تم ایسی نکلو گی تو......" دادی اماں نے کہا تو امی نے بات کاٹ دی۔ "بس! بس! میرے ماں باپ کو بھی پتا ہوتا کہ آپ کی میٹھی زبان کے پیچھے یہ روپ ہے تو وہ بھی کبھی مجھے اس جہنم میں نہ جھونکتے۔" وہ سہم کر دروازے سے آ لگی، یہ روز روز کی چیخ چیخ اس کے چھوٹے سے دل کو توڑ کر رکھ دیتی اور جب امی روتی ہوئی واپس آتی تو اس کا دکھ مزید بڑھ جاتا، ان روز روز کی لڑائیوں نے اسے وقت سے پہلے بڑا اور حد درجے حساس بنا دیا تھا۔ اس کے سفر زیست میں کچھ اور منزلوں کا اضافہ ہوا۔

"اچھا تو جلدی سے سب بچیاں بتائیں کہ ان کی سب سے بہترین سہیلی کون ہے۔" مس ثانیہ نے اس کی کلاس سے دریافت کیا۔

"میری بیسٹ فرینڈ سوہا ہے میم" اس نے اپنی باری پر بڑے فخر سے کہا لیکن ساتھ بیٹھی سوہا نے جب اریبہ کی طرف اشارہ کر کے اسے بہترین دوست مانا تو اس کا دل پارہ پارہ ہو کر رہ گیا، اس نے اس کے بھرم کا خون کر دیا تھا، اسے اپنے غیر اہم ہونے کا احساس پوری شدت سے ہوا تھا۔ اس نے کتاب زندگی کے اگلے اوراق پلٹے۔

"مسکان تو اعلیٰ درجے کی سست لڑکی ہے ... مجال ہے جو ذرا ڈھنگ ہو اسے کسی کام کا۔" وہ فطرتاً ہی تھوڑی کاہل واقع ہوئی تھی، تبھی روزانہ ہی امی سے کام کے سلسلے میں ڈانٹ پڑتی۔ "ارے مسکان کچھ سیکھ لے سلیقہ طریقہ...... ورنہ جب سر پر پڑے گی اور کچھ پلے نہیں ہوگا تو میرا تو نام روشن کرے گی آگے جا کر؟" روزانہ کی یہ تکرار اس کے زخموں میں مزید اضافہ کر دیتی۔

کومل تقریباً ہر معاملے ہی میں اس سے زیادہ سمجھدار اور ہنر مند تھی، لہٰذا ہمہ وقت امی اس کا اور مسکان کا موازنہ کرتی رہتیں۔

"ارے وہ بھی تو تمہاری ہی بہن ہے نا ... وہ بھی سب کام بنا کہے سنبھال لیتی ہے..... حالانکہ پورے دو سال چھوٹی ہے تم سے!" اور وہ اکثر اس جیسا بننے کی کوشش کرتی لیکن ناکامی آڑے آتی۔ آہستہ آہستہ اسے جینے سے نفرت ہوتی چلی گئی۔ وہ اپنی ذات کے خول میں بند ہوتی چلی گئی۔ کبھی کبھی وہ رات کی تاریکی کو اپنا ہمنوا بنا کر آنسو بہاتی رہتی۔ لیکن یہ دکھ تو کچھ بھی نہیں تھے......

اس کا اندازہ اسے اپنے والد کی وفات پر ہوا...... یتیم ہونے کا دکھ...... بے آسرا ہونے کی اذیت ...... کسی اپنے سے بچھڑنے کی تکلیف...... کس قدر شدید ہوتی ہے اسے اب معلوم ہوا تھا۔ پھر یکدم بہت سے قریبی رشتے داروں نے ان سے منہ پھیر لئے تو اس نے جانا کہ یہ ظالم دنیا والے کس قدر مفاد پرست ہوتے ہیں، ایسے میں ایک مہرو خالہ ہی تھیں جو اس مشکل وقت میں کام آئیں..... کچھ سالوں پرانے کرایہ دار جو نیچے والے پورشن میں رہتے تھے، بہت ساتھ دے رہے تھے۔

ابو کی وفات کے بعد امی ان دونوں کی طرف سے خاصی فکر مند ہو گئی تھیں کہ ان کی ذمہ داریاں اب انہوں نے اکیلے ہی ادا کرنی تھیں۔ وہ چاہ رہی تھیں کہ اپنی زندگی ہی میں دونوں کو ان کے گھر کا کر دیں۔ مگر فی زمانہ لڑکیوں کے رشتے ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ کومل کی قسمت تو اس کی خوبصورتی کی وجہ سے کھل اٹھی تھی مگر اس کی قسمت میں کیا تھا شاید غم اور صرف غم!!!

میں شجر ہوں شہر ملال کا میری ٹہنیوں کو نہال کر
کبھی بھیج اپنی رحمتیں کسی ابر میں ڈال کر
مجھے منزلوں کا پیام دے میرے حوصلوں کو بحال کر

☆......☆......☆

"یہ دیکھو مسکان! کیسی ہے یہ جیولری اس کے ساتھ۔" کومل نے اسے مخاطب کیا تو وہ جھلملاتے ہوئے کپڑوں اور زیورات لئے بیٹھی کومل کے چہرے پہ بکھرے دھنک رنگ دیکھنے لگی۔ "بتاؤ نا" کومل نے اصرار کیا۔

"ہاں..... ہاں بہت اچھی ہے...... سچ بھی خوب ہو رہی ہے۔" اس نے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائی۔ کومل نے کسی انجانے احساس کے تحت اس کو دیکھا تو اس نے اپنے تاثرات چھپانے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے اسے چھیڑا۔ "ویسے یہ چوائس ہے کس کی، آنٹی کی یا فاخر بھائی کی... جو تمہیں اتنی خوش ہو رہی ہے...... ہوں؟" لیکن آج ہمیشہ کی طرح کومل شرمائی نہیں تھی بلکہ اس نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے معاف کر دو مسکان!" اس جملے میں چھپے مفہوم نے اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا دیا تھا، مگر وہ اب زخم چھپانے کی عادی ہو چکی تھی، لہٰذا فوراً ہی کومل کو پیچھے دھکیلا۔

"کب تم معاف کرو مجھے!..... اور بھاگ جاؤ سسرال؟"

"اور تم؟" کومل اپنے لہجے کو نارمل نہیں کر سکی تھی۔

"میں؟" وہ ہنسی، ٹوٹے کانچ جیسی ہنسی! پھر یکدم بولی۔ "مجھ میں تو کچھ بھی صلاحیت اور خوبی نہیں ہے کومل...... اس لئے میری شادی کے خواب دیکھنا چھوڑ دو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو گئی۔

"نہیں مسکان!..... تمہاری مسکن اتنی کلوننگ ہے..... تمہارے بال اتنے سلکی ہیں..... جب تم ہنستی ہو تو اچھی لگتی ہو..... تم کیسی ہو..... یہ کوئی میرے دل سے پوچھے..... تم بہت پیاری ہو مسکان..... بس تم خوش رہا کرو اپنے نام کی طرح مسکراتی ہوئی..... تو یقیناً پھول لگو گی۔" وہ اسے تسلیاں دینے کے سے انداز میں کہے جا رہی تھی۔

"ہر پھول کی قسمت میں کہاں ناز عروساں
کچھ پھول تو کھلتے ہیں مزاروں کے لئے"

اس نے بہت کرب سے یہ شعر پڑھا تھا۔

"پلیز! مسکان تم نے بالکل مایوس نہیں ہونا اچھا..... تمہارا نصیب بہت اچھا ہوگا ان شاء اللہ......" اس نے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"اور میری دعا ہے کہ تمہیں بہت ہی کیئرنگ ہیزل کلر کی آنکھوں والا دولہا ملے!" اس کی خوش گمانی پر مسکان کو واقعی ہنسی آ گئی۔

"یہ ہوئی نا بات!" کومل نے چٹکی بجائی۔

"BE BRAVE! BECAUSE FAVOURABLE AND INFAVOURABLE CONPITIONS ARE CALLED PART OF LIFE BUT KEEP SMILING IN ALL THESE CONDTIONS IS CALLED ART OF LIFE"

☆......☆......☆

وہ کتابوں میں سر دیئے پندرہ دن بعد ہونے والے سمسٹرز کی تیاری میں گم تھا، اچانک موبائل کا بزر بجنے لگا، اس نے نوٹس سے نگاہ ہٹائے بغیر موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا، دوسری طرف جاسم تھا۔ "کیا ہو رہا ہے یار؟" بڑے خوشگوار انداز میں پوچھا گیا۔

"تیاری!" وہ ابھی بھی اپنے ٹاپک پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"تیاری اف خدایا!..... اور بندۂ خدا اب بس بھی کر جا..... سمسٹر پندرہ دن بعد ہیں اور تو ابھی سے کمرہ نشین ہو کر بیٹھا ہے..... چھوڑ آج باہر چلتے ہیں تھوڑی آؤٹنگ پر۔" وہ جھنجھلا گیا۔

"سوری جاسم میں آج نہیں جا سکتا۔" اس نے ایک ہیڈنگ انڈر لائن کی۔

"کیوں کیا آج تیری بارات ہے؟" وہ بری طرح جل گیا۔

"نہیں آج میں پڑھنا چاہتا ہوں..... بس!" اس نے اتنا کہہ کر موبائل بند کر دیا۔ مگر کچھ دیر بعد ہی وہ پھر

گنگنانے لگا۔ اب ایاز کی کال تھی۔ اس نے بھی آؤٹنگ پر چلنے پر زور دیا۔ ماثور نے بڑی دقت سے اس سے جان چھڑائی۔ لیکن ساتھ ہی باسل کا فون آگیا۔ اس نے اتنی دہائیاں دیں کہ اسے اٹھنا ہی پڑا۔

"اچھا! اچھا! آرہا ہوں۔" اس نے اس کی آہ و زاری کے جواب میں جھلا کر کہا تو دوسری طرف ایک قہقہہ لگا۔ "شاباش یار ہو تجھ جیسا۔" ساتھ ہی کھٹ سے فون بند ہوگیا۔

"ہاں اور دوست ہوں تم ساروں جیسے جن کی موجودگی میں دشمنوں کی ضرورت نہیں رہتی!" اس نے دل ہی دل میں سوچا اور بائیک کی چابی اٹھائے باہر چل دیا۔

"ہاں اب بتاؤ کیا مسئلہ تھا تم تینوں کا جو میرا اتنا وقت برباد کروایا۔" خوب آؤٹنگ اور فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کرنے کے بعد اس نے ان تینوں کو گھورا۔

"یار اصل میں یہ اپنا ایاز ہے نا...... اس کے بھائی کی شادی ہے...... اس کے جانے کی خوشی میں ہم نے آپ کی دعوت کی ہے۔" جاسم نے کہا۔

"اچھا تو تم گاؤں جا رہے ہو...... مگر کب؟" اس نے پوچھا۔

"کل شام"

"ویری گڈ" ماثور نے مسکرا کہا۔

"ویسے یہ تمہارے وہی والے بھائی ایاد تو نہیں جن کے لئے پچھلے پندرہ سال سے دلہن تلاش کی جارہی ہے۔" باسل کے سوال پر ایاز نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کمال ہے یار انہیں کوئی لڑکی نہیں پسند آتی تھی؟" وہ حیران ہوا۔

"نہیں بھئی ان کی ڈیمانڈ بہت ہائی لیول کی تھی، اکثر رشتے اسی وجہ سے ٹوٹے بھی مگر بھائی جان اپنی ضد کے پکے رہے۔"

"یعنی تمہاری بھائی جان کافی اونچی چیز ہیں۔" باسل نے بھنویں اچکائیں۔

"ہاں لیکن ماثور سے اونچی چیز نہیں ہیں۔" ایاز مسکرا دیا۔ وہ جو سڑک کنارے آہستہ آہستہ ان کے ساتھ چل رہا تھا، چونک گیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جس طرح تم خود منفرد قسم کی شخصیت کے مالک ہو اسی طرح تمہاری پسند بھی یونیک ہی ہوگی۔"

"یہ یونیک سے تمہاری مراد کیا ہے...... کیا اس کے سر پر سینگ لگے ہوئے ہوں گے یا اس کے پاؤں الٹے ہوں گے؟" باسل کے استفسار پر ماثور نے اس کی کمر میں مکہ دے مارا۔

"تو آپ خود بتا دیجئے نا آپ کی ڈیمانڈ کیا ہے۔" وہ درد کے مارے دہرا ہوگیا۔

"SHE SHOULB BE UNIQUE!"

اس نے دوبارہ رخ سڑک کی طرف پھیر لیا۔ وہ سب رک گئے۔

"IN WHAT SENSE?" جاسم نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔ "I DON'T KNOW" وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

اے شمع تجھ پہ یہ رات بھاری ہے جس طرح
ہم نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح

وہ بوجھل قدم اٹھاتی کمرۂ امتحان سے نکل آئی۔

آج اسے زندگی نے ایک اور ناکامی بخشی تھی، اس کا برسوں پرانا خواب بھی دیگر نا تمام خواہشوں کی طرح ہی ادھورا رہ گیا تھا۔ اس نے بچپن ہی سے ایک ماہر آئی اسپیشلسٹ کے روپ میں دیکھا تھا اور اب بھرپور محنت کے باوجود اس کا انٹری ٹیسٹ ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ میڈیکل کالج میں داخلے کی امید رکھ سکے۔

"کیوں؟...... آخر کیوں؟...... سب ناکامیاں میرا مقدر ہی کیوں؟" کوئی اس کے اندر چیخ رہا تھا اور وہ اپنے بکھرے وجود کو بمشکل گھسیٹتی باہر آگئی۔

"اوہ فروہ کوئی بات نہیں ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے.. اب اتنی سی بات پر آنسو بہانے سے فائدہ...... دیکھو پلیز رو نہیں......" دائیں جانب سے آتی آوازوں نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی، جہاں ایک لڑکی بری طرح رو رہی تھی، شاید ٹیسٹ ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے، جبکہ اس کے اردگرد دلاسہ تسلیاں دینے والوں کا جم گھٹا لگا ہوا تھا، یہ دیکھ کر اس کے دل میں ایک اور ٹیس اٹھی۔

کسی کے ایک آنسو پر ہزاروں دل تڑپتے ہیں
کسی کا عمر بھر رونا یونہی بے کار جاتا ہے

یہاں کوئی بھی تو ایسا نہ تھا جو اس کی غمخواری کرتا، ایک سہیلی تطہیر ضرور تھی، جو تقریباً پچھلے پانچ سالوں سے کالج و اسکول دونوں ہی میں اس کے ساتھ تھی، لیکن شاید آج وہ جلدی چلی گئی تھی، مسکان کو اپنی تنہائی اور بے وقعتی کا شدید احساس ہونے لگا، گھر پہنچ کر اس نے کسی سے بات کیے بغیر ہی سارا دن بتا دیا، امی کومل کی شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں بری طرح مصروف تھیں جبکہ کومل اپنی ہونے والی ساس کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہوئی تھی، اس نے کچھ سوچ کر تطہیر کو فون کر ڈالا۔

"کہاں رہ گئی تھی تم میں تمہارا کتنی دیر تک انتظار کرتی رہی۔" اس نے شکوہ کیا۔

"اوہو مسکان...... میرے پاس ٹائم ہی نہیں تھا...... باہر بابا آئے ہوئے تھے...... اس لئے فوراً نکل آئی......" اس کی بیان کردہ وجہ میں کوئی دم نہیں تھا، کیونکہ اس سے فقط سلام دعا تو وہ جاتے جاتے بھی کرسکتی مگر خیر! اس نے سوچا۔

"اچھا تو کیسا رہا پھر۔" تطہیر نے اس کی اداسی بھانپ لی تھی شاید۔

"میرے ساتھ کبھی کچھ بھی اچھا نہیں رہتا تطہیر...... کچھ لوگ اس دنیا میں صرف محرومیاں سمیٹنے اور غم سہنے ہی آتے ہیں۔" آج خلاف معمول وہ کسی کے آگے اپنا دکھ کھول کر رکھنا چاہ رہی تھی۔

"کم آن یار...... اب اتنی بے وقوف تو مت بنو...... یہاں داخلہ نہیں ہوا تو کہیں اور سہی۔" اس نے اس کی بات چٹکیوں میں اڑائی۔

"مگر وہاں تم تو نہیں ہوگی...... تمہارے تو یہاں ایڈمیشن ہونے کے چانسز ہیں نا۔" اس کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔

"ہاں میرا تو یہاں ہوجائے گا۔" تطہیر نے اطمینان سے کہا۔ اس کے بعد ایک طویل خاموشی کا وقفہ حائل ہوگیا، جس سے تنگ آکر اس نے خود ہی سلام کرکے فون بند کردیا۔ پتا نہیں یہ اس کی حساس طبیعت تھی جسے ہر ایک سے توجہ و محبت نہ ملنے کا شکوہ رہتا تھا یا پھر لوگ ہی بے وفا تھے۔ اب تطہیر نے ایک لفظ بھی اس کو تسلی کا نہیں کہا تھا۔ شام کو کومل کی واپسی ہوئی تو وہ اپنی شاپنگ کھول کر بیٹھ گئی۔ لیکن ابھی اسے ہر چیز سے وحشت ہو رہی تھی، لہٰذا آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئی۔

"تم سونے لگی ہو؟" کومل حیران ہوئی۔ وہ آج اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی، اس لئے چپ رہی۔

"مسکان تم ٹھیک ہو نا۔" اس نے بازو اس کی آنکھوں سے ہٹایا۔ اس کی سرخ ڈوروں سے سجی آنکھیں حال دل سنا رہی تھیں، کومل کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"اوہ!...... مجھے تو یاد ہی نہیں رہا...... تمہارا ٹیسٹ کیسا ہوا آج۔" اس نے پیار سے اس کے ماتھے پر بکھرے بال سنوارے۔ اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"وہ ایکچوئلی مجھے بالکل بھی یاد نہیں رہا۔ امی بھی مصروف ہوں گی...... ورنہ ضرور پوچھتی۔" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ مسکان بے تاثر چہرہ لئے چھت کو گھورتی رہی۔ "مسکان آپی بلکہ...... آپی جان ذرا ادھر دیکھیں نا۔" وہ بڑے دلار سے اسے منانے کی کوشش کررہی تھی، اس نے اسے دیکھا تو وہ شرارتاً اپنے دونوں کان پکڑے بیٹھی تھی، ایک خوشگوار مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ "تو ٹیسٹ اچھا نہیں ہوا۔" اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ "کوئی بات نہیں...... اس پر اتنی پریشان مت ہو...... ٹھیک ہوجائے گا سب کچھ۔"

''کب؟'' اس نے کرب سے پوچھا۔ ''بہت جلد...... ابھی تم سو جاؤ...... کل ساری رات پڑھتی رہی ہو۔'' اس نے یہ کہہ کر کمرے کی لائٹ آف کی اور باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

وہ تیزی سے برتنوں کا ڈھیر ختم کرنے میں معروف تھی۔ کل کومل کی بارات تھی اور سارے مہمان آج ہی آگئے تھے، وہ صبح سے کام سمیٹنے میں معروف تھی، ابھی وہ ہاتھ خشک کرکے باہر نکلی ہی تھی کہ ایک طرف بیٹھی آنٹی صوفیہ کی آوازوں نے اس کے قدم روک لئے۔

''ویسے حیرت کی بات ہے...... رابعہ نے چھوٹی بیٹی کی شادی پہلے ہی کردی...... ارے بیٹی کچھ انتظار تو کرتی بڑی کے لئے...... میرا تو خیال ہے ضرور بڑی میں کوئی نقص ہے، جبھی تو کسی نے رشتہ نہیں لیا۔'' وہ رازدارانہ انداز میں کہہ رہی تھیں جبکہ وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی، تو اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ دوسروں کی نگاہوں میں مشکوک ہوگئی ہوں میں...... اس کا دل تڑپ اٹھا تھا، یہ ایک طعنہ شاید رہ گیا تھا سو وہ بھی مل گیا۔ وہ زخمی مسکراہٹ لئے وہاں سے آگئی۔

''تم تیار نہیں ہوئیں۔'' ہم جولیوں کے ہمراہ بیٹھی کومل اسے عام لباس میں دیکھ کر حیران ہوئی۔

''نہیں کومل ابھی مجھے بہت کام کرنے ہیں۔'' لیکن اس نے کھینچ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

''کام ہوتے رہیں گے تم ادھر بیٹھو۔'' کومل اس کا چہرہ پڑھنے لگی۔

''کوئی مسئلہ ہے۔'' وہ آخر اس کی بہن تھی بھانپ گئی۔

''چلو نا کومل باہر، جلدی! سارے جمع ہوگئے ہیں مہندی لگانے۔'' اریبہ نے آکر کہا تو وہ جواباً یوں گویا ہوئی۔

''تم لوگ جاؤ...... میں آتی ہوں۔'' سب کے نکل جانے پر اس نے اسے الماری سے کام والا سوٹ نکال کر دیا۔ وہ پہن آئی تو اسے اپنا منتظر پایا۔

''تم گئی نہیں؟'' وہ خفت زدہ انداز میں بولی۔

''اکیلی جاؤں؟'' وہ حیران ہوگئی۔

''نہیں میں چلتی ہوں۔'' وہ اس کا اشارہ سمجھ کر بولی۔ ''ہاں تم چلنا مگر ابھی نہیں!'' اس نے اسے ایک طرف بٹھا کر کہا اور پھر میک اپ کٹس نکال کر لے آئی۔

''مجھے نہیں کرنا میک اپ'' وہ اب سب کو باہر بھیجنے کا مقصد جان گئی تھی۔

''کیوں؟'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے بیس بنانی شروع کردی۔

''نہیں کرو کومل!...... میں جیسی ہوں ویسی ٹھیک ہوں۔'' اس نے اسے پرے کرنا چاہا۔

''اوں ہوں...... ہلنا بالکل مت...... دیکھنا تم اتنی اچھی لگو گی...... سب داد دیں گے...... اور ویسے بھی یہی تو وقت ہے...... کسی کی نظر میں آنے کا۔'' اس نے شرارت سے آنکھیں میچ کر کہا۔

''ہونہہ! وقت؟...... یہ صرف دھوکہ ہے۔'' وہ اب اس کے منہ تھپتھپانے کی وجہ بول نہیں پارہی تھی، ورنہ بہت کچھ کہتی۔

''جی نہیں...... یہ ''موقع'' ہے۔'' کومل نے ذومعنی انداز میں کہا اور تقریباً آدھے گھنٹے تک اسے تختۂ مشق بنائے رکھا۔

☆......☆......☆

وہ دیگر امیدواران کے برعکس نہایت اطمینان سے اس بڑے سے برآمدے میں بچھی کرسی پر بیٹھا تھا۔

یو ای ٹی سے کیمیکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کیے ابھی اسے دو ماہ ہی ہوئے تھے اور یہ ملک کی سب سے بڑی فرٹیلائزر کمپنی تھی، جہاں وہ ملازمت کے لئے انٹرویو دینے آیا تھا اور نہایت پرسکون انداز میں اپنے نمبر کا انتظار کررہا تھا جبکہ دیگر نوجوان خاصے پریشان اور مضطرب سے نظر آرہے تھے، چند ایک ادھر ادھر ٹہل رہے تھے، کچھ دیر بعد اس کا نمبر آیا تو وہ انتہائی متانت سے قدم

اٹھاتا آفس میں داخل ہوا، سامنے ایک دیوہیکل میز کے پیچھے سنہری فریم لگائے ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا جبکہ دائیں جانب شاید اس کا اسسٹنٹ تھا، اس نے باوقار انداز میں سلام کیا، انٹرویو لینے والے نے سر ہلا کر جواب دیا اور اس کو بیٹھنے کا اشارہ کرکے اس کے ڈاکومنٹس چیک کرنے لگا۔ فائل جب اس نے اسے واپس کی تو اس کے چہرے کے تاثرات اس کے متاثر ہونے کا پتہ دے رہے تھے، کچھ توقف کے بعد اس نے سوالات کرنے شروع کیے۔

''یس مسٹر...... فسٹ آف آل یہ بتائیں کہ آپ کے نام کا مطلب کیا ہے؟'' یہ پہلا سوال ایسا تھا جس کی بدولت وہ اچھے خاصے پراعتماد امیدواروں کو پزل کردیتا اور اکثر اس غیر متعلقہ سوال پر بوکھلا سے جاتے مگر اس نے بڑی شائستگی سے جواب دیا۔

''سر، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار نام ہے جو ہجرت کے سفر میں ان کے پاس تھی، اس کے علاوہ ایک صحابی کا نام بھی ماثور تھا۔''

''گڈ!...... اب یہ بتائیں......'' اس کے بعد وہ متعلقہ سوالات پر آگیا، وہ پراعتماد لہجے میں سب کے جواب دیتا رہ گیا، آخر میں اس نے پھر ایک عجیب بات پوچھی۔

''تم اس پین میں سے گزر سکتے ہو؟'' اس نے سامنے پڑا ایک پین اٹھا کر پوچھا اور اس کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔ ماثور بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

''یس سر!...... وائے ناٹ۔''

''تو پھر اس کے اندر سے گزر کر دکھاؤ...... میں تمہیں یہ جاب دے دوں گا۔'' انہوں نے پین اس کی طرف بڑھایا۔

''سر! جاب تو آپ کو میرٹ پر ہی کسی کو دینی چاہئے...... البتہ میں اس میں سے گزر کر دکھا دیتا ہوں۔'' اس نے تیزی سے پاس پڑے پیپر پیڈ میں سے ایک پیپر مانگا، اس کا چھوٹا حصہ پھاڑ کر اپنا نام لکھا اور پین کی رائفل نکال کر پیپر کی چھوٹی سی بال بنا کر باسانی اس میں سے نکال کر دکھادی۔ اس کارروائی پر وہ دونوں بے ساختہ مسکرائے تھے، کچھ دیر بعد وہ ان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوا تو انہوں نے کہا تھا:

"YOU HAVE SHOWN TO TATALLY DIFFERENT ATTITUPE"

اور وہ اس متاثر انداز پر جان گیا کہ وہ اس کو جاب دینے کا ارادہ کرچکے ہیں، بعد میں اس کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔

☆......☆......☆

کومل کی شادی ہوئی اور وہ اس کو سکتا چھوڑ کر چلی گئی۔ اس کی تنہائی بہت بڑھ گئی کیونکہ کومل اور وہ دونوں ہی ایک دوسرے بہت اٹیچ تھے، وہ ہر پل اسے حوصلہ دلاتی اور اس کی ناکامیوں پر اس کو تسلی دیتی رہتی، اب وہ یکدم جدا ہوئی تو اسے لگا کہ ماہ و سال کی گردش نے اس سے ایک حد درجہ قیمتی متاع چھین لی ہے، وہ بولائی بولائی سارے گھر میں پھرتی، لوگ کہتے تھے کہ کسی کے بچھڑنے کے کچھ عرصے بعد انسان سنبھل جاتا ہے، مگر اس کی بے قراری کسی طور سنبھلتی ہی نہ تھی، وقت کا مرہم اس کے زخم مندمل نہیں کرسکا تھا، آج اس نے حساب لگایا تو اس کی شادی کو دو ماہ ہونے کو آئے تھے اور وہ شروع شروع میں تو ملنے آتی رہی مگر اب آہستہ آہستہ اس میں بھی خاصا وقفہ آنے لگا تھا، اب اس نے امی کے منع کرنے کے باوجود اسے کال کی تو خاصی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ خیر خیریت دریافت کرنے بعد اس نے کہا تھا۔

''کومل...... میں تمہیں بہت مس کررہی ہوں...... آج آجاؤ پلیز!''

''آج میں نہیں آسکتی مسکان!...... میری نندیں آئی ہوئی ہیں اور کوکنگ کی ذمہ داری آنٹی نے مجھے دی ہوئی ہے۔'' یہ سن کر وہ بے حد اداس ہوگئی تھی۔

''اور تم اب کوئی مصروفیت ڈھونڈو...... میں ہر روز تو

نہیں آسکتی...... پھر جب ان کی پوسٹنگ اسلام آباد ہوجائے گی...... تو شاید صرف فون پر ہی بات ہوسکے...... اس لئے اپنے آپ کو یوز ٹو کرو میرے بغیر رہنے کا۔" وہ اپنے طور سے سمجھا رہی تھی لیکن مسکان کو لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہی کومل ہے جو ہر وقت اس کی خواہش پوری کرنے کو تیار رہتی تھی جو اس کے دامن میں اپنے حصے کی خوشیاں ڈال دینا چاہتی تھی، آج اس کا لہجہ بے حد پرایا لگا تھا اسے، اب وہ اس کی بہن بعد میں اور کسی کی بہو، بھابھی اور بیوی پہلے تھی۔

یہ خیال اسے مارے ڈال رہا تھا، وہ ٹھیک سے اسے جواب بھی نہ دے پائی تھی کہ کومل نے مصروفیت کا کہہ کر فون بند کردیا، اس کے دل میں ایک گھونسہ لگا تھا، اس نے ویران نظروں سے آس پاس کا جائزہ لیا، شام ہونے کو تھی اور کچھ دیر بعد چھانے والا اندھیرا اس کو تقدیر کی روسیاہی کی نوید سنانے والا تھا، یہ سناٹا اور خاموشی اسے نگل رہے تھے، اس نے ایک نظر دوا کے زیر اثر سوتی امی پر ڈالی اور پھر اپنی شال شانوں پر پھیلا کر باہر نکل آئی، وہ اپنے آپ کو مصروف کرنا چاہ رہی تھی...... خود کو بہلانا چاہ رہی تھی لیکن دل تھا کہ قابو ہی میں نہیں آرہا تھا، چند منٹ واک کے بعد وہ ایک پارک میں پہنچ گئی، یہاں خاصی چہل پہل تھی، کچھ لوگ اپنے بچوں کے ساتھ انجوائے کرنے آئے ہوئے تھے...... بچے کھیل کود میں مصروف تھے، وہ ان کے مسکراتے چہروں پر نظر ڈالتی خزاں کے ستم رسیدہ خشک پتوں پر چلتی رہی، جن کی چرمراہٹ کی آواز اسے مزید حزین کررہی تھی، ایک جگہ پہنچ کر وہ تھک سی گئی اور ساتھ کھڑے سفیدے کے بڑے سے پیڑ سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

"مجھ پر کبھی اس زندگی نے رحم نہیں کیا، تقدیر نے ساتھ نہیں دیا، حالات نے دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑے رکھا...... لیکن کاش!...... کاش! موت کو ترس آجائے مجھ پر۔" یہ سوچتے ہوئے اس نے سر اپنے گھٹنوں پر ٹکا دیا، گرم گرم آنسو اس کے یخ بستہ رخسار بھگو رہے تھے۔

جب تھک کر مسافر رک جائیں
جب دوریاں حد سے بڑھ جائیں
جب دل ٹوٹ کر چکنا چور ہو
جب جینے کا سبب نہ ہو
جب ہنسانے والا رلا جائے
جب منانے والا بھلا جائے
جب دکھ کو ہم نہ سہہ پائیں
تو مرنے کو دل چاہتا ہے!!!

اور جب وہ اس خزاں رسیدہ درخت کے نیچے بیٹھی خود کو جھڑتے سوکھے پتوں کی طرح بے بس سمجھ رہی تھی تب اپنی تین سالہ بچی کی انگلی پکڑے ایک عورت نہایت حیرانگی اور افسوس سے اس کے سسکتے وجود کو تک رہی تھی۔

☆......☆......☆

"میرے ساتھ کھیلو گی؟" وہ اپنی بال اٹھائے اس کے قریب چلا آیا۔ وہ گوری چٹی سی بچی فوراً تیار ہوگئی، کچھ دیر کھیلنے کے بعد وہ اس سے اس کی ٹافی چھین کر بھاگ گیا تو وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔

مسکان نے چونک کر اس بچی کو دیکھا، کچھ ہفتوں سے وہ بلاناغہ اس پارک میں چلی آتی اور اندھیرا ہوتے ہی واپس لوٹ جاتی، آج وہ حسب معمول برگد کے اس بوڑھے درخت سے ٹیک لگائے کھڑی تھی کہ سامنے کھیلتی چھوٹی سی بچی بری طرح رونے لگی، اس کی ماں نے یکدم اسے گود میں اٹھایا اور اسے بہلانا چاہا۔

"ماما! وہ میری ٹافی لے گیا......" وہ ننھی پری رو رو کر بے حال ہوئی جارہی تھی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا...... اور لے دوں گی میں آپ کو۔" وہ اس کو چپ کرا رہی تھی۔

"ماما! اس نے کل میرا بیلون بھی پھاڑ دیا تھا۔" وہ سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی، اتنے میں ان کی ساتھی خاتون بھی آگئیں، اس نے ماجرا دریافت کیا اور بے ساختہ ہنس پڑی۔

"بس اتنی سی بات؟" اور ایسے پریشان ہورہی ہے جیسے پتا نہیں ہوکیا گیا ہے۔" وہ بچی کے رخسار پر چٹکی بھر کر بولیں، پھر اس کی والدہ سے مخاطب ہوئیں۔

"اور یہ جو ہمارے تمام مسائل اور غم وغیرہ ہیں نا...... وہ اسی چھوٹی سی بات کی طرح ہیں۔" مسکان نے حیرت سے پوری طرح حجاب میں ملبوس ان خاتون کو دیکھا، پھر وہ رہ نہ سکی۔

"یہ کیسے کہہ سکتی ہیں آپ؟...... یہ معصوم تو ٹافی چھیننے کا دکھ کچھ دیر بعد بھول جائے گی لیکن ... اگر آپ سے آپ کا کوئی عزیز چھین جائے...... آپ کو زندگی کے ہر موڑ پر ناکامی ملے...... آپ زمانے کی نگاہوں میں گر کر رہ جائیں...... تو کیا آپ بھول جائیں گی؟" انہوں نے آگے بڑھ کر بے حد پیار سے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"ہاں! ان تمام آزمائشوں کو اسی طرح فراموش کردینا چاہئے...... جس طرح کچھ ہوا ہی نہ ہو... یہ غم، یہ دکھ، یہ تکلیف، یہ آلام ومصائب، آخرت کے غم، اشاعت دین اور غم مصطفیٰ کے سامنے اتنے ہی حقیر ہیں...... جتنا آپ کی نظر میں اس بچی کا دکھ ہے۔" وہ حیران رہ گئی، وہ کہتی گئیں۔

"اور یہ غم تو ایک نعمت ہے...... قسمت والوں کو ملتا ہے...... لیکن اگر ہم صرف اپنا ہی حال دیکھیں تو نہایت افسوس کی بات ہے...... ہم اس دنیا کے عارضی دکھوں پر بہت فکر مند ہوتے ہیں...... ناشکری سے بھی باز نہیں آتے مگر آخرت کا گھر جہاں ہمیشہ رہنا ہے...... اس کی کوئی فکر ہی نہیں کرتے...... یہ دنیا کی تکالیف تو چند روزہ ہیں بہنا!...... لیکن آخرت میں اگر ناکام ہوگئے تو اس کی تکالیف لامحدود ہیں...... اس دنیا کے متعلق میرے رب نے اسے "متاع قلیل" قرار دیا ہے...... دھوکے کا گھر، مچھر کا پر اور مکڑی کا جالا کہا ہے...... لہٰذا اس کی فکر چھوڑ کر ہمیں اپنی اور دوسروں کی آخرت سنوارنے کا غم کھانا چاہئے۔" یہ چند جملے اس کے سفر زیست میں ایک ایسا موڑ لے آئے، جسے انقلاب کا ہی نام دیا جاسکتا ہے، وہ باپردہ خاتون ایک دینی ادارے کی معلمہ تھیں، مسکان بہت جلد ان سے مانوس ہوگئی، اس نے انہی کے مدرسے میں داخلہ لے لیا اور وہ اپنی دنیاوی مشکلات اور غموں کو پس پشت ڈال کر راتوں کو اٹھ اٹھ کر رب سے اس غم کی طلبگار بن گئی جسے نعمت کہا گیا ہے اور طلب کرنے والوں کو یہ نعمت دینے میں اللہ کبھی دیر نہیں کرتا!

☆......☆......☆

"میں تنگ آگئی ہوں اس لڑکے سے!" مما نے چمچ پلیٹ میں تقریباً پٹخ ڈالا تو وہ اور پاپا دونوں ہی چونک گئے۔

"کیوں بھئی!...... ہمارے لاڈلے نے آپ کا کیا بگاڑ ا آخر؟" پاپا نہایت محبت سے ماثور کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"کل میں نے کچھ لڑکیوں کی تصاویر اسے دیں...... ماشاء اللہ سب ہی بہت پیاری پیاری بچیاں ہیں...... لیکن یہ صاحب فرمانے لگے، مما خوبصورت ہونا ان کی GAINING کوالٹی نہیں ہے...... میرے لئے کوئی ایسی ڈھونڈیں جو تھوڑی مختلف سی ہو... کوئی یونیک سی لڑکی ڈھونڈیں۔" اتنے میں یونیفارم میں ملبوس ہینڈ بیگ ہلاتی فاکہہ چلی آئی۔

"تو مما الماس ہے نا...... کتنی لائق فائق ہے بھائی کی طرح۔" وہ اب چیئر گھسیٹ کر ناشتہ کرنے لگی۔

"اپنی کلاس فیلوز سے تو مجھے معاف ہی رکھو...... سب کی سب "مس فیشن" ہیں تمہاری طرح۔" وہ دانت پیس کر بولا۔

"گڈ مارننگ" روحا بھابھی اور حوطلب بھائی بھی آگئے اور مما پاپا سے پیار لے کر اپنی اپنی چیئرز پر بیٹھ گئے۔

"کیا ڈسکشن چل رہی ہے۔" بھائی نے ماثور سے مسکرا کر دریافت کیا۔

"اس کی شادی ہی کی چل رہی ہے۔" مما منہ بنا کر

پاستا ان کی پلیٹ میں ڈالنے لگیں۔

"یہ بھی کوئی مسئلہ ہے خود ہی پسند کرلو......" انہوں نے شرارتاً روحا بھابھی کی طرف دیکھا۔

"میری طرح!" وہ جھینپ کر چائے بنانے لگیں۔

"ہاں اب یہی کرنا پڑے گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں ماثور بھائی آپ کی پسند ونڈر فل ہوتی ہے اکثر!" فاکہہ نے کہا تھا۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر اقصیٰ نے رپورٹس کا بغور جائزہ لینے کے بعد اسے دیکھا۔

"آپ پیشنٹ کی کیا لگتی ہیں۔" وہ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"جی...... میں بیٹی ہوں ان کی۔" مسکان نے بمشکل کہا۔

"تو بیٹا...... آپ کی مدر کو کینسر ہے...... آئی ایم سوری!...... اس ہاسپٹل میں ان کا علاج نہیں ہوسکتا...... آپ کسی اسپیشل کینسر ہاسپٹل میں لے جائیں...... آئی ہوپ شی ول ری کور سون!...... ابھی فرسٹ اسٹیج ہی ہے۔" انہوں نے بہت نرمی سے اسے بتایا تھا، اسے لگا اس کے پیروں تلے کسی نے زمین کھینچ لی ہو۔

"مگر...... مگر ڈاکٹر!......" وہ کہتے کہتے رک گئی، وہ اس سے جو پوچھنے جارہی تھی اس کا جواب تو شاید کسی کے پاس نہ تھا۔

"مجھے امی کا ہر حال میں علاج کرانا ہے۔" وہ ان کے ساتھ گھر کی طرف جاتے ہوئے سوچتی رہی۔

"مسکان!...... کیا کہا تھا ڈاکٹر نے تمہیں اکیلے میں۔" اب کہ امی نے چوتھی دفعہ پوچھا تھا۔

"امی! وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کو زیادہ اچھے ہاسپٹل میں جانا چاہئے...... امی ہم اسلام آباد چلیں گے...... اب آپ کا علاج وہاں ہوگا...... آپ جلد ٹھیک ہوجائیں گی۔" وہ ان سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔

"نہیں!...... مجھے کہیں نہیں جانا۔" انہوں نے سختی سے انکار کردیا۔ دو دن تک انہیں راضی کرنے کی کوشش کرتی رہی، تیسرے دن اچانک مہرو خالہ عیادت کرنے آگئیں تو اس نے تمام صورتحال انہیں بتادی، انہوں نے بڑی دقتوں سے سہی لیکن امی کو منا ہی لیا۔

"ارے تو یہ کہاں رہے گی...... ہاسپٹل رہے گی کیا سارا سارا دن؟" یہ ان کا پہلا اعتراض تھا۔

"یہ میرے گھر رہے گی...... کومل وہیں ہوتی ہے وہ تمہاری خیر خیریت معلوم کرتی رہے گی......" میں نے ابھی بات کی ہے اس سے...... اور گھر کا تمہارے کرائے دار خیال رکھیں گے...... اب تم جاؤ شاباش!" انہوں نے مسئلہ گویا حل ہی کردیا۔

"اور پیسوں کی تم فکر نہ کرو!...... ان کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔"

"نہیں خالہ!...... پیسے ہیں میرے پاس۔" مسکان نے آہستہ سے کہا۔

"میں تمہاری امی پر کوئی احسان نہیں کررہی بیٹا...... تمہاری نانی اور نانا نے مجھے جس قدر پیار دیا اور غیر ہوتے ہوئے بھی بیٹی سمجھ کر پالا...... میں تو وہ احسان چکانے کی معمولی سی کوشش ہی کروں گی۔" ان کی آنکھیں بھر آئیں اور پھر اسی ہفتے خود امی کو انہوں نے اپنی گاڑی میں اسلام آباد کے مہنگے ترین ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرایا اور اسے اپنے محل نما بنگلے میں لے آئیں۔ وہ پہلے جب بھی یہاں آتی احساس کمتری کا شکار ہوجاتی لیکن اب وہ پہلے جیسی مسکان نہیں رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ آج آفس ٹور کی وجہ سے دیر سے گھر پہنچا تھا، گاڑی پورچ میں کھڑی کرکے اس نے ٹائم دیکھا تو رات کے تین بج رہے تھے، گھر میں شاید سب ہی سو چکے تھے، صرف فینسی لائٹس آن تھیں، اس نے نیچے اتر کر گاڑی لاک کی اور اندر کی جانب قدم بڑھانے کے بجائے لان میں ٹہلنے لگا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بے وقت اسے کبھی نیند نہیں آئے گی، اس لئے ٹائم پاس کررہا تھا، اچانک اس کے قدم ایک نامانوس سی آواز نے روک دیئے، اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر واک کرنے لگا۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد اسے پھر وہی آواز سنائی دی، جیسے کوئی سسکیاں بھر رہا ہو، اس نے بے چین ہوکر دائیں جانب دیکھا تو اس کی نگاہیں کھڑکی پر جم کر رہ گئیں، آواز بلاشبہ یہاں سے ہی آرہی تھی، لیکن کس کی؟ یہ وہ نہیں جانتا تھا کیونکہ پچھلے کچھ ہفتوں سے وہ اکثر گھر سے دور ہی رہا تھا، لیکن اس کے خیال کے مطابق یہ روم خالی تھا۔

"شاید کوئی گیسٹ ہو۔" اس نے اپنی متجسس طبیعت کو مطمئن کرنا چاہا۔

"مگر کون...... اور اس ٹائم رو کیوں رہا ہے۔" یہ وہ نہیں جانتا تھا، اگر وہ چاہتا تو ماسٹر کی سے لاک کھول کر اندر کی صورتحال معلوم کرسکتا تھا لیکن بہرحال یہ ایٹی کیٹس کے خلاف تھا، اس نے نفی میں سر ہلایا اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

"میرے لئے ایک کپ کافی تو بنادو۔" اس نے فاکہہ کو خلاف معمول کچن میں کھڑا دیکھ کر اس سے فرمائش کی تھی، وہ کافی بنا کر لاؤنج میں آگئی، جہاں وہ مما کے قریب ہی بیٹھا تھا۔

"مما مسکان تو خاصی کنزرویٹیو سی ہوگئی ہے نا۔" فاکہہ نے انہیں کافی کا مگ پکڑاتے ہوئے پوچھا تو وہ حیران سا ہوا لیکن بولا کچھ نہیں۔

"ہاں بیٹا بہت چینج آیا ہے اس میں لیکن وہ پہلے بھی اتنی ہی SENSITIVE تھی۔" ان کے چہرے پر شفقت جھلک رہی تھی۔

"ہاں مما!...... مگر وہ اتنا خیال رکھنے لگی ہے اب پردے کا...... پاپا اور بھائیوں وغیرہ کے سامنے تو آتی ہی نہیں...... اور کل میں اسے لے کر اپنی فرینڈ کے گھر چلی گئی تو وہ راستے میں ایک لفظ بھی نہیں بولی...... میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگی آواز کے پردے کا خیال رکھنا چاہئے۔" "اوہ تو یہ رابی خالہ کی بیٹی ہیں لیکن رات کو تو ان کی سسکیاں بند کھڑکی سے بھی سنائی دے رہی تھیں، اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

"اور مما!" فاکہہ کی نہ رکنے والی زبان اسٹارٹ ہوچکی تھی۔

"پرسوں سب آئے ہوئے تھے...... میں نے سب کو پکس دکھائیں، مسکان بھی بیٹھی ہوئی تھی...... ماثور بھائی کی تصویر آئی تو میری سب ندیدی سہیلیاں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگیں...... لیکن وہ!...... او گاڈ مما اس نے اس طرح نگاہیں ہٹائی تھیں کہ میں حیران ہوگئی...... اتنی سختی سے دین پر چلتی ہے...... وہ کہہ رہی تھی کہ تصویریں بھی بنانا گناہ ہے...... اور تو اور مما وہ تو سب کو نماز کا کہنا شروع ہوگئی ہے...... لیکن سچی بات ہے...... خود عمل کرنے والے کی زبان میں اثر ہوتا ہے...... اس لئے میں نے نماز شروع کردی...... کل اس نے میرے سے پوچھا تو میں نے کہا جس ٹائم تم کہتی ہو اس وقت پڑھ لیتی ہوں تو اس نے پتا ہے کیا کہا؟...... کہتی ہے کہ تم میرے کہنے پر پڑھ لیتی ہو فاکہہ اگر اللہ کے کہنے پر نہیں پڑھتی...... اسی وقت یہ جملہ اس نے اتنے درد سے کہا تھا کہ کیا بتاؤں؟...... مجھے تو لگتا ہے میرے سے زیادہ اس کو فکر ہے میری آخرت کی۔" فاکہہ جو شام کے وقت پٹر پٹر مما کو کالج کے قصے سنایا کرتی تھی آج مسکان مسکان کررہی تھی۔

"پہلے مجھے یہ بتاؤ تمہاری زبان کی بریک فیل ہوگئی ہے...... جو بولتے ہوئے سانس بھی نہیں لے رہی ہے۔" ماثور نے مسکرا کر پوچھا تو وہ اسے نظر انداز کرکے پھر مما کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"لیکن مما!...... مسکان SURVIVER تو ہے نا...... اس نے بہت مشکلات سہی ہیں...... پہلے تو

میں سمجھتی تھی اسے حالات ہی کی وجہ سے چپ چپ اور اداس رہنے کی عادت ہے...... مگر اب تو پتا چلا ہے اس کی حساس طبیعت کا...... لیکن کتنی بہادر ہے وہ رابی خالہ کی بھی کتنی خدمت کی ہے اس نے...... اب بھی سب کے سامنے مسکراتی ہی رہتی ہے...... حالانکہ رابی خالہ اور کوئی بھی اس کے پاس نہیں...... لیکن وہ کس طرح فیس کر رہی ہے...... پھر اتنی دین داری؟...... سچ میں مما میں اس سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔" اور صرف فاکہہ ہی نہیں اس وقت ماثور بھی اس سے متاثر ہو چکا تھا، لیکن اس نے قطعاً ظاہر نہیں ہونے دیا، اسے لگا کہ جس طرح کی منفرد شخصیت کو وہ ہمسفر بنانا چاہتا تھا، وہ مسکان ہی کی تھی۔

☆......☆......☆

"مے آئی کم ان؟" فاکہہ کی شریر آواز اور لہجے پر اس نے کتاب سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرا کر سر ہلایا۔

"گڈ!...... تو کیا ہو رہا ہے۔" اس نے بے تکلفی سے اس کے پاس گود میں کشن رکھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ پھر چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اچانک بولی۔

"ڈو یو نو؟...... میرے بھائی کو لڑکی پسند آ گئی ہے۔"

مسکان اس کے انداز اطلاع پر حیران ہوئی۔

"مبارک ہو تمہیں؟" اس نے پرخلوص انداز میں کہا۔

"ایک بات بتاؤں؟" وہ اس کے کچھ مزید قریب ہوئی۔

"انہیں بہت یونیک قسم کی لڑکی چاہئے تھی...... کسی میں کچھ خاص نظر ہی نہ آتا تھا۔" مسکان سوچ رہی تھی، وہ یہ سب اسے کیوں بتا رہی ہے۔

"ہمیں تو لگتا تھا کہ شاید اس صدی میں تو بھائی کی شادی نہیں ہونے والی...... لیکن جب بھائی نے لڑکی پسند کی تو وہ واقعی اتنی یونیک تھی کہ کیا بتاؤں؟"

"وہ بہت پیاری ہوگی۔" مسکان کو اپنے تلخ تجربات یاد آئے۔

"نہیں تو!...... اتنی پیاری تو نہیں ہے وہ...... بس معصوم معصوم ضرور لگتی ہے۔" فاکہہ اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آؤ تمہیں ملواؤں۔" وہ یکدم کھڑی ہوئی۔

"تم خود دیکھنا وہ کتنی خاص ہے۔" فاکہہ کی آنکھیں خوشی سے دمک رہی تھیں۔

"نہیں فاکہہ......" اس نے کہنا چاہا مگر اس نے اسے کھینچ کر اٹھالیا۔

"میری بھابی نہیں دیکھو گی؟" اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ وہ باول نخواستہ تیار ہو گئی۔

"نہیں باہر نہیں جانا۔" فاکہہ نے اپنی چادر کی طرف بڑھتی مسکان کو کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے آئینے کے سامنے لے آئی۔

"یہ ہیں میری ہونے والی بھابی!...... کیسی لگی تمہیں مسکان؟" اس نے اس کے عکس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا تھا اور وہ تو یہ سن کر سن ہی ہو کر رہ گئی، پھر ایک جھٹکے سے وہاں سے ہٹ آئی۔

"کیا ہوا؟...... تمہیں میرے بھائی کی پسند اچھی نہیں لگی۔" وہ ایک طرف سر جھکائے کھڑی مسکان کو دیکھے جا رہی تھی، پھر یکدم شوخ ہوئی۔

"میں نے اتنی بکس تو نہیں پڑھیں...... لیکن اتنا مجھے بھی معلوم ہے کہ دلہن کی خاموشی کو "ہاں" سمجھا جاتا ہے۔" اس نے بہت پیار سے اس کی رخ پر آئی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے کہا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اوہ تو تمہیں بلش کرنا بھی آتا ہے؟" اس نے مسکان کے تمتماتے ہوئے رخسار دیکھ کر کہا تھا۔

"فاکہہ اب اتنا بڑا مذاق تو مت کرو۔" اس نے بالآخر خاموشی کا قفل توڑ ہی دیا تھا، آگے سے ایک فاکہہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"مذاق؟...... مما نے تو رابی خالہ سے بات بھی کر لی ہے...... اور اب مجھے تم سے پوچھنے بھیجا ہے...... بلکہ مما تو پاپا کے ساتھ اس مہینے کے اینڈ میں عمرہ کرنے جا رہی ہیں...... میں بھی گھر پر نہیں ہوتی...... تو ظاہر ہے تمہارے پردے میں مشکلات ہوں گی...... لہٰذا جانے سے پہلے پہلے مما پاپا سوچ رہے ہیں کہ ماثور بھائی کا نکاح کر دیں...... وہ بعد میں تو تمہارے محرم ہوں گے نا......" وہ شرارت سے کہہ رہی تھی۔

"مگر امی تو یہاں پر نہیں ہیں...... وہ تو نجانے کب ڈسچارج ہو کر آئیں گی۔" وہ پریشان ہو گئی۔

"ارے بات کر لیں گے نا!...... صرف نکاح ہی کریں گے، رخصتی رابی خالہ خود آ کر کریں گی...... ویسے بھی مما کی بات ہوئی تھی ان کے ڈاکٹرز سے، وہ کہہ رہے تھے...... وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی کیونکہ بیماری کا شروع ہی میں پتا چل گیا تھا...... تم پریشان مت ہو...... تیاری کرو میرے یونیک سے بھائی کی یونیک سی دلہن بننے کی!"

☆......☆......☆

پچھلے پانچ منٹ سے وہ اس درخت کی شاخوں کو ہلتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اب وہ ٹیرس پر آ کر نیچے جھانک کر درخت کے ہلنے کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا، پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی تھی، کیونکہ مسکان کی چادر کا پلو اسے نظر آ گیا تھا، وہ شاید اس شاخ سے بندھے جھولے پر بیٹھی تھی جو کل ہی فاکہہ نے ڈالا تھا، اگر اسے پتا ہو کہ میں گھر پر ہی ہوں تو وہ کبھی کمرے سے باہر نہ نکلتی، یہ سوچ کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی، وہ واپس اندر جانے لگا لیکن اس کی نگاہ اس شاخ پر پڑی جس سے جھولا بندھا تھا، جو بالکل ٹوٹنے کے قریب تھی، اگر یہ ٹوٹ کر گرتی تو یقیناً وہ محترمہ بھی دھڑام سے گریں گی، اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر اسے آواز دینے لگا۔ "مسکان!...... مسکان یہاں سے اٹھ جاؤ!" لیکن وہ نجانے کن سوچوں میں گم تھی کہ جھولا ابھی بھی ہل رہا تھا، اس نے دوبارہ اس شاخ کی طرف دیکھا اور پھر گھبرا کر نیچے دوڑ لگا دی، وہ پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ جب چکر کاٹ کر لان کے اس حصے تک پہنچا تو شاخ کو جھولے سمیت گرنے میں شاید ایک منٹ باقی تھا، لیکن وہ خاصے مگن انداز میں گود میں رکھی بک پڑھ رہی تھی، وہ بلا کی تیزی سے آگے بڑھا اور اس کو کلائی سے پکڑ کر کھینچ لیا، وہ جو مطالعے میں محو تھی اس افتاد پر زوردار آواز میں چیخ اٹھی، لیکن وہ فوراً اسے کچھ دور لے گیا، ساتھ ہی اس جگہ وہ بڑی سی شاخ آ گری تھی، وہ خوف زدہ نظروں سے اسے اور پھر ماثور کو دیکھنے لگی، وہ اوپر درخت کو دیکھ رہا تھا۔

"ماشاء اللہ!...... کیا پڑھ رہی تھیں آپ؟ زوجہ محترمہ کہ میری آواز نہ سن سکیں۔" وہ اس کے انداز پر سٹپٹا کر نظریں جھکا گئی۔

"تو اتنی موٹی موٹی بکس پڑھتی ہیں...... شاید اسی کے وزن سے ٹوٹ گئی ہے وہ شاخ۔" وہ اس کے ہاتھ میں پکڑی کتاب کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں یہ پڑھنے کے لئے لے جاؤں؟" اس نے یہ کہتے ہوئے وہ بک لی تو اس نے چہرے سے اسے دیکھا شرارت سے جگر جگر مسکراتی ہیزل کلر کی آنکھیں اسے بغور تک رہی تھیں، اسے آج کومل کی دعا یاد آئی۔

"نہیں آپ رکھ لیں۔" اس نے دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمایا۔

"یعنی گفٹ کر رہی ہیں...... ویسے تو آپ میرے لئے بذات خود تحفہ ہیں۔" مسکان کا جی چاہا وہ اس کی نظروں کے حصار سے دور بھاگ جائے۔

"اور میں...... میں کیا گفٹ کروں آپ کو۔" ماثور کو لگا کہ یہ سن اس کے شرمائے ہوئے چہرے پر عجیب سا کرب پھیلا تھا، اس نے رخ موڑ لیا۔

"شاید آپ مجھے وہ گفٹ کبھی نہ دے سکیں!" وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔ وہ کتنی ہی دیر اس کے الفاظ پر غور کرتا رہا پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے اس کتاب کا نام پڑھا۔ "فضائل اعمال" "چلو پڑھتے ہیں اس کو۔" وہ اپنے کمرے میں واپس آ گیا اور اس رات

جب وہ پانی پینے کچن میں گیا تو کچھ سوچ کر دوبارہ لان میں آ گیا، آج بھی آدھی رات کا وقت تھا لیکن مسکان کے کمرے سے اسی دن کی طرح ہلکی ہلکی سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"آپ شاید مجھے وہ گفٹ کبھی نہ دے سکیں۔" اسے اس کے الفاظ یاد آئے۔

"لیکن کیا؟"...... کیا نہیں دے سکتا میں اس کو۔" اس کی متجسس طبیعت اتنی بے چین ہوئی کہ وہ اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ اس نے نہایت آسانی سے لاک کھولا اور اندر داخل ہو گیا، کمرہ اس کی ہچکیوں اور سسکیوں سے گونج رہا تھا۔

"یا اللہ!...... امت مسلمہ کو گناہوں کی ولدل سے نکال لے...... یا اللہ تمام امت کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر عمل کرنے والا بنا دے...... یا میرے مالک...... گناہوں سے یہ دھرتی بھر چکی ہے...... یہاں ہر وہ گناہ ہوتا ہے کہ جس پر پچھلی قوموں پر عذاب آئے...... یا اللہ ان سب گناہ گاروں کو اور مجھے معاف فرما دے...... انہیں نیکی کی توفیق دے دے...... انہیں توبہ کی توفیق دے دے...... یا اللہ انہیں آخرت کے عذاب سے بچالے...... یا اللہ ساری امت کو اپنا بنا لے...... ہم سے راضی ہو جا، ہمارے مالک!...... ہم سب پر رحم کر دے...... یا اللہ مجھے، میرے گھر والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلتے ہوئے اس محنت کے لئے قبول فرما لے جو تجھ تک لے جاتی ہے...... ساری دنیا میں اپنے دین کو زندہ کرنے کے لئے قبول فرما لے۔" ماثور سکتے کے عالم میں سجدے میں گری ہچکولے لیتے وجود کے ساتھ مسکان کو دیکھ رہا تھا جو اس کے تصور سے کہیں زیادہ خاص تھی، اس نے اپنے سینے میں غم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی چنگاری جلا رکھی تھی جو اس کو بھی خاکستر کئے دے رہی تھی، وہ بے قرار ہو کر آگے بڑھا اور سجدے میں مچل مچل کر روتی مسکان کو بازو سے پکڑ کر بٹھا دیا۔

"بس کرو یار" اس کی آواز سن کر ہی اسے اس کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے حیران نظروں سے دروازے کو اور پھر اسے دیکھا جو ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا، پھر اس نے تیزی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر صاف کیں اور اپنے آپ کو سنبھالنے لگی۔ اس نے صرف پانی کا گلاس اسے تھمایا اور خاموشی سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا، وہ حیرت سے وہیں بیٹھی رہ گئی جبکہ اپنے روم میں بیٹھا ماثور بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

"حضرات! ایک ضروری اعلان سنئے...... ہماری مسجد کے مؤذن محترم اسحاق حسین صاحب انتقال فرما گئے ہیں، نماز جنازہ......" مسجد کے اسپیکر سے بلند ہونے والی آواز سن کر حارث صاحب نے افسوس کے ساتھ انا للہ کہا اور ساجد بھائی کو یہ خبر سنانے چل دیئے۔

"کچھ سنا آپ نے وہ اپنے اسحاق بھائی کا......"

"ہاں حارث بھائی! میں ابھی انہی کے گھر سے آ رہا ہوں...... خوش قسمت ہیں بڑے، اللہ نے کلمے والی موت دی ہے...... کون جانتا تھا کہ ساری عمر سود کھانے والے اور جوا کھیلنے والا ایسی توبہ کرے گا کہ مسجد کی چند ماہ میں امامت اور اذان کے فرائض انجام دینے لگے گا اور پھر یہ بھی تو دیکھیں کہ اللہ نے کتنی جلدی بلا لیا توبہ کے بعد، وہ بھی اس شان سے کہ مسجد میں موت آئی۔"

"اور اللہ جزائے خیر دے اس جماعت والے نوجوان کو جو چند ماہ پہلے میلوں دور سے آیا تھا اور اس کی منتیں کر کر کے اسے بیان میں شریک ہونے کا کہا اور اس کی نجات کا ذریعہ بن گیا!"

اور اس نوجوان محمد ماثور کو اللہ کے راستے میں نکالنے والی وہ لڑکی تھی جس نے دنیا کے غموں کو چھوڑ آخرت کا درد اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

☆......☆......☆



ننھا دشمن

فصیحہ بنت محمد فاروق

ہانیہ کو ایک نیا نمبر کب سے تنگ کر رہا تھا، کبھی مسڈ کال کرتا، کبھی تو کال اور کبھی اس موبائل سے کال سے بے ہودہ ایس ایم ایس آ رہے تھے، آخر تنگ آ کر ہانیہ نے ایس ایم ایس کر کے پوچھا:

آپ کون ہیں؟

ہانیہ کے موبائل پر دوسری جانب سے جواب آیا، شکر ہے کہ آپ نے چپ کا روزہ توڑا تو سہی، ہم تو سمجھ رہے تھے آپ گونگی ہیں؟

اے مسٹر، یہ میرے سوال کا جواب نہیں، میں نے تم سے پوچھا ہے کہ آپ ہیں کون، جنہوں نے میرا دماغ

خراب کر رکھا ہے؟

میں...... میں...... آپ کا دوست!

اوہ...... آپ میرے دوست کس طرح ہو سکتے ہیں جبکہ آپ نے تو مجھے دیکھا تک نہیں؟ اب ہانیہ کو بھی اس سے باتیں کرنے میں مزا آ رہا تھا۔

ہم نے آپ کو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا تو کیا ہوا، خوابوں میں تو آپ کی تصویر روز دیکھتے ہیں نا؟

او...... ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا رمیز کے علاوہ بھی ہمیں کوئی اتنا چاہتا ہے اور خوابوں میں دیکھتا ہے؟

یہ رمیز کون ہے، کیا آپ کا چھوٹا بھائی ہے؟

یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا میری باتوں سے اتنا بھی معلوم نہیں ہوا کہ رمیز میرا بھائی نہیں، منگیتر ہے۔

اچھا معاف کر دیجئے، غلطی ہو گئی مجھ سے، ویسے آپ کا نام کیا ہے؟

میں اپنا کیوں بتاؤں، کیا تم میرے ماموں کے بیٹے لگتے ہو؟ ہانیہ کو غصہ آ گیا تھا، رمیز کو بھائی کہنے پر۔

آپ کے ماموں کے بیٹے تو نہیں لگتے، مگر ہم کو چاہتے بہت ہیں۔

اس کا جواب سن کر ہانیہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

اچھا، آپ ہمیں اتنا چاہتے ہیں، ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا، میرا نام ہانیہ ہمدانی ہے اور میرے چاہنے والے کا کیا نام ہے؟

مجھ ناچیز کو عاشر کہتے ہیں۔ عاشر نے جان بوجھ کر عاجز بنتے ہوئے کہا۔

ہانیہ عاشر کے اس طرح جواب دینے پر مسکرا دی۔ عاشر نے ہانیہ کے سامنے دوستی کا ہاتھ بڑھایا، جس کو ہانیہ نے بخوشی یہ سوچ کر قبول کر لیا کہ مجھے کون سی اس سے شادی کرنی ہے، بس ٹائم اچھا پاس ہو جایا کرے گا، بوریت بھی ختم ہو جائے گی۔

☆......☆......☆

ہمدانی صاحب شہر کے بہت بڑے بزنس مین تھے، جن کو اللہ نے سب کچھ دیا ہوا تھا، مگر اولاد جیسی نعمت سے محروم تھے۔

پھر شادی کے دس سال بعد اللہ نے ایک بیٹی دی، جس کا نام انہوں نے ہانیہ رکھا، ہانیہ سب کی آنکھوں کا تارا تھی، ہر ایک اسے پسند کرتا، جب ہانیہ 3 سال کی ہوئی تو ہانیہ کا بھائی ریان پیدا ہوا اور ساتھ ہی ڈاکٹرز نے یہ بھی کہہ دیا، اب دوبارہ بیگم ہمدانی ماں نہیں بن سکتیں لیکن پھر بھی ہمدانی صاحب خوش تھے کہ اللہ نے انہیں بے اولاد تو نہیں رکھا، بیٹا بھی ہے اور بیٹی بھی ہے، مگر ہانیہ سے سب بہت محبت کرتے تھے، اس کی ہر ضد پوری کی جاتی، جس کی وجہ سے اس کی طبیعت میں خودسری آ گئی تھی۔

ہمدانی صاحب کا گھرانہ دنیادار تھا، جہاں پردہ نا کی چیز نہ تھی، غیر محرم کزنز اور دوستوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا سب تھا، ان باتوں پر روک ٹوک بھی نہیں تھی، ہانیہ حد درجے کی آزاد خیال تھی، اسی لئے اس نے عاشر سے دوستی کی حامی بھر لی تھی۔

☆......☆......☆

پہلے تو عاشر اور ہانیہ ہفتے پندرہ دن کے بعد موبائل پر باتیں کرتے تھے، پھر یہ سلسلہ روزانہ کا ہو گیا اور وہ گھنٹوں باتیں کرتے رہتے، کبھی کبھی تو پوری پوری رات گزر جاتی اور ان دونوں کو پتہ نہیں چلتا تھا، ادھر مؤذن فجر کی اذان دے رہا ہوتا، ادھر ہانیہ سونے کی تیاری کر رہی ہوتی تھی، عاشر اور ہانیہ کے موبائل پر باتیں کرتے کرتے تعلقات بڑھنے لگے اور ان تعلقات نے اب محبت کی شکل اختیار کر لی، ہانیہ عاشر کی محبت میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ اس کا کوئی منگیتر بھی ہے جو مستقبل میں اس کا شوہر بنے گا، مگر اب تو کبھی رمیز کا فون آ بھی جاتا تو ہانیہ مختصر سی بات کر کے فون بند کر دیتی۔ اگر رمیز کہیں باہر چلنے کے لئے کہتا تو طبیعت کا بہانا کر کے منع کر دیتی۔

ایک دن رمیز ہانیہ کے گھر اس کی طبیعت معلوم کرنے پہنچ گیا، ہانیہ نے رمیز کے آنے کا کوئی رسپانس

نہیں لیا، جس کو رمیز نے بھی محسوس کیا۔

رمیز ہانیہ سے کوئی بات کرتا تو "ہاں" یا "نہیں" میں جواب دیتی رہی، رمیز نے ہانیہ سے کہا، ہانیہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم کچھ پریشان پریشان سی لگ رہی ہو، کیا کوئی پرابلم ہے؟

نہیں، کوئی پریشانی نہیں ہے، بس پڑھائی کا بوجھ ہے، ہانیہ نے رمیز کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا۔

☆......☆......☆

ہانیہ کالج میں بھی موبائل میں لگی رہتی تھی، ہانیہ نے اپنی دوستوں کو بھی چھوڑ دیا تھا، وہ بریک میں بھی موبائل میں لگی رہتی تھی، بس اس کی نظر میں اچھا دوست، اچھا راز دار اب عاشر ہی تھا، ہانیہ اپنی ساری راز کی باتیں عاشر سے ہی کرتی، اس نے رمیز کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔

ابھی تک ہانیہ اور عاشر کی باتیں موبائل پر ہی ہو رہی تھی، انہوں نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا۔

ایک دن ہانیہ نے اپنی ممی سے کہا، ممی میں آج کالج سے دیر سے آؤں گی، آپ کھانے پر میرا ویٹ نہیں کریجیے گا، میں کالج سے ہی کھا کر آؤں گی۔ پھر اس نے ایک اچھا سا سوٹ پہنا اور اس کی سوٹ کے کلر جیسی جیولری زیب تن کی اور کالج کے لئے روانہ ہو گئی، جب بریک ہوا تو ہانیہ سب دوستوں کے ساتھ بیٹھی، آج ہانیہ بہت خوش تھی، بات بات پر ہنس رہی تھی، جو ہانیہ کی دوست عائشہ کو ہضم نہیں ہو رہا تھا، اس نے دل میں کہا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے جو ہانیہ آج اتنا خوش نظر آ رہی ہے۔

جب سب دوستیں وہاں سے چلی گئیں تو عائشہ ہانیہ کے پاس آئی تو ہانیہ کسی سے موبائل پر بات کر رہی تھی، جب بات ختم ہوئی تو عائشہ نے ہانیہ کو اپنی طرف متوجہ کیا، ہانیہ کیا بات ہے، آج تم بڑی خوش نظر آ رہی ہو؟ کہیں تمہاری شادی کی تاریخ تو فکس نہیں ہو گئی؟

ہانیہ نے کہا، کس کے ساتھ؟

کیا مطلب؟ رمیز کے ساتھ جو تمہارا منگیتر ہے اور کس کے ساتھ؟

اچھا، رمیز کے ساتھ، میں سمجھی تھی عاشر کے ساتھ، ہانیہ سے بے خیالی میں اچانک ہی عاشر کا نام نکل گیا۔

یہ عاشر کون ہے؟

کوئی بھی نہیں، میں رمیز کو ہی پیار سے عاشر کہتی ہوں، ہانیہ نے اپنی نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

نہیں، ہانیہ بات یہ نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے، جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو، تم مجھے پوری بات بتاؤ، ہو سکتا ہے، میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔

عائشہ نے اتنی محبت سے کہا تھا کہ ہانیہ موم ہو گئی اور اپنا پورا دل کھول کر رکھ دیا عائشہ کے سامنے، ویسے بھی اسے ایسی دوست کی تلاش تھی، جس سے وہ اپنی اور عاشر کی باتیں کرتی۔

اچھا، یہ بات ہے، ہم سے الگ رہنے کی، رمیز کے نام پر چونکنے کی۔

اب تمہارا آگے کیا ارادہ ہے، تم نے تو عاشر سے دوستی یہ سوچ کر کی تھی کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گی، مگر اب کیا ارادہ ہے؟

اب میرا یہ ارادہ ہے کہ میں رمیز سے نہیں، بلکہ عاشر سے شادی کروں؟

کیا تم نے انکل آنٹی کو منا لیا؟

نہیں؟

فرض کرو، اگر انکل آنٹی نہیں مانے تو کیا کرو گی؟

نہیں، مجھے پورا یقین ہے ممی پاپا ضرور مان جائیں گے، انہوں نے بچپن سے لے کر ابھی تک میری کوئی بات رد نہیں کی تو اب کیسے رد کر سکتے ہیں، ہانیہ نے بڑے فخر سے کہا۔

اچھا ہم بھی دیکھیں گے؟

دیکھ لینا عنقریب، میں تمہیں خوشخبری دوں گی عاشر کے ساتھ شادی کی، ہانیہ نے کہا۔

اور ابھی کہاں جانے کی تیاری ہے تمہاری؟

آج عاشر نے پہلی مرتبہ مجھ سے ملنے کا کہا ہے، میں اس سے ملنے جا رہی ہوں۔

اس سے پہلے ہم صرف موبائل پر ہی باتیں کیا کرتے تھے۔

کیا تم پہلی مرتبہ عاشر سے ملنے جا رہی ہو؟ اور تم نے صرف موبائل پر بات کرنے سے ہی اتنا بڑا فیصلہ کر لیا کہ تم رمیز سے نہیں عاشر سے شادی کرو گی؟

ہاں عائشہ، عاشر کی باتوں سے مجھے سچائی کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی بات اور محبت میں سچا ہے۔

ہانیہ میرا مشورہ تو یہی ہے کہ تم عاشر سے ملنے سے پہلے ایک بار پھر سوچ لو کہ جو تم قدم اٹھا رہی ہو وہ درست ہے یا غلط؟

ہانیہ تمہیں نہیں معلوم، تم کس اندھیرے کی طرف جا رہی ہو، اس اندھیرے میں جانا تو بہت آسان ہے، مگر اس میں سے نکلنا بہت مشکل ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بڑی مصیبت میں پڑ جاؤ۔

عائشہ میں کسی مصیبت میں نہیں پڑوں گی، تم میری فکر چھوڑو، عاشر ایسا نہیں ہے، میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں، ہم کافی عرصے سے باتیں کر رہے ہیں۔

رمیز، وہ کیسا ہے؟ کیا تم اسے نہیں جانتی؟

کیا مطلب؟ یہی کہ رمیز کیسا ہے، اس کے ساتھ تو تم آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کیا کرتی تھیں، اس کو تم اور اچھی طرح جانتی ہو گی؟

تم صرف موبائل پر بات کرنے سے عاشر کو جاننے لگ گئی؟

ہاں، میں دونوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔

نہیں، ہانیہ نہیں تم دونوں کو نہیں جانتی، جب تم رمیز کے آمنے سامنے باتیں کرنے سے اس کی محبت خواہش اور چاہت کو نہیں جان سکی تو پھر عاشر کی مکاری، دھوکہ بازی کو کیسے جان سکتی ہو جبکہ تم نے اسے دیکھا تک نہیں؟

عائشہ ہانیہ کو اور کچھ بھی کہنا چاہتی تھی، مگر ہانیہ نے ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا۔ بس عائشہ ان باتوں کو چھوڑو، میں اپنا اچھا برا سب جانتی ہوں۔ ہانیہ اتنا کہہ کر اپنے بالوں میں انگلیاں چلاتی ہوئی کالج کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

عائشہ افسوس کرتے ہوئے ہانیہ کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

عاشر نے ہانیہ سے کہا تم اپنے ممی پاپا سے بات کرو؟

ہانیہ نے عاشر سے کہا: عاشر کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے ممی پاپا کو میرے ممی پاپا کے پاس ہمارے رشتے کی بات کرنے کے لئے بھیج دو، وہ بات کریں؟

عاشر ہانیہ کی بات سن کر ایک دم خاموش ہو گیا۔

ہانیہ...... میرے ممی پاپا اس دنیا میں نہیں ہے اور نہ ہی کوئی بہن بھائی ہیں، دور کے رشتہ دار تھے، انہوں نے بھی ممی پاپا کے بعد ساتھ چھوڑ دیا۔

او...... عاشر معاف کریئے گا، تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوئی، کوئی بات نہیں، عاشر نے غم زدہ آواز میں کہا۔

ویسے عاشر تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا، ہانیہ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

تم نے مجھ سے پوچھا کب؟ جو میں اپنے خاندان کے بارے میں بتاتا۔ عاشر نے بھی تھوڑی خفگی سے کہا۔

ہاں، یہ بھی بات ہے کہ میں نے تم سے پوچھا ہی نہیں، اس میں میرا بھی قصور نہیں ہے، ہمیں اپنی باتوں سے فرصت ملتی تو ہم دوسری باتیں کرتے نا۔

☆......☆......☆

ہانیہ کو عائشہ کافی دیر سے دیکھ رہی تھی، ہانیہ کا میڈم کے لیکچر پر بھی دھیان نہیں ہے، بلکہ سوچوں میں گم ہے، جب بریک ہوا تو عائشہ نے ہانیہ کی پریشانی کی وجہ پوچھی، جس پر ہانیہ نے بتایا کہ یار عاشر نے ممی پاپا سے شادی کی بات کرنے کے لئے کہا ہے، مگر اب سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کس طرح ممی پاپا سے بات کروں، اس وجہ سے میں ٹینشن میں ہوں، جبھی میڈم کے لیکچر پر دھیان نہیں لگ رہا تھا۔

اب تمہارا کیا ارادہ ہے، تم انکل آنٹی سے بات کرو گی؟

بات تو میں ضرور کروں گی مگر یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ کس طرح کروں؟

میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا فرض کرو اگر انکل آنٹی نہیں مانے تو تم کیا کرو گی؟ پھر بھی تو تمہیں رمیز سے شادی کرنا ہو گی؟ کیوں نا تم پہلے ہی سے رمیز سے شادی کر لو، عائشہ نے کہا۔

نہیں، عائشہ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا میرے ممی پاپا میری کوئی بات رد نہیں کرتے تو اس بات کو بھی رد نہیں کریں گے اور ہاں رہی بات رمیز کی تو تمہیں اگر اس سے زیادہ ہی ہمدردی ہو رہی ہے تو تم رمیز سے کیوں نہیں شادی کر لیتی؟

میں اس جگہ شادی کروں گی جہاں میرے والدین کی رضا ہو گی اور ہاں، اگر میرے والدین کی رضا رمیز کے ساتھ ہو گی تو میں اسے بھی قبول کر لوں گی، میں اپنے والدین کی رضا میں رہنے والی لڑکی ہوں اور تمہیں بھی اپنے والدین کی رضا میں راضی رہنا چاہئے کیونکہ ان کی رضا میں اللہ کی رضا ہے اور جو لڑکیاں اپنے ماں باپ کی مانتی ہیں، وہی کامیاب ہوتی ہیں اور جو اپنے والدین کو ناراض کر کے شادی کرتی ہیں، ان کے نصیب میں سوائے رسوائی کے کچھ نہیں ہوتا، عائشہ کو بھی ہانیہ کی اس قدر خودسری پر غصہ آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک ہفتہ پورا پیپرز میں گزر گیا ہانیہ کا، ان دنوں عاشر سے بھی رابطہ نہیں ہو سکا تھا، پھر فارغ ہونے کے بعد ہانیہ نے عاشر سے بات کی تو عاشر نے باتوں باتوں میں پوچھا، ہانیہ کیا تم نے اپنے ممی پاپا سے بات کر لی؟

نہیں عاشر، میں اتنے دن پیپرز میں مصروف رہی، ٹائم ہی نہیں ملا، آج ہمت کر کے بات کروں گی۔

☆......☆......☆

جب ہمدانی صاحب دفتر اور ریان ناشتے کے بعد باہر چلا گیا تو ہانیہ نے اپنی ممی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

ممی...... بیگم ہمدانی نے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

جی...... ممی آپ کو تو معلوم ہے اب میں پڑھائی سے فارغ ہو چکی ہوں۔

ہاں، مجھے معلوم ہے۔ اب کہیں گھومنے کا پروگرام ہے کیا تمہارا؟

نہیں، ممی میں آپ سے شادی کی بات کر رہی تھی۔

کس کی، ریان کی، نہیں، میری، چندہ میں پہلے ریان کی کیسے کر سکتی ہوں، وہ تو ابھی چھوٹا ہے تم سے، پہلے تمہاری کریں گے، بعد میں اس کی۔

نہیں ممی، میں ریان کی نہیں، اپنی شادی کی بات کر رہی ہوں؟

کیا تم اپنی شادی کی بات کر رہی ہو، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے؟ تم تو شادی جب کرنا جب تمہارے سر میں چاندی اتر آئے اور ہاتھ میں لاٹھی۔

نا جانے ریان کب گھر میں داخل ہو گیا تھا، ان کی باتیں سن رہا تھا، ریان کے اس انداز پر ممی ہنس پڑی۔

ریان چیئر کو سیدھی کر کے ہانیہ کے سامنے بیٹھ گیا۔

ویسے آپی آپ کو جلدی خیال نہیں آ گیا، ابھی تو آپ کی کمر بھی نہیں جھکی۔

ریان کے بچے، ہانیہ نے پاس پڑے کشن کو ریان کی طرف اچھالا، جس کو ریان نے بڑی مہارت سے کیچ کر لیا۔

جب ریان اپنے کمرے میں چلا گیا تو ممی نے کہا، ہانیہ تم کیا کہہ رہی تھی، ممی میں یہ کہہ رہی تھی کہ میں شادی کرنا چاہتی ہوں، بیٹی اس سے اچھی کیا بات ہو گی، ہم تو سب پہلے ہی سے راضی ہے بس تمہارے پیپرز سے فارغ ہونے اور تمہاری مرضی کا انتظار کر رہے تھے۔

آج شام کو ہی تمہارے پاپا کو بتادوں گی اور آنٹی انکل کو بھی فون کرکے شام کی چائے پر بلوا لیتے ہیں پھر بیٹھ کر بات کریں گے، ان کا کس مہینے میں شادی کرنے کا ارادہ ہے۔

ممی اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ اور انکل آنٹی کو بتا کر کیا کریں گی، عاشر خود ہی تاریخ طے کرلیں گے۔

عاشر...... یہ عاشر کون ہے؟ تمہارے منگیتر کا نام تو رمیز ہے؟

ممی عاشر میرا فرینڈ ہے، اب میں رمیز سے نہیں، عاشر سے شادی کرنے کا کہہ رہی ہوں۔

لیکن کیوں رمیز میں کیا برائی ہے؟

رمیز بھی تو تمہاری اپنی پسند ہے، جب ہم تمہاری منگنی نعمان سے کررہے تھے تو تم نے خود اپنے پاپا سے رمیز سے منگنی کرنے کے لئے کہا تھا۔

لیکن ممی اب میں ہی آپ کو عاشر سے شادی کرنے کے لئے کہہ رہی ہوں، ممی پلیز مان جائیں۔

نہیں، ہم بالکل بھی نہیں مانیں گے، پہلے تمہاری پھوپھی والے ہم سے روٹھ کر بیٹھے ہوئے ہیں اب آنٹی کو بھی ناراض کرلیں، رمیز دیکھا بھالا لڑکا ہے اور عاشر کو نہ ہم نے دیکھا، نہ ہم اس کے خاندان کے بارے میں جانتے ہیں، ہم کیسے اپنی بیٹی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں۔

ممی جان آپ کو ماننا پڑے گا ورنہ میں خود ہی عاشر کے ساتھ شادی کرلوں گی۔

بدتمیز، ایک زوردار طمانچہ ہانیہ کے گال کو سرخ کر گیا، بیگم ہمدانی کی غصے کی شدت کی وجہ سے آواز اس قدر بلند ہوگئی کہ ریان بھی آگیا۔

اس نے ہانیہ کو دیکھا جو ایک طرف اپنے گال پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

بیگم ہمدانی ایک مرتبہ پھر بولیں۔

گھر سے بھاگ کر جانے کی باتیں کرتی ہو، تمہیں معلوم نہیں ہے کہ گھر سے چلے جانے والیوں کے ساتھ آ میں کیا ہوتا ہے، جس کے لئے وہ اپنے گھر اپنے والدین کو چھوڑتی ہیں آخر میں وہ ہی ان پر شک کرنے لگ جاتا ہے۔ نہ ایسی لڑکیوں کو معاشرہ قبول کرتا ہے اور نہ ہی والے، پھر وہ اسی طرح دربدر کی ٹھوکر کھاتی پھرتی ہیں۔

وہ کوئی اور مرد ہوتے ہوں گے مگر عاشر ایسا نہیں ہے، جو میرے ساتھ ان لڑکیوں کی طرح حال کریں۔

ہانیہ اتنا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور بیگم ہمدانی وہیں رکھے صوفے پر گر گئیں۔

☆......☆......☆

اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تمہاری ممی نہیں مانی تو تمہارے پاپا کیا مانیں گے؟

نہیں عاشر، میں پاپا کو منا کر چھوڑوں گی۔

اور اگر وہ بھی نہیں مانیں تو پھر کیا کرو گی؟

پھر وہ کرو گی جو تم کہو گے، عاشر تمہیں تو معلو ہے کہ میں تمہارے بغیر کسی سے شادی نہیں کرسکتی۔

پھر مجھ سے شادی تو ایک ہی صورت میں ہوسکتی ہے جو شاید تمہیں منظور نہ ہو؟

وہ کون سی صورت ہے، میں ہر صورت منظور کرنے کے لئے تیار ہوں۔

وہ صورت یہ ہے کہ ہم دونوں کورٹ میرج کرلیتے ہیں؟

ہم کورٹ میرج کرکے جائیں گے کہاں؟ ہانیہ نے گھبرا کر کہا۔

کراچی، عاشر نے کہا۔

لیکن عاشر پاپا کے ہاتھ بہت لمبے ہیں، وہ ہمیں دنیا کے کسی بھی کونے سے ڈھونڈ نکالیں گے۔

تمہارے پاپا کا اس طرف خیال بھی نہیں جائے گا کہ ہم اسلام آباد سے کراچی کی طرف جاسکتے ہیں اور اگر وہ ہمیں ڈھونڈیں گے بھی تو اسلام آباد ہی میں ڈھونڈیں گے اور کراچی آ بھی گئے تو کراچی بہت بڑا شہر ہے، کوئی

ہمیں ڈھونڈ نہیں سکتا۔

☆......☆......☆

نہیں، بیگم یہ کیسے ہوسکتا ہے، ہم اپنی ہانیہ کا ہاتھ کسی ایسے لڑکے کے ہاتھ میں کیسے دے سکتے ہیں جس کو ہم جانتے بھی نہیں ہیں اور یہ ہانیہ نے کیا مذاق لگایا ہوا ہے، کبھی کہتی ہے، نعمان سے نہیں رمیز سے کروں گی اور اب کسی اور سے؟ پہلے ہی ہم نے نعمان سے منگنی کرنے کا منع کیا تھا تو ابھی تک لوگ باتیں بنا رہے ہیں اور عالیہ نے بھی ہمارے گھر آنا چھوڑ دیا۔ (ہانیہ کی پھوپھی کا نام ہے) اور اگر اب ہم نے رمیز کا بھی منع کردیا تو لوگوں کو اور باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔

ہمدانی صاحب کو جب شام کو بیگم ہمدانی نے ہانیہ اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو بتائی تو وہ ایک دم غصے میں آگئے، لیکن ایک دو روز کی باتیں بنانا اچھا ہے ساری زندگی باتیں بنانے سے، اگر آپ کے اس فیصلے سے ہانیہ نے کوئی غلط قدم اٹھالیا تو پھر ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہیں گے، بیگم ہمدانی نے ہمدانی صاحب کو ہانیہ کے خطرناک ارادے سے ڈرایا جو اس نے بیگم ہمدانی سے کہا تھا۔

بس...... بیگم اب میں کچھ نہیں سن سکتا، بس تم کل شام کے کھانے پر جاوید صاحب اور ان کی بیوی کو بلوالو تاکہ ہم ان سے تاریخ فکس کرنے کی بات کریں اور رمیز بھی گرمیوں کی چھٹیوں پر ہے اور میرا خیال ہے وہ اگلے مہینے شادی کرلیں گے کیونکہ وہ تو مجھے کب سے شادی کرنے کا کہہ رہے ہیں، مگر میں ہی ہانیہ کی پڑھائی کی وجہ سے لیٹ کررہا تھا۔

☆......☆......☆

ہانیہ کی عاشر سے بھی کافی دن سے بات نہیں ہوئی تھی، کیونکہ جب ہمدانی صاحب نے اس کو پہلے پیار سے سمجھایا، جب وہ نہیں سمجھی تو ہمدانی صاحب نے اس کا موبائل بھی لے لیا اور گھر سے باہر نکلنے سے بھی منع کردیا، ہر دم اس کے سر پر نوکروں کی فوج کو مسلط کردیا جو اس پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اس کو اتنا موقع بھی نہیں دیتے کہ یہ عاشر سے بات کرکے اپنے اوپر بیتنے والی مصیبت کے بارے میں بتاتی۔ پھر ایک دن ہانیہ کے ہاتھ ریان کا موبائل لگ گیا جو نہانے گیا تو اپنا موبائل لاؤنج میں چھوڑ گیا تھا۔

ہانیہ نے ادھر ادھر دیکھا جب کوئی بھی نظر نہیں آیا تو موبائل کو اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے آئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ بند کرکے جلدی جلدی عاشر کا نمبر ڈائل کیا، جب رابطہ مل گیا تو ہانیہ نے کہا، ہیلو عاشر میں ہانیہ بات کررہی ہوں۔

کون ہانیہ؟

میں ہانیہ ہمدانی۔

میں کسی ہانیہ ہمدانی کو نہیں جانتا؟

کیا عاشر تم واقعی مجھے بھول گئے؟ ہانیہ نے روتے ہوئے کہا۔

ارے نہیں، ہانیہ یہ کیسے ہوسکتا کہ میں تمہیں بھول جاؤں، کوئی تم بھی بھولنے کی چیز ہو؟ میں تو مذاق کررہا تھا تم نے تو اس کو سیریس میں لے لیا، عاشر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ہانیہ کو اطمینان ہوا، شکر ہے یہ مذاق تھا، مگر پھر بھی اس نے عاشر پر غصہ کرتے ہوئے کہا۔ تمہیں ہر وقت مذاق آتا ہے اور یہاں میری جان نکل گئی۔

اچھا چھوڑو ان سب باتوں کو، تم یہ بتاؤ اتنے دن کہاں تھیں؟ اور اپنا موبائل بھی بند کررکھا تھا تم نے؟

عاشر نے کہا، عاشر میرا موبائل پاپا نے مجھ سے لے لیا۔

مگر کیوں تمہارے پاپا کے پاس تو پہلے سے موبائل موجود تھا؟ ہانیہ نے عاشر سے کہا، یہ بات نہیں ہے، پھر اس کو تمام بات بتادی، اچھا یہ بات ہے، تم میری بات غور سے سنو، پھر عاشر نے ہانیہ سے نجانے کیا کہا کہ ہانیہ نے فوراً فون بند کردیا۔

☆......☆......☆

ممی میں رمیز سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں،

ہانیہ نے بیگم ہمدانی سے کہا، جو ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھیں، اچانک ہانیہ کے کہنے پر چونک گئیں، کیا واقعی ہانیہ تم رمیز سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو۔

جی ممی، میں رمیز کے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہوں، ہانیہ نے اپنی بات کو واپس دہرایا۔

بیگم ہمدانی نے ٹی وی کو بند کیا اور کھڑے ہو کر ہانیہ کو اپنے گلے لگا لیا خوش ہو کر۔

☆......☆......☆

ہانیہ کی شادی 13 اپریل کو فکس ہوئی۔ ہانیہ نے سب چیزیں اپنی پسند کی لیں، زیور، کپڑے، فرنیچر وغیرہ۔ آج گھر میں خوب شور شرابا ہو رہا تھا جو کہ رات تین چار بجے کر ختم ہوا تو سب مہمان لمبی نیند لے کر سو گئے۔

☆......☆......☆

ہانیہ نے اپنا بیگ تیار کیا، بیگ کے اندر اپنے شادی کے لئے جمع شدہ اچھے اچھے سوٹ اور سارا زیور رکھا اور ضرورت کی چیزیں رکھیں، جب بیگ تیار ہو گیا تو اس کو بند کر کے اپنے ممی پاپا کے کمرے میں آئی جو دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہے تھے، ہانیہ کافی دیر ان دونوں کے پیروں کے پاس بیٹھی روتی رہی، پھر وہاں سے اٹھ کر ریان کے کمرے میں آئی، وہ بھی سو رہا تھا۔ ریان کو دیکھ کر اس کو اور زیادہ رونا آیا کیونکہ ہانیہ اور ریان کا بچپن ساتھ گزرا تھا، اسے یاد آ رہی تھیں ریان کی شرارت کرنا، جب یہ دونوں ایک ساتھ اسکول جایا کرتے تھے تو ریان راستے میں اس کی چوٹی کھول دیا کرتا تھا، جس کی وجہ سے اس کی میڈم سے مار لگا کرتی تھی اور گھر آ کر ہانیہ روتے روتے اپنے ممی پاپا سے ریان کی شکایت لگایا کرتی تھی۔ ممی پاپا اسے چپ کراتے اور ریان کو خوب ڈانٹتے کہ ہانیہ تم سے بڑی ہے، تم اسے تنگ کیوں کرتے ہو؟ وہ ریان کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

☆......☆......☆

جب صبح بیگم ہمدانی ہانیہ کو جگانے کے لئے ہانیہ کے کمرے میں گئی تو ہانیہ کے بستر کو خالی پایا، اس پر ہانیہ نہیں تھی، تکیے پر ایک خط رکھا ہوا تھا، جب بیگم ہمدانی نے وہ خط اٹھا کر پڑھا تو چکرا کر زمین پر گر کر بیہوش ہو گئیں، جب بیگم ہمدانی کو ہوش آیا تو ہانیہ کو گئے ہوئے تین دن ہو گئے، مہمان بھی سب جا چکے تھے اور ہانیہ کا کہیں پتہ نہیں چلا تھا، آخر تنگ آ کر انہوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

☆......☆......☆

بیگم ہمدانی، ہانیہ کے جانے کے بعد بیمار رہنے لگ گئی تھیں، ہر وقت ہانیہ کو یاد کرتی رہتی تھیں۔ ہمدانی صاحب نے ریان کی شادی اپنی بہن عالیہ کی بیٹی سے کر دی۔ عالمہ تھی جو نائلہ کے اس گھر میں آنے سے اچانک تبدیلی آ گئی، ریان نے بھی نماز پڑھنا شروع کر دی، ہمدانی صاحب اور ان کی بیگم نے بھی نماز پڑھنا شروع کر دی، ان کے گھر سے ٹی وی بھی نکل گیا۔

پہلے تو نائلہ بہت گھبراتی تھی، اس گھر میں آنے کے بعد کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا تھا، ہر وقت ٹی وی چلتا رہتا تھا، نامحرم مرد بغیر ناک کئے گھر میں آ جایا کرتے تھے، مگر نائلہ کی دعاؤں کی برکت اور ہر دم کہتے رہنے سے یہ سب ختم ہو گیا تھا، نائلہ نے کچھ ہی دنوں میں ہمدانی صاحب کے گھر کو جنت کے باغ میں سے ایک باغ بنا دیا تھا۔

رمیز کی بھی شادی ہو گئی تھی، رمیز اپنی بیوی کے ساتھ بہت خوش تھا، رمیز کی بیوی عائشہ اس کے دوست کی کزن تھی، جب رمیز کے دوست احسن کو معلوم ہوا کہ رمیز کی منگنی ٹوٹ گئی تو احسن نے رمیز سے عائشہ کی بات کی، رمیز نے اپنے ممی پاپا سے بات کی، وہ رشتہ لے کر احسن کے ساتھ عائشہ کے گھر گئے، اس کو انہوں نے قبول کر لیا، عائشہ اپنے قول کے مطابق اپنے والدین کی رضا میں راضی رہتے ہوئے رمیز کی بیوی بن گئی، عائشہ نے رمیز کو ایک دو مرتبہ پہلے بھی دیکھا ہوا تھا، جب وہ ہانیہ کو کبھی کبھار لینے آتا تھا، عائشہ کو رمیز کے ذریعے جب

معلوم ہوا کہ ہانیہ عاشر کے ساتھ چلی گئی تھی تو عائشہ کو بہت افسوس ہوا، عائشہ نے رمیز کو بتایا کہ ہانیہ میری بہت اچھی فرینڈ تھی، میں نے اسے بہت سمجھایا تھا، مگر وہ ہانیہ ہی کیا جو اپنے آگے کسی کی چلنے دیتی۔

☆......☆......☆

ہانیہ اور عاشر نے کراچی جا کر شادی کر لی، کچھ دنوں تو عاشر ہانیہ کے ساتھ محبت کے ساتھ رہا، پھر ان دونوں کے اندر چھوٹی موٹی لڑائی ہونے لگ گئی۔

عاشر ایک دن گھر لوٹا تو نشہ کیا ہوا تھا، جب ہانیہ نے عاشر سے پوچھا کہ تم نے یہ اپنی حالت کیسی بنائی ہوئی ہے تو جواب دینے کے بجائے ہانیہ کو مارنا شروع کر دیا، پھر تو یہ روز کا معمول بن گیا، عاشر روز رات کو دیر سے آتا اور جب آتا تو نشہ کر کے آتا اور ہانیہ کو خوب مارتا، عاشر حد درجے کا شکی مزاج تھا۔ عاشر نے ہانیہ سے موبائل بھی لے لیا تھا جو اس نے ہانیہ کو شادی کی رات دیا تھا۔ عاشر نے جو ہانیہ سے کہا تھا کہ میرے ممی پاپا اس دنیا میں نہیں ہیں اور نہ کوئی بہن بھائی، یہ سب جھوٹ کہا تھا، عاشر کے ممی پاپا بھی تھے اور بہن بھائی بھی تھے بلکہ بیوی بھی تھی۔ لیکن عاشر کی بیوی شادی کے کچھ دنوں بعد ہی عاشر کو چھوڑ کر اپنے میکے چلی گئی تھی اور عاشر کو عاشر کے گھر والوں نے گھر سے نکال دیا تھا، روز روز کی ان حرکتوں کی وجہ سے تنگ آ کر، عاشر ہانیہ پر ہر روز ایک نیا الزام لگاتا کہ آج میں نے تمہیں فلاں لڑکے کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا اور آج گھر سے فلاں لڑکا نکلا تھا جو مجھے دیکھ کر فوراً چلا گیا، عاشر نے ہانیہ کا باہر نکلنا بھی بند کر دیا تھا، اگر عاشر سے ہانیہ کہتی بھی کہ میں نے تمہارے لئے اپنے گھر کو چھوڑا، پھر میں کسی دوسرے لڑکے کو کس طرح اپنے گھر میں داخل ہونے دے سکتی ہوں جبکہ میں تمہاری بیوی ہوں تو عاشر ہانیہ سے کہتا، جب ہی تو مجھے تمہارے اوپر اعتماد نہیں ہے اور میں تمہارے اوپر اعتماد کیسے کر لوں، تم تو وہ لڑکی ہو جو صرف ایک لڑکے کی خاطر اپنے والدین، بھائی اور رمیز جیسے پیار کرنے والے منگیتر کو چھوڑ سکتی ہو؟ صرف وہ بھی موبائل پر بات کرنے کی وجہ سے، اتنے رشتہ داروں کو چھوڑ سکتی ہو تو صرف مجھ اکیلے کو نہیں چھوڑ سکتی کیا۔

عاشر نے لفظ صرف کو لمبا کرتے ہوئے کہا۔

ہانیہ کو عاشر کی ان باتوں سے بہت تکلیف ہوتی تھی، مگر ہانیہ کر بھی کیا سکتی تھی، وہ تو اپنے والدین کے گھر واپس جا بھی نہیں سکتی تھی جس طرح عاشر کی پہلی بیوی چلی گئی تھی۔ کیونکہ یہ تو اسی دن اپنے واپسی کے تمام دروازے بند کر آئی تھی، جس دن اپنے گھر کا در پار کر کے آئی تھی، اب ہانیہ گھر میں اکیلی رہتی تھی کیونکہ عاشر کبھی گھر آتا، کبھی نہیں اور جب آتا ہانیہ کو مار کر واپس چلا جاتا، ایک دن بھی ایسا ہی ہوا، عاشر گھر آیا، ہانیہ کو خوب مارا، تب اس ظالم کا مارنے سے دل نہ بھرا تو اس نے ہانیہ کو طلاق دے دی اور گھر سے باہر نکال دیا۔ ہانیہ آتے ہوئے اپنا سارا زیور لے آئی تھی، جو اس نے عاشر سے چھپا کر رکھا ہوا تھا، ورنہ عاشر اس زیور کو بیچ دیتا۔

ہانیہ نے کرائے پر گھر لیا اور اس میں رہنے لگ گئی، ہانیہ کے گھر کی اوپر والی منزل پر دین دار لوگ رہتے تھے، ان کے گھر اکثر بیان ہوتا تھا، وہ ہانیہ کو بھی بلایا کرتی تھیں، مگر ہانیہ جاتی نہیں تھی، ایک دن ہانیہ کے دل میں آیا کیوں نہ ان کے گھر آج بیان میں جایا جائے، میرا بھی کچھ دل لگ جائے گا۔

جب ہانیہ تیار ہو کر ان کے گھر بیان میں گئی تو وہاں کافی عورتیں تھیں، جب مالک مکان کی بیٹی نے ہانیہ کو دیکھا، اس سے ہاتھ ملایا اور خوش ہو کر اسے گلے لگایا اور اپنے ساتھ بیان والے کمرے میں لے گئی۔ وہاں ایک باجی بیان کر رہی تھیں، ہانیہ تو بس ان باجی کے چہرے میں ہی گم ہو گئی، ان کے چہرے پر ایک عجیب سی نورانیت تھی، جس نے ہانیہ کو بہت متاثر کیا۔ ان باجی کے منہ سے ایک ایک بات، ہانیہ کو ایسی لگ رہی تھی جیسے ان کے

منہ سے پھول نکل رہے ہیں، بیان کا موضوع تھا۔ "اللہ کی محبت۔"

باجی اپنے بیان میں کہہ رہی تھی، حقیقی محبت تو اللہ کی محبت ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوتی، دنیا کی محبت تو فانی ہے، ایک دن ختم ہو جائے گی، اگر کسی کو محبت کرنی ہو تو صرف اللہ سے محبت کرے۔

ہانیہ کو بیان بہت پسند آیا، بس ان کے ذہن میں یہ الفاظ گھوم رہے تھے کہ اگر کسی کو محبت کرنی ہے تو صرف اللہ سے کرے کیونکہ اللہ کی محبت باقی رہنے والی ہے اور دنیا کی محبت فانی ہے۔

ہاں واقعی دنیا کی محبت فانی ہے جبھی تو عاشر نے مجھے طلاق دے دی۔

اگر یہی قائم رہنے والی محبت ہوتی تو عاشر مجھے کبھی بھی نہیں چھوڑتا۔ ہانیہ نے اب ہر بیان میں جانا شروع کر دیا تھا اور اوپر والی منزل میں بھی جایا کرتی تھی، ان کی ایک بیٹی عالمہ حافظہ تھی جو گھر میں خواتین کو قرآن مجید اور بہشتی زیور پڑھایا کرتی تھی، ہانیہ بھی وہاں پڑھنے لگ گئی۔

ہانیہ نے بھی شرعی پردہ شروع کر لیا، ہانیہ نے اپنے آپ کو مکمل طور پر دین میں لگا لیا تھا، ہانیہ کو کبھی کبھی اپنے ممی پاپا ریان یاد آتے تو خوب روتی اور اپنے آپ کو ملامت کرتی کہ اس نے اپنی زندگی اپنے ہاتھ سے ہی بربادی کے راستے پر لگائی تھی، وہ سوچتی کاش وہ رمیز سے شادی کر لیتی تو آج وہ بھی اپنے ممی پاپا سے مل سکتی تھی۔

اب اگر میں اپنے گھر جاؤں بھی تو کس منہ سے جاؤں، کیا میں جا کر یہ بتلاؤں کہ جس کے لئے میں نے آپ سب کو چھوڑا تھا، آج وہ مجھے ہی چھوڑ کر چلا گیا، جہاں کا وہ آزاد پنچھی تھا، کسی اور لڑکی کی زندگی سے کھیلنے کے لئے نہیں، اب میں مزید ممی پاپا کو پریشان کرنے نہیں جاؤں گی، اب تو وہ مجھے بھول بھی گئے ہوں گے اور ریان کی بھی شادی ہو گئی ہو گی وہ خوش ہوں گے میں کیوں ان کو پریشان کروں۔

☆......☆......☆

قارئین یہ تو صرف ایک ہانیہ ہے نا جانے کتنی ہانیہ ہیں جو موبائل پر اپنے دوست بنا بیٹھی ہیں اور کتنی ایسی لڑکیاں ہیں جو ہانیہ کی طرح اپنے گھر بار کو چھوڑ چلی گئیں، پھر اپنے والدین کی شکل دیکھنے کے لئے ترس رہی ہیں اور ان لڑکیوں کی زندگی بربادی کے راستے پر لگانے والا موبائل فون اور والدین ہیں۔ ہاں والدین میری بات کا برا نہ منائیں کیونکہ والدین اپنی بچیوں کا شوق دیکھ کر موبائل فون لے کر تو دیتے ہیں مگر پھر مڑ کر ان سے پوچھتے تک نہیں ہیں۔ تم موبائل کا کیا استعمال کر رہی ہو، نہ ہی ان کا موبائل چیک کرتے ہیں کہ ہماری بچیوں کے موبائل پر کس کس کا فون آتا ہے، کس کے SMS آتے ہیں، یہ موبائل ہے تو بہت کام کی چیز مگر اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں، یہ دیکھنے میں تو بہت ننھا ہے مگر یہی نوجوان نسل کا ننھا دشمن ہے۔

☆......☆......☆

باتوں سے خوشبو آئے

☆ ماں کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے۔

☆ عورت کی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی نامحرم کو نہ دیکھے اور اس کو کوئی نامحرم نہ دیکھے۔

☆ آدھے راستے سے واپس آجانا گمراہ ہونے سے بہتر ہے۔

☆ انسان ایک نعمت کے چھن جانے سے بے شمار نعمتوں کی ناشکری کرنے لگتا ہے۔

☆ پہلی صف میں جگہ ہونے پر دوسری صف میں بیٹھنا مسجد کی بے ادبی ہے۔

☆ تمام دنیا کی بادشاہت پیاسے کی گھونٹ کی قیمت اور ایک قطرہ پیشاب بند ہونے کی دوا نہیں ہو سکتی۔

☆ ....☆.... ☆

انبیاء کے دیس میں

قسط نمبر:2

بنت حضرت مولانا عبدالمجید

دنیا کی زندگی ایک سفر ہے، ہر انسان اپنے اپنے سفر پر رواں دواں ہے، اس سفری زندگی میں چھوٹے بڑے سفر ہوتے رہتے ہیں، جو انسان کو بہت کچھ سکھا جاتے ہیں اور اس کے ذہن میں انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ ذیل میں "حیا" کی مشہور رائٹر بنت عبدالمجید صاحبہ کا سفرنامہ پیش ہے، جو دلچسپ معلومات اپنے اندر سموئے ہے۔

...ایک ڈبے میں سونے اور لوہے کی بنی ہوئی بڑی سی بت کی شکل کا ہیلمٹ یہ ان کی جنگوں میں استعمال ہوتا تھا، یہاں سے باہر نکل کر ہم پھر امینہ کی رہنمائی میں چل پڑے، اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ والد صاحب بھی اس کی رفتار کو نہیں پہنچ رہے تھے، چہ جائیکہ ہم، وہ تھوڑا سا چلنے کے بعد پیچھے مڑتی تو ہم دو میل دور ہوتے، وہ پھر وہاں کھڑے ہو کر انتظار کرتی، جب ہم بھاگم بھاگ پہنچتے تو وہ پھر دوڑ پڑتی، یہاں مختلف قسم کی بڑی، چھوٹی سونے اور پتھر کی چارپائیاں رکھی تھی، اس سے آگے کالے رنگ کا بڑا سا پتھر کا کتا سونے کی ڈولی پر بیٹھا ہوا تھا، امینہ نے بتایا کہ یہ فرعون کی جلوس گاہ تھی، چار چار پائیاں چھوٹے سائز کی تھیں، جو فولڈنگ تھیں، اس سے کچھ فاصلے پر پتھر کے بڑے بڑے ہیوی بکس جیسے ڈبے رکھے تھے، جس میں فرعون ہیرے جواہرات رکھتا تھا، دو بڑے بڑے پتھر کے کینڈل اسٹینڈ رکھے تھے، جس پر فرعون اور اس کی بیوی کا نام ان کی زبان میں لکھا تھا، اس زمانے کی زبان عجیب سی تھی، کہیں چپل بنی ہوتی، کہیں تلوار اور کہیں موم بتی، میں تو سمجھی کہ یہ نقش و نگار ہے، لیکن امینہ نے بتایا کہ یہ ان کی زبان تھی اور ایک جگہ ہوائی چپل کی شکل میں سونے کی چپلیں رکھی تھی اور کھسے کی شکل میں سنہری رنگ اور سرمئی رنگ کی چھوٹی بڑی چپلیں تھیں، ایک دیوار پر سو کے قریب مختلف سائز کے نیلے، پیلے اور لال لٹکے تھے، یہ فرعون کے دربانوں کے تھے، ایک جانب دو کالے رنگ کے عصا لٹک رہے تھے، جو فرعون کے تھے، اس کے کچھ آگے پتھر کا چوکور سفید سا ٹکڑا جس پر چھوٹے چھوٹے کالے نشانات تھے، اس ٹکڑے پر لوہے کی پتریوں سے چوکور چوکور ڈبے بنے تھے، ان میں ہر ڈبے میں گول گول لوہے کی گولیاں رکھی تھی، نیچے بھی کچھ گولیاں اور لوہے کے ڈنڈے بکھرے تھے، یہ ان کے زمانے میں شطرنج کا کھیل تھا، اس سے آگے خالص سونے کی کرسی تھی، جس پر سونے کا شیر بنا تھا، ہر طرف بت ہی بت رکھے تھے، جنہیں دیکھ کر حقیقتاً مجھے تو کراہت ہو رہی تھی، پوری دو منزلہ عمارت بتوں اور فرعون کی چیزوں سے بھری پڑی تھی، باہر نکلتے وقت

دروازے کے پاس دو کالے رنگ کے پتھر کے بت رکھے تھے، جن کے بارے میں امینہ نے بتایا کہ یہ فرعون کے دربانوں کا تصوری خاکہ ہے جن کی قمیصیں سنہری رنگ کی تھی اور ان کے سروں پر لمبی سنہری ٹوپی تھی، ہاتھوں میں دو عصا تھے، پاؤں میں لوہے کے جوتے تھے، یہاں سے سیڑھیاں اترتے ہوئے ہم پارک میں آگئے، ان تمام جگہوں پر گھومنے میں تقریباً دو گھنٹے لگ چکے تھے، باہر بھی بڑا سا کالے رنگ کا شیر بنا ہوا تھا۔

پہلا دھوکہ:...... یہاں ہم نے ابو جی سے کہا کہ ہم نے سنا ہے مصر میں فرعون بھی ہے جبکہ یہاں کہیں نظر نہیں آرہا؟

ابو جی نے ہماری معصومیت پر ہنس کر فرمایا: بیٹا آپ کے استقبال کے لئے کہیں کھڑا نہیں ہوگا، بلکہ پوچھنا پڑے گا، پھر ابو نے امینہ سے پوچھا تو محترمہ نے ہمیں دھوکہ دے دیا اور کہنے لگی: فرعون کو دیکھنے کا الگ ٹکٹ ہے جو بہت مہنگا ہے، پھر اس کی لاش کپڑے میں لپٹی ہے، شکل نظر نہیں آتی، پیسے اور وقت برباد کرنے والی بات ہے، ہم سیدھے سادے اس کی باتوں کے دام میں آگئے، پھر بھی دل میں کھٹکا ہو رہا تھا کہ اتنے لوگ دیکھتے ہیں جبکہ یہ اسے وقت کی بربادی اور پیسے کا ضیاع گردان رہی ہیں، سومیوزیم کے احاطے سے نکل کر ہم سڑک کے کنارے چلنے لگے، کونے میں پہنچ کر کچھ دیر گاڑی کا انتظار کرنا پڑا، اب یہاں سے ہمارا رخ دوسری سیر گاہ کی جانب تھا۔ خوبصورت شاہراہوں پر چلتے چلتے ہم ایک اور جگہ رکے، یہ دکان کی طرح تھی۔

دوسرا دھوکہ ثانی:...... اندر داخل ہوئے تو ایک مصری خاتون نے ویلکم اور مرحبا کہہ کر ہمیں کاؤنٹر پر کھڑا ہونے کا اشارہ کیا اور خود میز کے دوسری جانب چلی گئی، پھر اس نے ایک پودا اٹھایا، جس کا نام وہ "واٹر فلاور" لے رہی تھی، انگریزی میں بتانے لگی کہ ہم اس پودے کی ٹہنی کو لمبے لمبے پٹیوں کی شکل میں کاٹ کر پانی میں بھگو کر رکھ دیتے ہیں، تقریباً ایک ہفتے بعد انہیں نکال کر ان پر بیلن پھیرتے ہیں: جس سے ان کا پانی نچوڑ جاتا ہے، پھر ان پٹیوں کو آپس میں ملا ملا کر رکھتے ہیں اور ان پر ایک قالین کا ٹکڑا رکھ کر انہیں ایک لوہے کی مشین کے نیچے رکھ دیتے ہیں، پھر ایک ہفتے بعد نکالتے ہیں تو وہ سنہری رنگ کے کاغذ کی شکل میں ہو جاتا ہے، پھر اس پر مختلف رنگوں سے پینٹنگز کر کے انہیں بیچتے ہیں۔ پوری دکان میں دیواروں پر ان کی صنعت کاری آویزاں تھی، اس نے ہمارے ہاتھ میں ایک کارڈ اور قلم تھماتے ہوئے ہمیں کہا کہ پوری دکان میں پھر کر دیکھ لیں، جو پینٹنگ آپ کو پسند آئے، اس کا نمبر اور قیمت نوٹ کر کے کارڈ کاؤنٹر پر جمع کروادیں، ہم نے ان کی بات مانتے ہوئے پوری دکان میں مٹرگشت کی، تب کہیں جا کر ہمیں دو پینٹنگز خریدنے کے لئے پسند آئی، جو اس نے ہمیں "ڈسکاؤنٹ" کے ساتھ 300 جنیہ کی دی، جو ڈسکاؤنٹ شاید انہی کے نزدیک ڈسکاؤنٹ تھی، ورنہ حقیقتاً یہ دوسرا دھوکہ تھا جس میں ہم پھنسے تھے، کیونکہ یہ ہی پینٹنگز جب ہم نے "خان الخلیل" میں دیکھی تو صرف چار جنیہ کی بک رہی تھی، سوچئے کہاں تین سو جنیہ اور کہاں "چار سو جنیہ" مگر ہمیں اس پر ملال زیادہ نہ تھا، کیونکہ ہم شہر یوسف میں تھے اور یہاں اجنبیوں کے ساتھ دھوکہ دہی عام تھی، جنیہ یہاں کے پیسوں کا نام ہے اور مصری جم کو گاف پڑھتے تو وہ ان کی زبان میں گنیہ بن گیا، جب ہم نے ان خاتون کو بتایا کہ ہم پاکستانی ہیں تو بہت خوش ہوگی اور ہم سے ہمارا کارڈ لیا، پھر کہا کہ ان شاء اللہ میں پاکستان آؤں گی تو آپ سے ضرور ملاقات کروں گی، وہاں سے نکلے تو امینہ ہمیں ایک عطر کی دکان میں لے گئی، اندر جیسے داخل ہوئے، نگاہیں حیران ہوگئی، چہار جانب کانچ کی رنگ برنگ خوبصورت بوتلیں رکھیں تھیں، ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے ہم دوسری دنیا میں آگئے ہوں، ایک آدمی نے ہمیں اشارہ کر کے بلایا تو ہم اس سمت گئے، وہاں کرسیاں رکھی تھی، ہم سب کرسیوں پر لائن سے بیٹھ گئے، پھر وہ

مصری شخص ہمارے سامنے والی کرسی پر آبیٹھا، حال احوال پوچھنے کے بعد اس نے عطر کی ایک بڑی بوتل منگوائی، پھر ماچس کی تیلی جلا کر اس عطر میں ڈالی تو وہ بجھ گئی، پھر اس نے وہ ماچس کی تیلی ہمیں سنگھوائی کہ دیکھیں، اس میں ماچس کی بدبو بھی نہیں ہے، کیونکہ عطر خالص تھا، پھر وہ عطر گلاب، صندل، یاسمین اور مختلف قسم کے عطر ہمیں سنگھواتا رہا اور ان کی صفات گنواتا رہا، تھوڑی دیر بعد ان کا خادم منرل واٹر کی ٹھنڈی بوتلیں لے آیا، پانی پی کر ہمیں بہت سکون محسوس ہوا، وہ چاہتے تھے کہ ہم ان سے عطریات خریدیں، لیکن ابو نے کہا کہ ہم مدینہ سے خریدیں گے، وہ بہت ضد کرتے رہے، لیکن ابو نہ مانے، کیونکہ وہ مہنگا بھی بہت دے رہا تھا اور ہم بھی الرٹ ہو گئے تھے، مزید کسی دھوکے کا موڈ نہیں تھا، جب ہم یہاں سے نکلے تو خوب خوشبو ہماری ناک میں رچ بس گئی تھی۔

احرام مصر اور ابوالہول:...... اب یہاں سے ہمارا رخ احرام مصر کی جانب تھا، چند شاہراہوں سے گزرتے ہوئے ہم چٹیل میدانوں میں آگئے، چند ٹیڑھے میڑھے موڑ مڑنے کے بعد اسامہ صاحب نے ایک گیٹ پر گاڑی روکی، ہم امینہ کی رہنمائی میں اندر چلنے لگے اور لکڑی کے کیبنٹ ٹکٹ کے لئے بنے ہوئے تھے، ان کیبنٹس کے سامنے لکڑی کے ڈنڈے ڈال کر ان پر درختوں کی ٹہنیاں سائے کے لئے ڈالی گئی تھی، ہم نے یہاں سے ٹکٹ لی اور اندر جا کر اپنا سامان چیک کروایا اور چیکنگ کے لئے بنے ہوئے مخصوص دروازے سے گزرتے ہوئے اندر چلے گئے، گیٹ سے لے کے احرام مصر تک تقریباً ڈیڑھ میل کا فاصلہ تھا، اتنا چلتے چلتے جب ہم احرام مصر تک پہنچے تو تھک چکے تھے، احرام مصر میں تین پہاڑ تھے، جو فرعون کے زمانے سے بھی دو ہزار سال پہلے بنائے گئے تھے، امینہ نے بتایا کہ اس پہاڑ کے نیچے ایک بادشاہ مدفون ہے، یہ پہاڑ کئی میٹر بلند تھا، اسے اس زمانے کے لوگوں نے بغیر سیمنٹ کے بڑے بڑے پتھروں اور چٹانوں سے بنایا تھا، امینہ نے بتایا کہ اس پہاڑ کی تعمیر 20 سال میں مکمل ہوئی تھی، یہ چٹانیں پھسلنے والے پتھروں کی تھی، جن پر پاؤں بمشکل جمتا تھا، امینہ نے ہمیں اوپر ایک دروازہ بھی دکھایا، جس کے اندر ایک لمبی سرنگ تھی، اس کے اندر ہیرے و جواہرات چوری کر کے رکھے تھے، لیکن وہ اب چوری ہو گئے، اس پر ہمیں ہنسی بھی آئی کہ اتنی بلند پہاڑی سخت پتھروں سے بنانے کے باوجود بھی ہیرے و جواہرات چوری ہو گئے، یہ سب سے بڑا پہاڑ تھا جس پر ہم چڑھے تھے، لیکن مکمل بلندی پر کوئی بھی نہیں جا سکتا، صرف دو تین چٹانوں پر لوگ چڑھ سکتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی دو پہاڑ تھے، اس سے کچھ فاصلے پر مٹی اور پتھروں کے قدیم مکانات تھے، امینہ نے بتایا کہ یہ یہاں پر کام کرنے والوں کے مکانات تھے، یہ بہت بڑا میدان تھا، یہاں سے ہم دوبارہ گاڑی میں سوار ہوئے، تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد ہم ایک دوسرے میدان میں پہنچے، یہاں مٹی نرم نرم تھی، یہ سب "منطقة الهرم" تھا، اس میدان کے بالکل وسط میں بہت بڑا سرمئی رنگ کا پتھر کا بت ابوالہول تھا، اس کے اردگرد انگریزوں کی کثرت تھی، یہ شیر کی ہیئت پر بنایا گیا تھا اور اس کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی، اس بت کی لمبائی سات میٹر ہے، یہاں ہم زیادہ دیر نہیں رکے، بلکہ اسے کھڑے دیکھ کر واپس گاڑی میں آگئے، یہاں ایک دلچسپ بات ہوئی، ایک شخص ابو کی طرف بڑھا، سلام کیا، چند قدم چل کر حال احوال دریافت کیا، پھر ایک چھوٹا سا سوتی ابو کو دیا اور کہنے لگا، یہ میری نشانی رکھ لیں، ابو نے رکھ لی، پھر وہ آدمی بولا: آپ بہت اچھے اور نیک انسان ہیں، لہٰذا اپنی نشانی کے طور پر مجھے کچھ بخشش وغیرہ عنایت کردیں۔ (بخشش) ایک خاص اشارہ تھا، والد صاحب ہنسے اور اسے کچھ پیسے دے دیئے۔

مسجد الامام الحسینؓ:...... اب گاڑی دوبارہ سے قاہرہ کی خوبصورت شاہراہوں پر دوڑنے لگی، آدھے گھنٹے بعد

ہم خان الخلیل پہنچ چکے، یہ شہر کا سب سے مشہور اور بڑا بازار ہے، اس کے ساتھ ہی ایک مسجد الامام الحسین رضی اللہ عنہ کے نام سے ہے، ڈرائیور نے ہمیں سڑک کے کنارے پر اتار دیا اور کہا کہ آپ لوگ یہاں گھومے پھر لیں، میں ایک گھنٹے بعد آ کر آپ کو لے لوں گا، ہم یہاں اتر گئے، مسجد کے سامنے سرسبز و شاداب پارک بنا تھا، لیکن اس پر تالا تھا، ہم شاہراہ پر چلتے ہوئے مسجد کے دروازے تک پہنچے، یہ مسجد سنہری ٹائیلوں سے بنی ہوئی ہے، مردوں اور خواتین کا راستہ الگ الگ ہے، مرد حضرات مسجد میں چلے گئے اور ہم گھوم کر دوسرے دروازے سے اندر گئے، خواتین کے لئے مردوں کی بہ نسبت کم احاطہ مقرر تھا، یہاں ہم نے عصر کی نماز ادا کی، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک دروازے سے بہت سی عورتیں آ جا رہی تھیں، میں نے امی سے کہا کہ ہم بھی چل کر دیکھتے ہیں، کیا ہے؟ پھر میں امی اور فرحت بھی اٹھ کر اندر چلے گئے، وہاں کندھوں تک ایک جالی لگا کر خواتین کو آگے بڑھنے سے روکا گیا تھا اور اس کے سامنے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا الامام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے، قبر مبارک پر ایک پگڑی رکھی تھی اور قبر کے سامنے رحل پر قرآن شریف کھلا ہوا تھا اور ارد گرد بھی مصاحف رکھے تھے، یہاں دل کی عجیب حالت تھی، خاندان رسول کا چشم و چراغ، اللہ اللہ میدان کربلا کے منظر نگاہوں میں گھوم رہے تھے، ہم نے یہاں کھڑے ہو کر دعا کی اور پھر باہر نکل آئے۔

باہر پہلے سے ابو ہمارے منتظر تھے، ہمیں مسجد کے سامنے کھڑا کر کے ابو ایک دکان میں گئے، تھوڑی دیر بعد لوٹے تو ہاتھ میں ایک تھیلا تھا، جس میں گول گول پھولی ہوئی روٹیاں تھیں، تین روٹیوں میں کباب بھرے ہوئے تھے اور تین روٹیوں میں مصری خاص ڈش "حمص" تھی۔ "حمص" سفید رنگ حلوے کی مانند نمکین سالن ہے، جسے مصری شوق سے کھاتے ہیں، ہم نے مسجد کے سامنے بنے ہوئے برآمدے کے کونے میں بیٹھ کر تسلی سے کھانا کھایا، ابو نے ہمیں پارک کے کنارے پر کھڑے ہونے کا کہا اور خود موبائل کا سم کارڈ لینے چلے گئے، ہم وہاں کھڑے تھے کہ ایک مصری بائع سفید رنگ کے جیولری سیٹ بیچ رہا تھا، اس نے ہمیں آ کر دکھائے، میں نے ٹالنے کے لئے قیمت پوچھی، تو اس نے زیادہ بتائی، ایک سیٹ 65 جنیہ کا بیچ رہا تھا، میں نے ٹالنے کے لئے کہا کہ ابو اندر دکان میں گئے ہیں اور پیسے ان کے پاس ہیں، وہ آ جائیں تو لے لیں گے، پھر ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئے اور روڈ کے دوسرے کنارے جا کر کھڑے ہو گئے، لیکن وہ بھی انتظار کر رہا تھا، جیسے ابو نکلے، وہ دوبارہ پیچھے پہنچ گئے، ابو نے قیمت پوچھی تو اس نے 65 جنیہ بتائی، ابو نے مہنگا کہا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اس نے پھر خمسین گنیہ یعنی پچاس جنیہ کہا، ابو نے گاڑی کا دروازہ بند کیا تو اس نے دوبارہ دروازہ بجا کر اربعین جنیہ کا اشارہ کیا، ہم نے گاڑی تھوڑ اور آگے بڑھائی تو اس نے پھر کھڑکی بجا کر ثلاثین جنیہ کا اشارہ کیا، ہم نے کہا، اب تو لینا ہی پڑے گا، کیونکہ وہ ایکدم 65 سے 30 تک آ گیا تھا، ابو نے دروازہ کھول کر اسے خمسین دیجیے، اس نے کہا، میں کیا 20 جنیہ واپس کروں گا، ایسے کرو خمسین میں دو لے لو، پھر ہم نے دو سفید رنگ کے سیٹ لے لئے، اس بائع کے فعل سے ہم سمجھ گئے کہ یہاں بھی ہماری طرح غیر ملکیوں کو لوٹنے کا رواج ہے، اب ہمارا رخ "فندق اوربا" کی جانب تھا۔

ہوٹل پہنچ کر سب اپنے اپنے بستروں پر ڈھیر ہو گئے، کیونکہ تھکاوٹ غالب آ چکی تھی، لیکن ابو نے کہا، میں اور عبدالماجد کچھ کھانے پینے کو لے آتے ہیں، یہ دونوں تو باہر آؤٹنگ پر نکل گئے، جبکہ ہم چاروں ہوٹل میں ہی رہے، مغرب کی نماز کے بعد ابو واپس آئے تو بتایا کہ ہم نے پورا بازار چھان مارا، لیکن کہیں بھی کھانے کا مطعم یا کباب، پراٹھے، سموسے بکتے نظر نہ آئے، ایسے موقع پر ہمیں پاکستان یاد آیا، جہاں ہر قدم قدم پر، کوئٹہ ہوٹل، افغانی ہوٹل، اللہ بخش ہوٹل اور خیر زمان ہوٹل جیسے

مقامات ملتے ہیں، قاہرہ میں کھانے کے ہوٹل جابجا نہیں ہوتے بلکہ روڈ پر چادریں بچھا کر یا ٹھیلے لگا کر روٹیوں کا ڈھیر ہوتا ہے، سامنے کہیں تندور بھی نہیں نظر آتا، بلکہ روٹیوں کے ڈھیر پھلوں کی طرح ٹھیلوں پر بکتے نظر آتے ہیں، لہٰذا ابو روٹیاں لے آئے اور کھانے کے چند ڈبے ہم نے پاکستان سے پیک کروائے تھے، لیکن یہاں اسے گرم کرنے کا مسئلہ تھا، ہوٹل کے کاؤنٹر پر بات کی تو انہوں نے کہا، برتن آپ کا اپنا ہو گا تو 5 جنیہ میں گرم کرنے کی اجازت ہے، پھر یہاں ہم نے 5 جنیہ میں کھانا گرم کروالیا اور اوپر کمرے میں ہی کھا کر عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے بستر پر دراز ہو گئے۔

اگلے دن بتاریخ 28 اپریل یعنی منگل کی صبح بھی ہم نے ناشتہ ہوٹل والوں کی طرف سے ان کے ڈائننگ ہال میں کیا، ابو سندباد کمپنی والوں کی گاڑی بک کروا چکے تھے، ناشتے کے بعد ہم نے باہر ویٹنگ روم میں کچھ دیر انتظار کیا تو ہماری گاڑی آ گئی، ایک بار پھر ہم سیر و سیاحت کے لئے نکل چکے تھے، ہم جیزہ سے نکل کر قاہرہ شہر میں داخل ہو گئے۔

قلعہ صلاح الدین ایوبی و مسجد جامع محمد علی:......

خوبصورت کشادہ سڑکوں سے گزرتے ہوئے گاڑی قلعہ صلاح الدین ایوبی میں داخل ہوئی، ہمیں گیٹ پر اتار کر ڈرائیور اندر سے ٹکٹ لے آیا، اب ہم اس کی رہنمائی میں گیٹ سے اندر داخل ہوئے، ایک لمبی سڑک چلنے کے بعد سیڑھیاں آئی، سیڑھیوں سے اوپر پہنچے تو تھوڑے سے فاصلے پر مسجد محمد علی جگمگا رہی تھی، ہم ایک درخت کے سائے میں کھڑے ہو کر گائیڈ کا انتظار کرنے لگے، تھوڑی دیر بعد ایک مصری لڑکا آیا جو ہمارا گائیڈ مقرر تھا، اس کا نام عباس تھا، جس نے مکمل عربی میں رہنمائی کی، اس نے ہمیں اپنے پیچھے چلنے کا کہا، تو ہم اس کے پیچھے چلتے ہوئے مسجد کے دروازے تک پہنچے، پتھروں کی مضبوط بلند و بالا دیواریں، حسین نقش و نگار سے مزین تھیں، مسجد کی عمارت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ قدیم عمارت ہے۔ دیواریں اتنی بلند تھی کہ اوپر تک سر اٹھا کر دیکھا نہیں جاتا تھا، یہ مسجد جامع محمد علی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے چار گنبد ہیں اور چار ہی برآمدے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ خلفائے اربعہ چار ہیں، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اور اسلام کے مسالک بھی چار ہیں، حنفیہ شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ، اس مسجد کے ایک کونے میں سنہری جالیوں کا ایک کمرہ ہے، جس میں صاحب مسجد امام محمد علی آرام فرما ہیں، تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ علی بن سفیان، صلاح الدین ایوبی کے خاص مشیر و وزیر کی حیثیت سے ان کے ساتھ رہے، ان کی فہم و فراست کی وجہ سے، بہت سے غدار بے نقاب ہوئے اور اسلامی فتوحات ہوئی۔ (جزاہم اللہ عنا خیرا)

گائیڈ نے بتایا کہ یہ امام محمد علی کی حیات میں ان کا کمرہ تھا، اسی جگہ ان کا انتقال ہوا اور یہی مدفون ہوئے، ان کی قبر کے اوپر ایک سبز رنگ کی گول ٹوپی بھی رکھی ہوئی تھی، ہم نے یہاں کھڑے ہو کر دعا کی، پھر اس مسجد کے احاطے سے باہر نکل کر باہر آئے، سامنے پھر میدان تھا، جس کے کنارے پر چھوٹی سی دیوار بنی ہوئی تھی، یہاں سے تمام مناظر یعنی چھوٹے چھوٹے مکانات نظر آ رہے تھے، گائیڈ عباس نے بتایا کہ یہ اس زمانے کے رہائشیوں کے مکانات تھے، بلندی سے منظر بہت اچھا لگ رہا تھا، جگہ جگہ سایہ دار درخت لگے تھے، ان کے سائے میں چلتے چلتے ہم باہر تک آئے، یہاں ہر جگہ پر بہت چلنا پڑتا ہے، مسجد کے ساتھ بلند و بالا بڑا سا قلعہ ہے لیکن عمارت قدیم ہو جانے کی وجہ سے خستہ حال ہو گئی ہے، لہٰذا اسے بند کر دیا گیا اور اندر جانا منع ہے، ہم اس قلعے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آئے اور گاڑی میں سوار ہو گئے، یہ قلعہ بہت بڑا ہے، اس کا نام قلعہ صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ تھا، گائیڈ نے بتایا کہ یہ قلعہ صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے تعمیر کیا تھا، اس کی دیواریں مضبوط اور بلند و بالا ہیں، اوپر دیکھتے ہوئے بھی ہمیں چکر آ رہے تھے، ہم نے یہ قلعہ گاڑی میں بیٹھ کر دیکھا۔

اس احاطے سے نکلنے کے بعد ہم دوبارہ سے قاہرہ کے

حسین مناظر میں کھو گئے، یہاں ٹریفک کا نظام بہت منظم اور مربوط ہے، تمام گاڑیاں ایک قطار میں چلتی ہیں اور روڈ کراس کرنے والوں کو ہم نے دیکھا کہ نہایت بے فکری سے روڈ پر آتے ہیں، بچے، بڑے بن دیکھے روڈ کے درمیان چلے آتے ہیں اور گاڑیاں خود ان کے لئے رک جاتی ہیں، اسی وجہ سے یہاں حادثات کی شرح بہت کم ہے۔

مسجد السلطان:..... کچھ مسافت طے کرنے کے بعد گاڑی بڑے سے دروازے کے سامنے رکی، یہاں سے ہم نے ٹکٹ لئے اور اندر کی جانب گئے، چاروں طرف سے کشادہ بڑا سا اینٹوں کا میدان تھا، جس میں سامنے اینٹوں کی سیڑھیاں بلندی کی طرف جا رہی تھیں، یہ عمارت بھی قدیم لگ رہی تھی، اینٹوں اور پتھروں کی بلند دیواریں اور بلند چھتیں تھیں، یہ بھی ایک قدیم مسجد جو مسجد السلطان کے نام سے موسوم ہے، گائیڈ نے کہا کہ "ھذا مسگد من اعظم المساگد" مصری جیم کو گاف پڑھتے ہیں، یعنی یہ مسجد معظم مساجد میں سے ہے، ہم کافی ساری سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئے تو دروازے کے پاس دو آدمی بیٹھے تھے، جن کی پشت کی جانب بڑی سی الماری تھی، جس میں چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے، ہم نے اپنی اپنی چپلیں اس کے پاس رکھوائی اور دعا پڑھتے ہوئے اندر داخل ہوئے، سامنے پتھروں کی خوبصورت نقش و نگاری تھی، چھت پر بڑے بڑے قدیم فانوس لٹک رہے تھے، لیکن مسجد میں ہلکا ہلکا اندھیرا سا تھا، چھت تک سر اٹھا کر دیکھا نہیں جا رہا تھا، فرش پر بھی قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کے بائیں جانب راستہ تھا، ہم اس طرف گئے تو وہاں سے سیڑھیاں اوپر کی طرف جا رہی تھی، سیڑھیاں بھی پتھر کی بنی ہوئی تھی، ہم یہاں سے اوپر چڑھتے گئے سامنے وسیع و عریض برآمدے تھے، دیواریں بھی اونچی اونچی تھی، مسجد کے صحن میں داخل ہوتے ہی سامنے چار دروازوں پر لگا بڑی دو نیلے رنگ کے دروازے دائیں اور بائیں جانب تھے، جن پر تالے تھے، گائیڈ نے بتایا کہ یہ چار مسالک کے مدارس تھے، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ، صحن کے درمیان میں فوارہ تھا، جس کے ارد گرد وضو کی جگہ بنی ہوئی تھی، صحن سے گزرتے ہوئے ہم برآمدے میں آ گئے، یہاں نماز کے لئے قالینیں بچھی ہوئی تھی، ہم نے یہاں نماز ظہر ادا کی، اسی کے سامنے بڑے سے جالی دار دروازے پر تالا تھا، گائیڈ نے بتایا کہ یہ شیخ سلطان کا مقبرہ ہے لیکن اس وقت بند ہے، ہم یہاں سے واپس نکلنے لگے، لمبے لمبے برآمدوں اور ٹیڑھے میڑھے راستوں سے ہوتے ہوئے ہم دروازے تک پہنچے، لمبی راہداری سے گزرتے ہوئے ہم نے اندر جانے والی گلیاں بھی دیکھی جن میں بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے تھے۔ لیکن سب میں تالے لگے ہوئے تھے۔ یہ مسجد بھی پورے شہر جتنی تھی۔ باہر کی سیڑھیاں اتر کر ہم سیدھا چلتے ہوئے دوسری جانب کی سیڑھیاں چڑھ گئے، جب ہم مسجد السلطان میں داخل ہو رہے تھے تو ایک شخص نے ہمارے پاس آ کر پوچھا: "انتم من ساؤتھ افریقہ؟" "کیا آپ ساؤتھ افریقہ سے آئے ہیں، ہم نے کہا، نہیں، پاکستان! اس کے ہاتھ میں مسجد السلطان کی تصویریں تھی، جو وہ بیچ رہا تھا، اس نے کہا، خرید لو کام آئے گی، ہم نے کہا، اندر سے ہو کر آ جائیں، پھر دیکھیں گے، ہم اندر سے اتنی دیر لگا کر جب لوٹے تو وہ پھر تصویریں لے کر آیا کہ اب تو خرید لو، بھائی نے کہا، یہ سب ہم اندر دیکھ آئے ہیں، لے کر کیا کریں گے، اس نے کہا، وہاں لوگوں کو دکھانا، بھائی نے کہا، میں نے موبائل اور کیمرے میں سب لے لی ہیں، وہ غصے سے بولا، واہ واہ! پاکستانیوں! ہائے پاکستانیوں!! ہم ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے، اتنے میں ایک دوسرا بائع کوئی چیز لے کر ہمارے قریب آیا تو اس نے پیچھے سے آواز لگائی، انہیں چھوڑ دو، یہ پاکستانی ہیں، کچھ نہیں خریدیں گے۔

...............(جاری ہے)...............

نیشنل بک فاؤنڈیشن سے سند یافتہ

حمزہ بہادر

زلزلہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے پس منظر میں لکھی جانے والی پہلی کہانی

قسط نمبر 3

پروفیسر خیال آفاقی

"بڑا ہی بدبخت آدمی تھا۔" فرید کے منہ سے نکلا اور خرم نے برجستہ کہا۔

"تم بھی اس کی جگہ ہوتے تو ایسا ہی کرتے۔"

"نہیں خرم، فرید بھائی کو ایسا مت سمجھو۔" یہ تو دوسروں کے لئے اپنا حصہ بھی قربان کر ڈالتے ہیں۔" مرجان نے ٹوکا۔ "تم نے دیکھا نہیں تھا کل لیٹ لائن میں سر آغا گل نے ان پر جو جرمانہ کیا تھا، وہ بھی انہوں نے مجھ سے دلوایا تھا۔"

"یار کیوں طعنہ دیتے ہو، لے لینا اپنا ایک روپیہ، میں مرا نہیں جا رہا۔" فرید روانی میں کہہ گیا۔ "یہاں سے باہر نکل جائیں، پھر میں تمہیں ڈبل دے دوں گا۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے فرید بھائی!" حمزہ نے کہا۔ "باہر جا کر تو میں تم کو پارٹی دوں گا ان شاء اللہ، چائنز کورن سوپ کے بڑے بڑے پیالے۔"

"بلکہ فرید بھائی کو تو ڈبل ہونا چاہئے، کیونکہ وہ ہیں بھی ڈبل۔"

مرجان نے بڑی دیر کے بعد مذاق میں حصہ لیا تھا۔ خرم نے بھی دلچسپی کا اظہار کیا مگر فرید بدستور سنجیدہ رہا اور گلریز بھی بالکل چپ رہا۔ "اچھا مرجان اب تمہاری باری ہے۔" حمزہ نے یاد دلایا۔ "وہ نظم ہو جائے!"

"دل تو نہیں کر رہا مگر، تم کہتے ہو تو کوشش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جیسے کچھ سوچنے لگا۔

"اب آپ کے سامنے نویں جماعت کے مرجان علی، نظم پیش کرنے آ رہے ہیں۔"

یکایک اس کے سامنے سالانہ جلسے کا منظر گھوم گیا۔ اسٹیج سیکریٹری حمزہ اعلان کر رہا ہے۔ "نظم کا عنوان ہے، جگنو اور ستارا"

اور مرجان جیسے خیال ہی خیال میں ڈائس پر مائیکروفون کے سامنے کھڑا بہت خوبصورت دھن میں نظم سنانے لگا۔

اک ننھا سا جگنو تھا ہر اِک آنکھ کا تارا
آزاد پھرا کرتا تھا جنگل میں دُلارا
ایک رات یونہی اُڑتا اُڑتا ہوا آیا
دیکھا کہ ہے اک چھوٹی سی ندی کا کنارا
پانی میں پڑا عکس جو اپنا تو وہ بولا
کیا خوب بنا کر مجھے خالق نے سنوارا
پھر دیکھا کہ پانی میں ہے اِک اور بھی جگنو

معلوم ہوا جگنو نہیں، وہ ہے ستارا
جگنو نے ستارے سے کہا اس میں نہیں شک
مجھ سے زیادہ ہے ترے نور کی دھارا
تو اُڑتا نہیں پھر بھی چمک تجھ میں ہے اتنی
میں اُڑتا ہوں تب جا کے کہیں لگتا ہوں پیارا
جگنو کی سنی بات ستارے نے تو بولا
دِل چھوٹا نہ کر تو اے مرے بھائی خدارا
میں اپنے فلک پر ہوں کسی شمع کی مانند
تو اپنی زمیں پر نظر آتا ہے شرارا
میرا بھی وطن رات ہے، تیرا بھی وطن رات
دن ہم کو گوارا ہے نہ ہم دن کو گوارا
میں بھی ہوں ضیاء پاش تو تُو بھی ہے ضیاء پوش
میں چاند فلک کا تو زمیں کا ہے ستارا
ہم دونوں ہی دنیا کی نظر میں دلارے
آنکھوں کو بھلا لگتا ہے دونوں کا نظارا
جگنو ہو ستارا ہو، اُجالا کہ اندھیرا
ہر چیز میں پوشیدہ ہے قدرت کا اشارا
بچے ہوں، بڑے ہوں کہ وہ مفلس ہوں کہ نادار
کرتے ہیں سبھی شوق سے دیدار ہمارا
بھٹکے ہوئے پنچھی کو دکھاتا ہے تو رستہ
چلتے ہیں جو راتوں کو میں ان کا ہوں سہارا
اللہ کی مخلوق کے کام آتے ہیں دونوں
اس واسطے روشن ہے یہاں نام ہمارا
ورنہ تو نہ تجھ میں ہے چمک اور نہ مجھ میں
خدمت کے صلے میں ہی اُجالا ہے یہ سارا
"اوروں کے اگر کام نہ آئیں تو جہاں میں
یہ چاند یہ سورج نہ یہ جگنو نہ ستارا"
یہ بات ابھی ختم ہوئی تھی کہ اچانک
جنگل کے اندھیروں سے کسی نے یہ پکارا
"اک بھٹکے مسافر کو کوئی راہ دکھا دے
اس گھور اندھیرے میں نہیں میرا گزارا"
سنتے ہی یہ آواز اُڑا زور سے جگنو
لگتا تھا کہ شعلہ ہے یا اُڑتا ہوا پارا
یا جیسے ستارہ اُتر آیا ہو زمیں پر
یا نوری فرشتے کو خدا نے ہو اُتارا
اک آن میں جا پہنچا وہ ننھا سا پرندہ
اُس کھو میں گھرا تھا کہ جہاں کوئی بچارا
دیکھا تو وہاں دور تلک کوئی نہیں تھا
جگنو ہوا حیران کہ پھر کس نے پکارا
سوچا کہ اسی گھور اندھیرے میں تڑپ کر
مر ہی نہ گیا ہو کہیں تقدیر کا مارا
اتنے میں صدا آئی "نہ حیران ہو جگنو
کوئی بھی نہ تھا صرف ترا وہم تھا سارا
اوروں کی بھلائی کا تجھے شوق ہے کتنا
یہ دیکھنا مقصد تھا مگر تو نہیں ہارا
تو سوچ رہا ہوگا کہ میں کون ہوں اے دوست
میں غیر نہیں تیرا ہی ہمزاد ہوں یارا"
یہ ہے وہ کہانی کہ جسے سن کے بھی کوئی
گر بنتا نہیں ہے کسی بے کس کا سہارا
اس شخص کو انسان سمجھنا ہی غلط ہے
پتھر پہ نہیں چلتا کسی بات کا آرا
جو لوگوں کے کام آئے وہی شخص ہے جگنو
اقبالؒ اسے کہتے ہیں ملت کا ستارا

جیسے ہی نظم ختم ہوئی حمزہ کے ساتھ ہی دوسرے لڑکوں نے بھی تالیاں بجا کر اس کے فن کی تعریف کی، ایسا لگتا تھا جیسے وہ سب اس وقت اسکول کے سالانہ جلسے میں بیٹھے ہیں۔

☆......☆......☆

اب حمزہ کے دل میں ذرا سی بھی مایوسی نہیں تھی، اسے پورا یقین تھا کہ لوگ ضرور انہیں یہاں سے نکالنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہوں گے، لیکن اسے اس بات کا بھی خیال تھا کہ اگر زیادہ دیر ہوئی تو بھوک پیاس اور

خوف کی وجہ سے بچے کھچے لڑکے بھی جان کھو دیں گے۔ آخر کب تک اس مشکل کو برداشت کریں گے۔ یہی سوچ کر وہ بے چین سا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا، غار جیسی جگہ اسے قبر کی طرح نظر آئی۔

"تو کیا ہم اسی طرح، لوگوں کا انتظار کرتے کرتے مر جائیں گے؟ یہیں زندہ دفن ہو جائیں گے؟ اوہ! کیا گزرے گی ہمارے ماں باپ پر، جب وہ ہمیں مردہ حالت میں دیکھیں گے!......اور پھر کیا خبر جب تک ہماری مدد کے لئے کوئی یہاں پہنچے گا، ہماری لاشیں بھی خراب ہو چکی ہوں گی، زندہ تو پھر کچھ دن بغیر کھائے پیئے رہ سکتا ہے، مرنے کے بعد لاش کہاں انتظار کرتی ہے، دو دن کے بعد ہی سڑنے گلنے لگتی ہے۔" یکایک اسے اپنی مانو یاد آ گئی، کتے نے غریب کو مار ڈالا تھا، وہ اس کے غم میں خوب رویا تھا، اس کی لاش کو باقاعدہ زمین میں دفن کیا تھا، رات کو بھی اسے یاد کر کے روتا رہا تھا، صبح ہوتے ہی وہ پہاڑی کے دامن میں جا پہنچا، جہاں مانو کی قبر تھی، وہ قریب پہنچا تھا کہ بدبو آنی شروع ہو گئی، دیکھا تو مانو کی لاش کو کسی جنگلی جانور نے کھود کر چیر پھاڑ ڈالا تھا، تھوڑا بہت جو حصہ بچ گیا تھا اس میں سے بدبو پھوٹ رہی تھی۔

"یا اللہ، کیا ہم بھی بلی کی طرح گل سڑ جائیں گے؟" اس نے بے قراری سے سوچا اور آنکھیں بند کر کے اللہ سے فریاد کرنے لگا:

"اے اللہ! تو ہمارا یہ حال نہ کرنا، ہمیں اس مصیبت سے نکال دے مولا! تیرے یہاں کوئی دیر نہیں ہے، تو چاہے تو ہزار طریقوں سے ہمیں بچا سکتا ہے۔" اس وقت اسے اللہ کے ایک پیغمبر یاد آ گئے تھے، جنہیں ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا، پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کئی دن اور کئی راتیں اس مچھلی کے گھپ اندھیرے پیٹ میں زندہ رہے اور اللہ سے دعا کرتے رہے تو اللہ نے ان کی مدد کی اور مچھلی نے انہیں زندہ سلامت اگل دیا۔

اس واقعہ کی یاد نے حمزہ کو مایوس ہونے سے بچا لیا۔ اس کے اندر جیسے پھر سے طاقت و توانائی پیدا ہو گئی، اسے وہ کلمات بھی یاد تھے، جو حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں پڑھتے رہے تھے۔ فوراً اس نے بھی دل ہی دل میں پڑھنا شروع کر دیا۔

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

وہ سب کچھ بھلا کر انہی پاکیزہ کلمات کا ورد کرنے میں کھو گیا۔ اب اُس کے دل سے مایوسی اور ہر طرح کے خوف کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

کمرے کی تباہ شدہ عمارت کے کونے میں جو تھوڑی بہت روشنی تھی، وہ بھی دھیرے دھیرے ختم ہو چلی تھی، حمزہ اور اس کے چاروں ساتھی اندھیرے اور خاموشی میں ڈوبے ہوئے تھے، وہ اپنی اپنی جگہ کیا سوچ رہے تھے، ایک دوسرا اس سے ناواقف تھا، لیکن یہ ضرور جانتے تھے کہ وہ سب اپنے ماں باپ کو لازمی یاد کر رہے ہوں گے۔ حمزہ بھی اس وقت اپنے بابا اور امی کے لئے پریشان تھا، خصوصاً اسے اپنے بابا کی فکر تھی کہ وہ اسی اسکول کی عمارت میں اپنے کمرے میں تھے، اللہ ان کی حفاظت کرے، وہ کہیں ہماری طرح مشکل کا شکار نہ ہو گئے ہوں اور خدانخواستہ......" اس خیال کے آتے ہی اس کا جی بھر آیا۔

پھر اسے امی کی یاد آئی، انہیں جب پتا چلا ہوگا کہ اسکول کی عمارت گر گئی ہے اور میرا اور بابا کا انہیں علم ہوا ہوگا کہ ہم یہاں اس مشکل میں پھنس گئے ہیں تو ان پر کیا گزر رہی ہوگی۔ وہ نہ جانے کس کس سے مدد کے لئے کہہ رہی ہوں گی۔

"یا اللہ، اس مشکل کو آسان فرما دے۔" اس کے دل سے نکلا اور اسی وقت گلریز کی آواز سنائی دی۔

"حمزہ بھائی، ابھی تک ہماری مدد کو کوئی نہیں آیا۔"

"آئے گا، ان شاء اللہ آئے گا!" اس نے کہا اور وہ پھر اپنے ساتھیوں کو عصر کی نماز کے لئے تیار کرنے لگا۔ سب لڑکوں نے بغیر زیادہ بات چیت کئے ایک بار پھر اس کی امامت میں پہلے کی طرح نماز ادا کی اور اس بار اس نے جب دعا کرائی تو آمین کہتے وقت اس کے ساتھیوں کی آواز میں جان محسوس نہیں ہوئی۔ بلکہ اب ان کی ہچکیاں اور سسکیاں بھی بے جان سی لگ رہی تھیں۔

ایک بار پھر ان اندھیرے میں ڈوبے ہوئے مصیبت زدہ طالب علموں پر خاموشی چھا گئی۔ کافی دیر تک کوئی کچھ نہ بولا۔ بولتا بھی کیا۔ نہ اندر کوئی تبدیلی تھی نہ باہر کوئی فرق پڑ رہا تھا۔ کبھی کبھار البتہ لوگوں کے بولنے کی بھنبھناہٹ سی سنائی دے جاتی تھی، جس سے ایک امید بندھنے لگی تھی کہ شاید انہیں اس کھنڈر میں سے نکالنے کے لئے لوگ آگئے ہیں، مگر پھر جب کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی ان کی حالت میں کوئی فرق نہ پڑتا تو وہ پھر مایوس ہو جاتے۔ اس وقت بھی وہ اسی مایوسی کے عالم میں اونگھنے لگے تھے۔

اس عرصہ میں حمزہ نے انہیں کئی حکایات اور روایات سنائیں، جس میں ایک روایت یہ بھی تھی کہ ایک بار تین چار نیک بندے ایک غار میں پھنس گئے تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی نیکیوں کا واسطہ دے کر دعا مانگی، ایک نے کہا: اے اللہ! میں نے فلاں نیکی کی تھی تو اس کے صدقے ہماری مشکل آسان کردے، تو غار جس کا منہ بند ہو گیا تھا، اس پر سے بھاری پتھر تھوڑا سا کھسک گیا، دوسرے نے بھی اسی طرح اپنے کسی گزشتہ نیک عمل کا واسطہ دیا تو غار کے منہ سے تھوڑا سا پتھر اور ہٹ گیا، پھر تیسرے شخص نے بھی ایسا ہی کیا اور غار کا منہ بالکل کھل گیا اور وہ اس مشکل سے باہر نکل آئے۔

حمزہ کی ان باتوں کا اس کے ساتھیوں پر کیا اثر ہوا، وہ نہیں دیکھ سکا، کیونکہ جس غار میں اس وقت وہ بند تھے، اس وقت وہ بالکل تاریک ہو چکا تھا۔

"میرا خیال ہے روزے کا وقت ہو گیا ہے۔" حمزہ نے اندازہ لگایا اور گریز پھوٹ کر رو پڑا، دوسرے لڑکوں کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ ان کی آنکھوں میں اپنے اپنے گھر کا منظر گھومنے لگا، ابھی کل ہی کی بات ہے کہ کس طرح خوشی خوشی انہوں نے اپنے اپنے گھر میں ماں باپ اور بھائی بہنوں کے ساتھ بیٹھ کر روز افطار کیا تھا، حمزہ بھی پتھر کا نہیں تھا، اس کی آنکھیں بھی بھر آئیں، مگر اندھیرے نے اس کا پردہ رکھ لیا۔

"صبر سے کام لو دوستو! صبر کرو۔" اس نے ان کی ڈھارس بندھائی، پھر کہنے لگا۔ "میرا اندازہ ہے روزہ مکمل ہو چکا ہوگا اور ہم نے افطار نہ کیا تو مکروہ ہو جائے گا۔"

وہ کہنے کو تو کہہ گیا مگر آپ ہی آپ شرمندہ سا بھی ہو گیا، اس وقت ان کے پاس تھا کیا، جس سے وہ روزہ افطار کرتے۔

یکایک اس کے دل میں ایک عجیب و غریب خیال پیدا ہوا، اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا:

"ساتھیو! روزہ تو ہمیں ضرور افطار کرنا ہوگا اور اس کے لئے ایسا کرو کہ سورۃ الکوثر یا جو بھی سورۃ آتی ہو پڑھ کر اپنی انگشت شہادت یعنی کلمے کی انگلی پر دم کرو اور افطار کی دعا پڑھ کر منہ میں رکھ لو۔"

کوئی اور موقع ہوتا تو سب لڑکے یا اور جو بھی سنتا اس کا بڑا مذاق اڑاتا، بلکہ معلوم نہیں اسے کیا کیا کہا جاتا، لیکن اس وقت وہ جس حالت میں تھے، چاہے نماز ہو کہ روزہ، سب کے لئے جتنا بھی عجیب اور انوکھا انداز اختیار کر سکتے تھے، کم تھا۔

"یار تم یہ سچ مچ کہہ رہے ہو حمزہ؟" اندھیرے میں فرید کی آواز اس طرح ابھری تھی جیسے کوئی مریض

بولتا ہے۔

"ہاں حمزہ بھائی، کیا یہ کوئی مسئلہ ہے؟" اس بار مرجان نے پوچھا تھا۔

"میرا خیال ہے دوستو! یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے، بس میرے دل میں اس وقت یہی بات آئی تھی تو میں نے تم سے کہہ دی، میں تو اسی طرح روزہ افطار کرنے لگا ہوں۔"

"بس تو ٹھیک ہے، ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔" خرم نے حمزہ کے مشورے بلکہ "فتوے" پر عمل کرنے کا اعلان کیا اور منہ ہی منہ میں جو کچھ کلام الٰہی آتا تھا، پڑھنے لگا۔

حمزہ نے پہلے درود پاک پڑھا، پھر سورۃ کوثر کی تلاوت کی اور پھر تین بارہ سورۃ اخلاص یعنی قل ھو اللہ احد اور ایک بار سورۃ فاتحہ پڑھ کر انگشت شہادت پر دم کیا اور پھر روزہ کھولنے کی دعا پڑھ کر انگلی کو منہ میں رکھ لیا، اس کے سب ساتھیوں نے بھی باری باری ایسا ہی کیا اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے ساتھ ہی سب کو ایسا لگا، گویا انہوں نے کسی میٹھی اور لذیذ چیز سے روزہ کھولا ہو، ایک عجیب سی تسلی ہو گئی تھی سب کو، بلکہ حیرت ناک طور پر سب نے محسوس کیا تھا کہ بھوک اور پیاس کی شدت کم ہو گئی ہے، اسی لئے وہ اندھیرے میں بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمزہ کو دیکھنے اور اسے خراج تحسین پیش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

روزہ "افطار" کرنے کے بعد حمزہ بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر اذان دینے لگا۔ تکبیر کے لئے اس بار اس نے خرم سے کہا تھا۔ اب پھر پہلے کی طرح وہ باجماعت نماز ادا کر رہے تھے۔

حمزہ نے پہلی رکعت میں وہی صبح والی سورۃ القارعہ تلاوت کی جو اس نے اسمبلی میں پڑھی تھی اور دوسری رکعت میں سورۃ کوثر تلاوت کی اور یوں ایک ہی دن میں حمزہ اور اس کے ساتھیوں کو روزہ کھولنے اور نماز باجماعت ادا کرنے کا نیا اور انوکھا تجربہ پیش آیا تھا۔

☆......☆......☆

اب پھر وہی عالم تھا، سب اندھیرے میں ڈوبے ہوئے اور سب اپنی اپنی جگہ خاموش تھے، ان کے پاس بولنے کو رہ بھی کیا گیا تھا، اگر کچھ کر سکتے تھے تو یہی کہ سوچتے رہیں اور سوچنے کے لئے بھی ان کے پاس سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ "ہمارا کیا ہوگا؟ ہم یہاں سے نکل بھی سکیں گے کہ نہیں اور ہمارے ماں باپ کہاں ہوں گے، کس حال میں ہوں گے، کیا کر رہے ہوں گے۔" یا اس کے علاوہ بھی کوئی سوچ تھی تو یہ کہ ہم کب تک زندہ رہ سکیں گے۔"

حمزہ کو نہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھی کیا کچھ سوچ رہے ہیں، جاگ رہے ہیں یا سو چکے ہیں، مایوس ہو چکے ہیں یا اسی حال میں رہنے کے عادی بن چکے ہیں، لیکن وہ اب بھی پر امید تھا، اس وقت بھی وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں "یا سلام" کا ورد کر رہا تھا، اس کی ماں نے اسے سکھایا تھا کہ حادثے اور خوف سے بچنے کے لئے "یا سلام" کا ورد کرنا چاہئے۔

"حمزہ بھائی!" یکایک گریز نے اسے پکارا۔

"ہاں بولو!"

"لگتا ہے باہر سے پھر آوازیں آ رہی ہیں!"

"ہاں، شاید، ہماری مدد کو لوگ آگئے ہیں۔" فرید کی آواز میں اچانک خوشی نے زور پیدا کر دیا تھا۔ "میرا خیال ہے ہمیں انہیں پکارنا چاہئے۔"

"فرید بھائی، پلیز ذرا سننے تو دو!" خرم نے ٹوکا۔

"ہاں، پلیز، اب کچھ دیر کوئی نہ بولے۔" مرجان نے آہستہ سے کہا اور سب ساتھیوں نے سانس روک کر باہر کی آوازوں پر کان لگا دیئے۔

حمزہ نے محسوس کیا، دھماکے سے ہو رہے ہیں، لگ رہا تھا، لوگ ملبہ ہٹانے کا کام کر رہے ہیں۔

"لوگو! ہم یہاں ہیں، ہم یہاں ہیں، ہمیں نکالو، ہمیں نکالو!" فرید اپنی طاقت جمع کر کے پکارنے لگا۔

"ٹھہرو فرید بھائی، ایسے نہیں!" حمزہ نے اسے روکا اور پوری قوت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا، جواب میں لڑکوں نے اس سے بھی زوردار انداز میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

کچھ دیر کے لئے ایسا لگا جیسے مردے زندہ ہو گئے ہوں، مگر بھوکے پیاسے اور پریشانی سے نڈھال کب تک زور دکھاتے، آخر تھک ہار کر پھر چپ ہو گئے۔

"بس اب امید رکھو، ان شاء اللہ جلدی ہم اس مصیبت سے نکل جائیں گے۔" حمزہ نے انہیں پرامید رہنے کی تلقین کی اور خود "یا اللہ مدد یا سلام یا سلام" کی تسبیح پڑھنے لگا۔ کافی دیر تک باہر سے مختلف قسم کی آوازیں آتی رہیں، لیکن کوئی ایسی صورت حال نظر نہیں آئی جو ان کی رہائی کا سبب بنتی، پھر بھی وہ اس انتظار میں رہے کہ وہ وقت کب آتا ہے جب انہیں یہاں سے نکالا جائے گا، اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ انہیں کیسے نکالا جائے گا۔ انتظار طویل سے طویل ہوتا چلا گیا اور لڑکے ایسے چپ ہوئے کہ پھر کچھ نہیں بولے۔ نہیں معلوم کتنی رات بیت گئی۔ حمزہ نے محسوس کیا، اس کے سب ساتھی اونگھ گئے ہیں بلکہ جب گھنٹوں گزر گئے اور لڑکوں میں سے کسی کی بھی آواز سنائی نہیں دی تو اس نے سمجھ لیا کہ وہ گہری نیند سو چکے ہیں، اس نے محسوس کیا، گلریز اس کے برابر گٹھری بنا پڑا تھا، تب اس نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے عشا کے چار فرض ادا کئے اور دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

حمزہ "یا سلام" کا ورد کر رہا تھا، یکا یک اسے محسوس ہوا کہ اس کے سامنے سے ٹوٹی ہوئی دیوار کا ملبہ پیچھے کی طرف سمٹ رہا ہے، جیسے کوئی بھاری مشین کے ذریعے اپنی طرف کھینچ رہا ہو، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارا ملبہ سامنے سے ہٹ گیا اور باہر سے ایک تیز روشنی اندر داخل ہوئی، حمزہ کی آنکھوں میں خوشی کے چراغ سے جل اٹھے۔ کیونکہ اب اسے باہر کا منظر صاف نظر آنے لگا تھا۔

"یا اللہ تیرا شکر" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور ابھی وہ خوش ہو کر دوسرے ساتھیوں کو پکارنا چاہتا تھا کہ اپنے بابا کو دیکھ کر چونک سا گیا جو روشنی کے ساتھ اس کی طرف آ رہے تھے۔

"بابا!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گیا، اس سے جذبات پر قابو نہ ہو سکا اور پھوٹ کر رو دیا۔

"ارے ارے نہیں بیٹا نہیں، اللہ کا شکر ادا کرو، اس نے تمہیں بچا لیا ہے، آؤ چلیں تمہاری امی تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" باپ نے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن بابا! یہ میرے ساتھی، ان کے بابا کہاں ہیں؟"

"تم ان کی فکر نہ کرو، ان کے والد اور سرپرست بھی آنے والے ہیں، تم اس وقت جلدی سے میرے ساتھ چلو!"

اس کے بابا اسے بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف لئے چلے گئے۔ پھر اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ پلک جھپکتے ہی وہ ان کے ساتھ اس کھنڈر سے باہر نکل آیا تھا، لیکن یہ دیکھ کر اسے اور بھی حیرت ہوئی کہ باہر کا سارا ماحول بدل چکا تھا، دور تک کوئی مکان تھا اور نہ عمارت تھی، بلکہ ان کی جگہ سبزہ ہی پھیلا ہوا تھا یا پھر درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آ رہے تھے، جن کی شاخیں ان کے درمیان بہنے والی نہر کے صاف اور ستھرے پانی میں جھکی ہوئی تھیں، ہرے بھرے درختوں پر رنگین چمکدار پروں والے خوبصورت پرندے بیٹھے، میٹھی میٹھی آوازیں نکال رہے تھے، چاروں طرف

رنگ رنگ کے پھول کھلے ہوئے تھے جن سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

"بابا، یہ سب کیا ہے؟ ہم کہاں آ گئے؟" اس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"یہ اللہ کی دین ہے بیٹا، اس کا کرم ہے، تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ اللہ نے تمہارے ماں باپ کو کیسی نعمتوں سے نوازا... یہ جگہ..."

وہ ابھی اپنی بات مکمل نہیں کر پائے تھے کہ یکا یک ایک طرف سے حمزہ کی امی آئیں اور اسے اپنی بانہوں میں لے کر بے تحاشا پیار کرنے لگیں۔

"امی، آپ لوگ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟ وہ ہمارا گھر، اسکول اور وہ بستی کہاں گئی؟"

"وہ تو سب عارضی چیزیں تھیں بیٹا، فنا ہو گئیں، اب یہ دیکھو، کیسی اچھی جگہ ہے، تمہیں پسند آئی؟ اور وہ سامنے جو محل نظر آ رہا ہے نا، وہ ہمارا ہے، اب ہم اس میں رہا کریں گے۔" اس کی ماں نے کہا اور وہ حیران ہونے لگا۔

اس نے نظر دوڑا کر دیکھا، واقعی کچھ ہی فاصلے پر ایک عالی شان محل نظر آ رہا تھا، اس نے غور کیا، اس کے بابا اور امی کے لباس بھی بڑے عجیب سے نظر آ رہے تھے، وہ بالکل بادشاہوں کا سا لباس پہنے ہوئے تھے، بلکہ ایسا لباس تو اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔

"بابا! کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟" وہ حیران ہو کر بولا۔

"نہیں بیٹا، خواب یہ نہیں، خواب تو وہ ہے جس دنیا میں ہم رہتے تھے، یہ تو حقیقت ہے، اصل زندگی یہی ہے، بیٹا، یہاں نہ زلزلے آتے ہیں، نہ طوفان آتے ہیں، بڑی پرامن اور خوبصورت دنیا ہے یہ......"

"واقعی بابا! یہاں تو کوئی شور ہنگامہ بھی نہیں ہے، ایسی صاف ہوا، ایسا شیشے جیسا پانی اور ایسا موسم تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔" اس نے اپنے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلئے بابا مجھے اس محل میں لے چلئے، میں اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی نہیں بیٹا، اس کا دروازہ ابھی بند ہے، کچھ دن کے بعد کھلے گا، اس وقت جب تم بڑے ہو جاؤ گے اور وہ سارے اچھے اچھے کام ختم کر لو گے جو تمہیں ابھی کرنے ہیں، ہم تمہارا انتظار کریں گے، اچھا اب تم جاؤ، تمہیں اسکول بھی جانا ہے، خدا حافظ۔"

"نہیں نہیں بابا، نہیں امی، میں یہاں سے نہیں جانا چاہتا، میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"جانا پڑے گا بیٹا، ابھی کچھ عرصہ اور تمہیں وہیں رہنا ہے، پھر اس کے بعد......"

"مگر آپ تو......؟"

"لیکن بابا......"

"بیٹا! اس وقت تمہیں یہاں لانے کا ہمارا مقصد یہ تھا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ ہم کیسے مزے میں ہیں یہاں، دیکھ لیا نا تم نے!؟"

"وہ تو ٹھیک ہے بابا لیکن......"

"جاؤ بیٹا، دیر نہ کرو، اللہ کے حوالے۔"

"بابا......امی!......بابا... بابا!"

وہ چلاتا رہا، پھر اسے ایسا لگا جیسے اس کے ماں باپ بادلوں میں چھپتے جا رہے ہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے، بادلوں نے اس کے امی بابا کو اس کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا، پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں "بابا! امی" کی رٹ لگا رہا تھا، اس نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا، اسے بہت جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ خواب تھا جو وہ ابھی دیکھ رہا تھا، مگر ابھی تک حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"عجیب خواب تھا یہ! اس سے پہلے کبھی اس نے ایسا خواب نہیں دیکھا تھا، البتہ اس نے ایسے منظر کتابوں میں ضرور پڑھے تھے، تو وہ جنت تھی جو اس

نے خواب میں دیکھی اور......؟" اس سے آگے وہ ذرا بھی نہ سوچ سکا، اس کا سارا جسم کانپ کر رہ گیا۔ "کیا اس کی امی اور بابا......؟" نہیں نہیں، خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔" اس نے اپنے دل کو سمجھایا اور پھر نہ جانے کیوں اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کرلیں، لیکن بڑی دیر تک اسی حالت میں بیٹھے رہنے کے باوجود اسے نیند نہ آسکی، وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے؟ لیکن جلد ہی بیچ بیچ اس کی پھر آنکھ لگ گئی۔

☆......☆......☆

وہ نہیں معلوم خود جاگا تھا یا کسی وجہ سے اس کی نیند اچاٹ ہوگئی تھی، اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی، اس کے ساتھی غالباً ابھی تک نیند میں کھوئے ہوئے تھے، باہر سے اب بھی ہلکی ہلکی سی آوازیں اس تک پہنچ رہی تھیں۔ اس نے دوبارہ دیوار سے کمر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے چونک کر اٹھ گیا۔ اس کے پاؤں پر پڑنے والی پانی کی ٹھنڈی بوند نے اسے حیرت میں ڈال دیا۔ پھر اسے یہ اندازہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ باہر بارش شروع ہوگئی ہے۔ اپنے بدن کے حصے پر پانی محسوس کرتے ہی یکایک اس کی پیاس بھڑک اٹھی۔ وہ اندازے سے آگے کھسکا اور ہتھیلی کا پیالہ بنا کر اس جگہ کر دیا جہاں بوند گر رہی تھی، کچھ ہی دیر بعد جب ہتھیلی میں تھوڑا سا پانی جمع ہوگیا تو بے تحاشا اپنا ہاتھ اپنے منہ کی طرف لے گیا، مگر ہونٹوں تک لا کر رک گیا۔

"یہ انصاف اور ایمانداری کے خلاف ہے۔" اس نے یکایک سوچا۔ "اس کے دوسرے ساتھی بھی تو پیاسے ہیں۔"

"گلریز!" اس نے اپنے پڑوسی لڑکے کو پکارا

"ہاں......ہاں......" گلریز چونک کر اٹھ بیٹھا۔

"گھبراؤ مت!" حمزہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ "منہ کھولو، یہ لو پانی!"

"پانی!" گلریز کی آواز میں حیرت اور بے یقینی بھری ہوئی تھی۔ مگر حمزہ اندازے سے اپنا ہاتھ اس کے ہونٹوں تک لے جا چکا تھا۔

"یہ لو!" اس نے ہتھیلی میں موجود گھونٹ بھر پانی اس کے منہ میں انڈیل دیا۔ گلریز اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا، اس کی گیلی ہتھیلی بڑی غنیمت لگ رہی تھی۔

"حمزہ بھائی، یہ پانی، کہاں سے آیا، تمہارے پاس!؟" اچانک اس نے پوچھا۔

"بارش ہو رہی ہے۔" حمزہ نے بتایا...... "یہ دیکھو، اپنا ہاتھ ادھر لاؤ۔" اس نے گلریز کا ہاتھ پکڑ کر اس جگہ کر دیا جہاں پانی کی بوند مسلسل ٹپک رہی تھی، گلریز آگے کھسکا اور اپنا چہرہ اٹھا کر بوند کی سیدھ میں کر دیا، اس نے منہ کھول دیا، خشک حلق میں پانی کی بوند اسے پھر سے زندہ کرنے لگی۔

حمزہ کی پیاس آخری حدوں کو چھو رہی تھی، مگر اس نے گلریز کو نہیں روکا اور اسے اپنی پیاس بجھانے دی۔

اسی دوران اس نے محسوس کیا کہ کچھ اور جگہوں پر بھی پانی ٹپک رہا ہے، جس کے چھینٹے اڑ اڑ کر اس تک پہنچنے لگے تھے، اس نے اندھوں کی طرح اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر بوندوں کی جگہ تلاش کی اور دونوں ہتھیلیوں میں پانی جمع کرلیا مگر اپنے ہونٹوں تک لانے سے پہلے اسے تاریخ اسلام کی وہ روایت یاد آگئی کہ کس طرح میدان جہاد میں زخمی مجاہدین نے شدید پیاس کے باوجود، پانی کا پیالہ اپنے دوسرے زخمی بھائی کو پیش کر دیا تھا، انہوں نے پیاسا رہ کر شہادت قبول کرلی لیکن یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ خود پانی پی لیتے اور ان کے دوسرے بھائی پیاسے رہتے۔

......(جاری ہے)......



اقرا صدیقہ





ہزار اشک ندامت قدم قدم پہ گرے
سفر میں ساتھ اسی رخت بے بہانے دیا

اس نے دریا میں کنکر پھینکا اور دور دور پھیلتی لہروں کو غور سے دیکھنے لگا، وہ بے چینی اور بے اطمینانی سے محسوس کر رہا تھا، نئے زمانے، نئی منزل اور نئی روشن راہوں نے اس کو بھٹکا دیا تھا، اس کے بہنے والے آنسو پچھتاوے اور شرمندگی کے غمازی تھے۔ اس نے ہمیشہ اپنی ظاہری عزت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے گناہوں کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تھی، وہ برائی کے افشا ہونے سے ڈرتا تھا لیکن آخر کب تک وہ لوگوں کی نظروں سے چھپ سکتا تھا، سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ ظاہری ایمان کا دعویٰ کرنے والا باطنی طور پر کیسا ہے، وہ سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن تھا، مناظر ایک ایک کر کے ذہن کی اسکرین پر نمودار ہونے لگے۔

☆......☆......☆

ٹھہریے......! ایک نامانوس سی آواز نے ہادی کے چلتے قدم کو روک دیا، اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک دم سے ٹھٹک کر رہ گیا، ایک نقاب پوش پسٹل اس کی طرف تانے کھڑا تھا، وہ اس کو دوسری طرف چلنے کو کہہ رہا تھا۔

سڑک کافی سنسان تھی، نقاب پوش کی قہر آلود آواز سن کر ہادی بڑھتی ہوئی سردی بھول گیا، اسے جسم میں گرمی اور حبس سا محسوس ہو رہا تھا، وہ اس انجان نقاب پوش کے ساتھ ہولیا، اچانک اس کے سر پر زوردار ڈنڈا پڑا، اس کو چکر آئے اور وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا، اس کے سر پر درد کی شدید ٹیس اٹھی، تکلیف کی شدت سے ہادی کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

ہادی کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اندھیرے کمرے میں پایا، اسے یہ گھٹن بے چین کر رہی تھی، ماں باپ کے انتقال کے بعد وہ بھری دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا، آج بھی وہ نوکری کے لئے انٹرویو دے کر واپس آ رہا تھا کہ یہ واقعہ ہو گیا، ابھی وہ انہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی، وہ تیزی سے دروازے کی طرف دوڑا، لیکن دروازہ بند ہو چکا تھا، کمرے میں دال کے ساتھ رات کی باسی روٹی رکھ دی گئی تھی، یہ زندگی کے پیچ و خم ہی ہیں، جن کو چاروناچار سہنا ہی پڑتا ہے۔ بچشمِ نم اس نے مایوسی سے دروازے کی طرف دیکھا، وہ وہیں بیٹھ سا گیا، ہادی کے جگر کے ٹکڑے سے ہو گئے، یہ سب کچھ اس کی طبیعت پر گراں گزر رہا تھا۔

☆......☆......☆

یہ ایک بہت بڑا گینگ تھا، جس کی سربراہی ہنی کرتا تھا، وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے گرفتار ہونے والوں کے دل موہ لیتا اور ان کو اپنا گرویدہ بنا لیتا، ملک دشمن لوگوں کا یہ گروہ لوگوں کے خون سے ہمہ تن ہولی کھیلنے میں مصروف رہتا، نہ جانے کتنے لوگ ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بن چکے تھے ہنی اور اس کے ساتھی اپنی گفتگو سے اہل محفل کو تو مسحور کر دیتے لیکن باطن میں جو غرض پوشیدہ ہوتی وہ چھپی رہ جاتی، ہادی پر بھی خودغرضی اور حرص آڑے آ گئی، دنیا کی محبت، دین کی محبت پر غالب آ گئی، ہادی لالچ میں آ کر اس گروہ میں شامل ہو گیا، اس نے دوغلے پن اور منافقت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ انسانیت کی معراج تو یہ ہے کہ وہ سیدھے راستے پر چلے، جو ہمیں منزلِ مقصود تک لے جاتا ہو، لیکن ہم میں سے اکثریت بھول جاتی ہے۔ زبان جو کہتی ہے دل وہ نہیں کہتا، دل و زبان میں کافی بعد ہوتا ہے اور پھر انسان اپنے ہمہ جنوں کو بھی دھوکا دینے لگتا ہے، ایسے انسان کی نہ ہی روح آسودہ ہوتی ہے اور نہ اس کے چہرے پر خوشیاں باقی رہتی ہیں، دوسروں کی خوشیاں چھیننے والے اکثر اوقات خود خوشیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

یہ پہلا حملہ تھا، جو اس کے سپرد کیا گیا تھا، اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، ضمیر اسے بار بار ملامت کر رہا تھا، آنکھوں میں ایک خوف سا سمایا ہوا تھا، اداسیوں نے دل کا احاطہ سا کیا ہوا تھا، یہ گینگ ہمیشہ اپنے حملوں کا ٹارگٹ ایسی جگہوں کو بناتے، جہاں قرآن و حدیث کی تبلیغ ہو رہی ہوتی یا کوئی دینی مدرسہ یا جلسہ گاہ، وہ جائے وقوعہ پر پہنچ چکا تھا، اس نے مسجد کی بیرونی دیوار کے ساتھ ہی ریموٹ کنٹرول بم نصب کر دیا تھا اور خود مسجد سے کچھ دور کھڑا دیکھ رہا تھا، مسجد نمازیوں سے بھری تھی، یک دم ایک زوردار دھماکہ ہوا، مسجد کے آس پاس کی ملحقہ دیواریں بھی لرز سی گئیں، ایک کہرام سا بپا ہو گیا اور چیخوں کا نہ ختم ہونے والا طوفان برپا ہو گیا، اس کی آنکھوں میں آنسو سے بھر گئے، وہ ساکت کھڑے کا کھڑا رہ گیا، وہ جھٹکے سے اٹھا اور گینگ کی طرف چل پڑا، یہ پہلا حملہ تھا اور طبیعت میں سستی اور بے چینی کی کیفیت نے اس کو بہت زیادہ تھکا دیا، پولیس کی حراست سے وہ بہت دور نکل چکا تھا۔

اس کی آنکھیں نم تھیں، اچانک اسے ہنی آتا دکھائی دیا، خاموشی میں ہادی کے دل کی دھڑکن واضح سنائی دے رہی تھی، وہ یہ سب کچھ بھانپ چکا تھا ہنی نے سرد مہری سے زوردار قہقہہ لگایا، یہ تمہاری پہلی واردات ہے، اس لئے ایسا محسوس ہو رہا ہے، اٹھو اور فریش ہو جاؤ ہنی نے رعب جھاڑتے ہوئے کہا اور وہاں سے چل دیا، اس گینگ سے واپسی کا راستہ صرف اور صرف موت تھا، اس نے آنکھیں موند لیں، نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

جس جگہ بیٹھ رہوں تھک کہ وہ منزل ہو جائے
جس جگہ ڈوب کر رہ جاؤں وہ ساحل ہو جائے
اپنے دل کی حقیقت کا خلاصہ کہہ دوں
حسرتیں سب کی مل جائیں جو میرا دل ہو جائے
اب تو اے ضبط زیرِ آہیں نہیں سانسیں ہیں میری
روک لوں ان کو تو جینا میرا مشکل ہو جائے......!

☆......☆......☆

رفتہ رفتہ ہادی کے دل سے ڈر جاتا رہا، مالی بدحالی نے اسے یہ سب کرنے پر مجبور کر دیا تھا، شان و شوکت اور امیر بننے کے خواب اس کی آنکھوں میں سما گئے تھے، اکثر اوقات اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتا۔ راستوں کی ویرانی اور جلتی دھوپ سے ڈرنے والے کبھی منزل تک نہیں پہنچ پاتے۔

☆......☆......☆

انعام کے لالچ نے اسے ایک مرتبہ پھر بلکتے بچوں اور روتی عورتوں سے کنارہ کش کر دیا تھا، وہ ایک بار پھر اپنے ہی بہن بھائیوں سے بغاوت کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں پہنچ گیا، آج ایک بہت بڑا جلسہ وقوع پذیر ہو رہا تھا، علمائے کرام کی ایک بڑی تعداد اسٹیج پر جلوہ افروز تھیں، وہ ان سب کی مطلق پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا، وہ اسٹیج کے سامنے ہی بیٹھ گیا، اس کا پتھر دل موم کی طرح پگھلنے لگا، وہ اسٹیج کے سامنے ہی بیٹھ گیا اور نگاہِ اشتیاق مولانا پر ڈالی جو اپنی پرسوز آواز میں دنیا کی حقیقت کو واضح کر رہے تھے، مولانا کی خندہ پیشانی اور خوب صورت آواز سے قسمت خوابیدہ بھی جاگ اٹھتی، وہ متواتر مولانا صاحب کو پرکھ رہا تھا۔

وہ ان خوبرو بزرگ کو دیکھتا رہا، تقریر شروع ہو چکی تھی، مولانا کہہ رہے تھے کہ یہ تو ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم رحمتِ دو عالم ﷺ، ہادی برحق ﷺ، شافع محشر ﷺ، صادق و امین اور رحمت للعالمین کے امتی ہیں، ہمارے پاس اپنی روح، جان اور جذبہ محبت و اطاعت کے سوا کچھ بھی نہیں، مولانا کا ایک ایک لفظ ہادی کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا، خدا نے ہمیں مکمل ضابطہ حیات دیا ہے، ہمیں اس کی رحمت، لطف و کرم اور احسان کا شکر مند ہونا چاہئے اور ارشاد ہے کہ:

"خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا"

ادھر مولانا فرما رہے تھے کہ زندگی کا سفر اسی طرح گزرتا ہے، انسان دنیاوی مصلحتوں کے تحت ہمیشہ جھوٹ کا سہارا لیتا ہے اور کبھی جھوٹی شان و شوکت، بڑائی کے جھوٹے دعوے اور جھوٹے جذبات ہی انسان کو گمراہ کر دیتے ہیں، وطن کو نقصان پہنچانے والے عناصر ہمیشہ اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، کاش میرے وطن کے نوجوان سمجھ جائیں کہ نئی تہذیب کی روشنی ان کے حق میں زہرِ قاتل ہے، کاش ہم مغربی تہذیب کی سحرانگیزیوں سے دور رہیں، قرآن مجید میں سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے: "اور اس دنیا کی حقیقت کھیل اور تماشہ کے سوا کچھ بھی نہیں اور بلاشبہ آخرت کی زندگی ہی اصلی اور حقیقی ہے کاش لوگ اس حقیقت کو جان جائیں۔"

مولانا کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے، ہادی کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا، فی البدیہہ اسے کچھ یاد آیا، وہ اٹھا، اس نے فیصلہ کر لیا تھا، اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تھا، اس کے قدم پولیس اسٹیشن کی طرف گامزن تھے۔

عمارت کو پوری طرح سے قبضے میں لے لیا گیا تھا، ہنی اور اس کے تمام ساتھی حراست میں لے لئے گئے تھے، ان کا کوئی راز بھی پوشیدہ نہ رہ سکا تھا، ان کا گروہ لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتا تھا، مگر خدا ہر بات سے واقف تھا، وہ اپنی مکارانہ چالوں اور خواہشات میں مست ہو کر جو طرز عمل اختیار کئے ہوئے تھے، وہ بہت گھناؤنا اور بھیانک تھا، ان کی سوچوں کے دھارے، دلوں کے بھید اور روحوں کی خباثت سب کچھ خدا جانتا تھا۔

ریا کاری، باطن کی فتنہ سازی، سر عام جرائم اور چھپ کر کئے جانے والے گناہ سب ظاہر ہو چکے تھے ہنی سمیت پورے گینگ کو سزائے موت سنائی جا چکی تھی جبکہ ہادی کو پولیس کا ساتھ دینے کی بدولت چھ ماہ کی قید سنائی گئی تھی۔

☆......☆......☆

آج اس کی سزا مکمل ہو چکی تھی۔

محبت اپنے بندوں سے کمال رکھتا ہے
وہ اک خدا ہے جو ہم سب کا خیال رکھتا ہے
خدا بخشتا ہے گناہ عظیم بھی لیکن
ہماری چھوٹی سی نیکی سنبھال رکھتا ہے

ہادی آج پھر پہلے والا ہادی تھا، دنیا کی حقیقت اس پر آشکارا ہو چکی تھی، وہ تو مولانا صاحب کا احسان مند تھا، جن کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلے الفاظ اس کی نجات کا سبب بنے تھے۔

اس کے در پہ سکون ملتا ہے
اس کی عبادت سے نور ملتا ہے
جو جھک جائے خدا کے سجدے میں
اسے کچھ نہ کچھ تو ضرور ملتا ہے

ہادی کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں، فرط مسرت سے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا، آج اس کی نئی زندگی کا آغاز ہوا تھا اور اس نے عہد کر لیا تھا کہ اپنی بقیہ زندگی گناہوں کی تلافی کرتے ہوئے گزارے گا۔

رنج والم کی رات سے مایوس نہ ہونا
پے در پے حادثات سے مایوس نہ ہونا
پسپائی بھی، شکست بھی حصہ ہے جنگ کا
لیکن خدا کی ذات سے مایوس نہ ہونا

اذان کی آواز سن کر وہ فوراً مسجد پہنچ گیا۔ دعا مانگتے وقت ہادی کی آنکھوں میں آنسو تھے، اسے اپنی حماقت پر ندامت محسوس ہو رہی تھی، مگر جو سکون برسوں کے بعد اسے آج میسر آ رہا تھا، وہ خود ہی جانتا تھا۔

دعا مانگتے وقت وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا، وہ کہہ رہا تھا: ”یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھے کالی رات کے اندھیروں سے نکالا اور مجھے گناہوں سے محفوظ کر دیا۔ اے خدا! تو ہی تو ہے جس کو میں نے حالت مرض میں پکارا تو شفا دی، بھوک میں پکارا تو رزق دیا، پیاس میں پکارا تو پانی پلا دیا، ذلت میں پکارا تو عزت دی، جہالت میں پکارا تو نور معرفت سے منور کیا، راہ میں بھٹک گیا تو راستہ دکھا دیا، غربت میں پکارا تو غنی بنا دیا۔ یارب میں تیرا بڑا نافرمان ہوں، اے خدا مجھے معاف کر دے، زندہ رکھ تو اسلام پہ رکھ خاتمہ کر تو ایمان پر کر، وہ بلک بلک کر رو رہا تھا، آج اس نے سچی توبہ کر لی تھی۔“

کتنے ہیں بدنصیب بھیسی یہ محرومی ہے
نہ ہم میں کوئی جامیؒ، نہ کوئی رومیؒ ہے
بے دست و پا ہیں زمانے بھر میں مسلمان
اچھی یہ بندہ نوازی، اچھی یہ رحیمی ہے
یہ بھی سچ ہے کہ ہم نہیں قابل جود وعطا
ورنہ تو آقا ہے، تیری صفت علیمی ہے
نکال دے ہم کو ظلمت کے اندھیروں سے
دست محمدؐ طالب دست کریمی ہے
بھر کے لایا ہوں آنکھوں میں ”اشک ندامت“
طالب معاصی ہوں، تجھے سجدۂ عظمی ہے

☆......☆......☆



ایک نہایت دلکش نسوانی آواز اچانک بلند ہوئی کہ لندن جانے والے پاکستانی مسافر تیار رہیں، ان کا جہاز عنقریب پرواز کرنے والا ہے۔ اس نے جلدی سے اپنا بیگ سنبھالا اور وسیع ہال میں سے گزر کر ویٹنگ روم کی طرف بڑھنے لگا۔ چاروں طرف بھانت بھانت کے لوگ جمع تھے، پاکستانی بھی تھے اور غیر پاکستانی بھی۔ سگریٹ کے دھوئیں سے فضا کچھ دھندلائی سی تھی۔ وہ بڑی احتیاط سے چکنے فرش پر چل رہا تھا۔ ویٹنگ روم کے فرش پر بے حد قیمتی اور دبیز قالین تھا۔ وہ ایک صوفہ کے کنارے سے ٹک سا گیا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ پورے جسم میں ایک عجیب سی لرزش تھی۔ حلق خشک ہوا جا رہا تھا۔ ہتھیلیاں نم آلود ہو رہی تھیں۔ اس کے عین سامنے دو انگریز لڑکیاں لاتعلقی سے کھڑی تھیں۔ ان کی وضع قطع کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ غالباً انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ مشرق میں گزارا ہے۔

اس نے اپنے سراپا پر نظر دوڑائی۔ ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں ہونے کے باوجود کنپٹیوں پر پسینہ کے قطرے ابھر آئے۔ وہ بے حد نروس ہو رہا تھا۔ جسم کی رگیں کھنچ سی رہی تھیں جیسے وہ غلط جگہ آ گیا ہو، اس نے پیچھے نظر دوڑائی۔ اس طرف چند پاکستانی تھے۔ ایک پردہ پوش خاتون نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ چند برقع پوش عورتیں اور ایک بوڑھا شخص اسے تسلیاں دے رہا تھا۔

”گھبراؤ نہیں، بس ایک سال کی تو بات ہے۔ بس جوں ہی اس نے امتحان دیا تم لوگ آ جاؤ گے واپس۔ ایک سال کا بھی کوئی عرصہ ہوتا ہے، پلک جھپکتے میں ختم؟“ کون جانے اب یہ لڑکی کبھی اپنے بوڑھے باپ کو دیکھ سکے گی کہ نہیں۔ کسے معلوم کہ وہ کبھی امتحان میں پاس ہو سکے گا کہ نہیں۔ ایک دن یہ زندگی، یہ سب ایک ڈراؤنا خواب بن جائیں گے اور وہ ہمیشہ کے لئے لندن کے انسانی سمندر میں بارش کے ایک قطرے کی مانند مل جائے گی۔ قطرہ جو پھر کبھی واپس وہاں نہیں جا سکتا، جہاں سے آتا ہے۔

پورے آٹھ بجے جہاز آہستہ آہستہ زمین سے اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔ جہاز کے شور سے اس کے کان بند ہونے لگے۔ طبیعت کچھ متلی سی ہو رہی تھی۔ دماغ بھی جیسے چکرا رہا تھا۔ ٹورسٹ کلاس میں تقریباً سب پاکستانی بھرے پڑے تھے۔ جب سے بائی گریشن بل کا شور اٹھا تھا، لوگ پاگلوں کی طرح جوق در جوق انگلستان جا رہے تھے۔ انگلستان جہاں غالباً سونا بٹتا ہے، جہاں قدم قدم پر پونڈوں کے درخت اگتے ہیں۔ انگلستان جہاں کبھی سورج نہیں ڈوبتا تھا اور جہاں ملازمت، کہانیوں کی سلطنت کا تاج ہے جو سب سے پہلے آنے والے کے سر

پر رکھ دیا جاتا ہے اور ملک کے اپنے ہزاروں باشندے بغیر تاج و تخت کے نیشنل اسسٹینس بورڈ سے بیکاری الاؤنس وصول کرتے ہیں، جہاں ہر پچیس میں سے ایک شخص بیکار ہے۔ یہ بے چارے بھولے بھالے لوگ! وہ بھی ان بھولے بھالے لوگوں میں سے ایک تھا۔

جوں ہی جہاز آسمان کی بلندیوں کی طرف اٹھا، ایک لخت اس کا جی ڈوبنے لگا۔ ایک نامعلوم خوف کا زہر اس کی رگوں میں گھلنے لگا۔ اس نے بڑی بے چارگی سے کھڑکی میں سے باہر جھانکا۔ جہاز کے اندر بڑی خوشگوار خنکی تھی۔

سیٹ کی پشت سے سر ٹیک کر وہ اپنے خیالات کے گنجان جنگلوں میں بھٹکنے لگا۔ وہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں تھرڈ ایئر کا طالب علم تھا۔ والد کے انتقال کے بعد جب گھر کا سارا بوجھ اس کے بڑے بھائی کے کندھوں پر آن پڑا تو اس کے بھائی نے ایف اے کے بعد آگے پڑھنے کے بجائے کسی بینک میں ملازمت کرلی۔ وہ خود اس زمانے میں دسویں میں تھا، بے حد ذہین اور محنتی۔ بہترین طالب علموں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس کے بھائی نے اسے پڑھائی ختم نہیں کرنے دی اور اپنی مختصر سی تنخواہ میں گھر کا خرچ اور اس کی پڑھائی کے اخراجات چلاتا رہا۔ اس کو اپنے چھوٹے بھائی کی ذہانت اور قابلیت پر بہت فخر تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ایک روز ڈاکٹر بن جائے گا اور پھر گھر کے تمام دلدل دور ہو جائیں گے اور پھر شبو کا بیاہ بھی ہو جائے گا۔ اس کی اپنی شادی بھی ہو جائے گی اور گھر میں پھر سے خوشیوں کے چراغ جھلملانے لگیں گے۔ تبھی تو پانچ سال سے وہ اپنا خون پسینہ ایک کئے دے رہا تھا۔ اپنی کمائی میں سے بس کے کرایہ کے علاوہ ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ کرنا حرام تھا۔ صرف اس لئے کہ اس کا بھائی ڈاکٹر بن جائے اور اس کی بہن کا بیاہ ہو سکے۔

اس کی نگاہوں میں اپنے بھائی کی تصویر گھوم گئی۔ وہ اس سے صرف دو سال بڑا تھا، لیکن پانچ سالوں کی مشقت نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ وہ اپنی عمر سے کہیں بڑا معلوم ہوتا تھا۔ دبلا پتلا جسم، گندمی سا رنگ، بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کے گرد تاریک حلقے...... لیکن ان تھکی تھکی سی اداس آنکھوں میں بے پناہ محبت شفقت اور نرمی تھی۔ خشک سیاہ بال، ایک ڈھیلا سا نیلا گرم سوٹ سردیوں کے لئے اور معمولی کپڑے کے دو چار قمیص پتلون گرمیوں کے لئے۔ بس یہ کل کائنات تھی اس کی۔ خاموش، سنجیدہ، کم سخن، بہت کم بولتا اور بہت کم ہنستا تھا، اس کی خوشیاں، اس کے دکھ اس کے اپنے دل کی تاریک کوٹھڑیوں میں مقفل تھے۔ اس نے اپنے دل کے دروازے کبھی کسی پر وا نہیں کیے تھے۔ اس کے اندر اگر جذبات و خواہشات کا الاؤ دہک بھی رہا تھا تو اس کی آنچ تک کسی نے محسوس نہیں کی تھی، صرف دھوئیں کی ایک سیاہی اس کے چہرے پر پھیلتی جا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ لیکن میں انوار کو سمجھتا ہوں وہ پہلے ایسا کب تھا۔ میں جانتا ہوں وہ کیا محسوس کرتا ہے، کیا سوچتا ہے، کیا معلوم نہیں اس کے دل میں کون سے گھاؤ ہیں، کتنے گہرے ہیں، کن سے خون رس رہا ہے، میں خون کی بو پہچان لیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں لیکن کچھ نہیں کر سکتا۔ میرے پاس مرہم ہی نہیں جو میں ان زخموں پر رکھ سکوں۔ اس کو ایف اے میں وظیفہ ملا لیکن اس نے اپنی آگے پڑھنے، کچھ بننے کی خواہش کا گلا گھونٹ دیا اور کلرکی کو اپنی زندگی کا رفیق بنا لیا۔ اس نے اپنی بیمار ماں، جوان کنواری بہن اور اپنے بچپن کی منگیتر کے زخموں کو بھی خاموشی سے سینے میں چھپا لیا۔ چچا نے کس بے دردی سے انکار کر دیا اور بچپن کی منگنی توڑ دی۔ صرف اس بات پر کہ وہ مزید دو سال اور انتظار نہیں کر سکتے اور یہ کہ شادی کے بعد وہ رفو کو الگ گھر لے کر دے گا۔ اف کتنے ظالم تھے چچا جان! اور انوار نے صاف انکار کر دیا تھا کہ اسے ان کی یہ شرطیں منظور نہیں ہیں۔ وہ دو سال بعد شادی کرے گا اور رفو کو جب تک میری اور شبو کی شادی نہیں ہو جاتی ہمارے ساتھ اور بعد میں ماں کے ساتھ رہنا ہوگا۔ ابا میاں کے مرنے کے بعد سب نے ہی آنکھیں پھیر لی تھیں۔

اور پھر جس دن رفو کی شادی ہوئی اس دن انوار کا رنگ کس قدر زرد ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ زندگی کی ایک اور بازی ہار گیا تھا۔ وہ خواہ مخواہ مسکرانے اور بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جان بوجھ کر مجھ سے پڑھائی کے بارے میں پوچھتا اور چچا جان کے گھر سے آئے ہوئے چاول اس نے چھوئے تک نہیں تھے۔ کیونکہ وہ اپنے دوست کے ہاں سے کھانا کھا آیا تھا اور اسے قطعاً بھوک نہیں تھی حالانکہ اس نے صبح ناشتہ میں چائے کی دو پیالیوں اور ایک باسی روٹی کے سوا اور کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس دن کے بعد سے وہ زردی پھر اس کے چہرے سے کبھی نہ گئی۔ وہ اور زیادہ دبلا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے حلقے اور تاریک ہو گئے۔ میں سمجھتا تھا میں اس کا دکھ جانتا تھا لیکن میں اس کے دکھ کا مداوا نہیں بن سکتا تھا۔

اور آج میں لندن جا رہا تھا مرہم لینے، انوار کے زخموں کی دوا لینے۔ میں ڈاکٹر ہوں نا۔ میں دوا لے آؤں گا۔ میں اس کے خشک لبوں کو مسکراہٹوں اور اس کی غمزدہ آنکھوں کو مسرتوں کے نور سے بھر دوں گا۔ پھر وہ کبھی دکھی نہیں رہے گا۔ اس کے دل کو جلانے والی آگ بجھا دوں گا۔

اس کی آنکھوں کے آنسو گالوں پر ڈھلک آئے۔ نے جلدی سے گھبرا کر ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔ ایئر ہوسٹس دوپہر کے کھانے کا بندوبست کر رہی تھی۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی میز کھل گئی۔ ایئر ہوسٹس نے ٹرے اس پر رکھ دی۔ مرغ کی روسٹ ٹانگ، تھوڑے سے چاول اور ابلے ہوئے آلو، گوبھی اور مٹر تھے ایک رول اور ذرا سا مکھن بھی تھا۔ کھانے کی خوشبو سارے جہاز میں پھیلی ہوئی تھی۔ اسے ذرا بھی بھوک نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی سیٹ کے دوسری طرف ایک بھاری تن و توش کا ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ کوئی تاجر تھا غالباً اس نے اپنا بریف کیس بند کیا اور کھانا کھانے لگا۔ وہی پہلے والا نوجوان بڑی بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ دونوں ہاتھوں میں مرغ کی ٹانگ تھامے کھا رہا تھا۔ چند منٹوں ہی میں اس نے ساری ٹرے صاف کر دی اور پھر بڑی ناامیدی سے چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے پیٹ نہ بھرا ہو۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ وہ مسکرایا اور پنجابی میں کہنے لگا۔ "یہ بھی کوئی کھانا ہے نہ پیٹ بھرا نہ مزہ آیا۔"

وہ بھی جواباً مسکرایا۔ "عادت جو نہ ہوئی۔"

ایئر ہوسٹس لوگوں کو کھانا کھاتے دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور چپکے چپکے ایک دوسرے کو دکھا رہی تھی کہ دنیا کے مہذب شہر لندن جانے والے کیسے جنگلی اور اجڈ ہیں۔ اس نے کافیش کا آخری گھونٹ حلق سے اتارا اور سیٹ ڈھلکا کر نیم دراز ہو گیا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے چھوٹی بہن شبو کا پھولوں جیسا معصوم، بھولا بھالا چہرہ شرارت سے مسکرانے لگا۔ اس قدر خوبصورت اور باسلیقہ ہونے کے باوجود جس کی شادی بغیر روپے کے کس قدر مشکل ہو گئی تھی۔ شبو کو کون پرکھتا۔ لوگ تو اس کی معاشی اور معاشرتی پوزیشن ہی ناپتے تولتے رہے۔ ان کی نظر میں شبو ایک دھڑکتے دل اور نرم گرم جذبات رکھنے والی انسان تھوڑا ہی تھی وہ تو محض ایک ضرورت تھی ضرورت..... نفرت سے اس کے ہونٹ بھنچ گئے اور پریشانی کی رگیں تن گئیں۔ شبو جو اٹھارہ سال کی ہونے کے باوجود آٹھ سال کی معصوم اور الہڑ لڑکی لگتی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر ہنس دیتے اور مسکراہٹوں کے درمیان اس نے پورے گھر کا کام سنبھالا ہوا تھا۔ اماں بے چاری ایک تو بوڑھی، اوپر سے سدا کی روگی۔ جب سے انوار ہوا تھا ایک دن بھی ٹھیک نہ رہیں۔ میں اس کی اور اماں کی صحت کا ہر دم خیال رکھوں گا۔

جب امتحانوں اور ٹیسٹوں کے زمانے میں وہ دیر تک پڑھتا تھا تو شبو تھوڑی تھوڑی دیر بعد چائے بنا کر لاتی تھی۔ جب تک میں جاگتا تھا خود بھی جاگتی تھی۔ میں کتنا کہتا کہ تم تو جا کر سو جاؤ، تمہیں سویرے اٹھنا ہوتا ہے۔ لیکن بلا کی ضدی تھی وہ بھی۔ بیٹھی مسکراتی رہتی اور ہنس سے

مس نہ ہوتی۔ ذرا سا ڈانٹ دیتا تھا تو فوراً رونے بیٹھ جاتی تھی اور پھر میرے اور انوار کے لئے کیسے شوق سے پراٹھے اور ماش کی بھنی ہوئی دال بناتی تھی۔ ہمیں کھلا کر کس قدر خوش ہوتی تھی۔ ہر وقت کے کام کاج اور مسلسل تیمارداری کے باوجود اسے کبھی غصہ میں نہیں دیکھا تھا۔ نہ کبھی ایک حرف شکایت کا اس کے منہ سے سنا تھا۔ کبھی کسی چیز کی فرمائش تک نہیں کرتی تھی۔ جب چچا نے انکار کیا تو کوٹھڑی میں گھس کر گھنٹوں روتی رہتی تھی۔ اس کے بعد سے انوار کا بے حد خیال کرنے لگی تھی۔ اس کے لئے اچھی چیزیں بناتی۔ اس کی قمیص خاص طور پر دھو کر کلف لگاتی اور کئی کئی دفعہ استری کرتی۔ اس کے جوتے روزانہ رات کو اپنے ہاتھ سے پالش کر کے چمکاتی تھی۔ اس نے اپنے منہ سے کچھ نہیں کہا لیکن وہ سمجھتی تھی ہم سب ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے، گو منہ سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ زبانیں خاموش رہتی تھیں لیکن دل اور نگاہیں آپس میں سب کچھ کہہ سن لیتی تھیں۔ رفو اس کی دوست تھی۔ بچپن کی سہیلی لیکن اس کے بعد سے نہ وہ کبھی رفو سے ملنے گئی اور نہ کبھی اس کی زبان پر اس کا نام آیا۔

اور پھر جب ریاض لندن چلا گیا تو ہر خط میں مجھے لندن آنے کی دعوت دیتا۔ لندن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا۔ اس نے ہی تو لکھا تھا کہ "یہاں ڈاکٹروں کی بہت کمی ہے۔ پاکستانی، ہندوستانی ڈاکٹروں کی مانگ ہے، فوراً ملازمت مل جائے گی۔ تم فکر مت کرو میں انتظام کروں گا۔ مزے سے پڑھتے بھی رہنا۔ جب وطن واپس جاؤ گے تو فارن ڈگری کی بدولت ہاتھوں ہاتھ لئے جاؤ گے اور پھر تم بہت بڑے ڈاکٹر بن جاؤ گے۔"

وہ بدستور اسے بلاتا رہا، طرح طرح کے لالچ دیتا رہا۔ اس نے تو یہاں تک لکھا تھا کہ رہائش کی فکر نہ کرنا۔ میرے ساتھ رہ لینا، اکیلا ہی ہوں اور آخر جب مائی گریشن بل پاس ہونے کا چرچا شروع ہوا اور معلوم ہوا کہ اب جانے والوں پر پابندی لگنے والی ہے، لوگ اندھا دھند نہیں جا سکیں گے۔ اسکالر شپ ڈانوا ڈول نظر آنے لگی۔ سنہری خواب بکھرتے دکھائی دینے لگے تو اس نے بھی ان کی تعبیر ڈھونڈنے کا ارادہ کیا۔ انوار بھی مان گیا۔ اس نے شبو کے بیاہ کے لئے اور ٹائم کر کر کے آٹھ سو روپے جمع کئے تھے باقی روپے قرض لئے، پاسپورٹ کا انتظام کیا اور ایک طرف کے ٹکٹ کا بندوبست کر دیا۔ میں نے کہا وہاں کی کیا فکر ہے جب تک کوئی اور خاطر خواہ انتظام نہ ہوا، ریاض کے پاس ٹھہر جاؤں گا۔ اسی رات جس دن مجھے کراچی کے لئے روانہ ہونا تھا، شبو میرے پاس آئی، اس کی مٹھی میں کچھ دبا ہوا تھا۔ اس نے میرے سامنے مٹھی کھول دی۔ بیس روپے اور سونے کی بالیاں تھیں۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ آواز بھی بھیگی بھیگی سی تھی۔ اس نے اپنی آواز کی لرزش پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو، اگر تم نے یہ سب نہ لیا تو میں پھر کبھی نہیں بولوں گی۔"

"لیکن پگلی میں ان کا کیا کروں گا۔ وہاں نہ یہ روپے کام آئیں گے نہ یہ بالیاں۔"

"نہیں تم یہ بالیاں بیچ دینا اور وہاں کے روپے لے لینا۔" میں مسکرایا اور ساتھ ہی میرا دل بھر آیا۔ میں نے ہولے سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا۔ میں ایک لفظ بھی نہ بول سکا جیسے گلے میں کچھ اٹک گیا ہو۔

اور میں اب لندن جا رہا ہوں۔ ہم سب کے خواب حقیقت میں ڈھلنے والے ہیں، مجھے اندھیرے میں نئے چاند کی سنہری دمک نظر آ رہی ہے۔ مجھے بہار کے پہلے پھول کی مہک آ رہی ہے۔ لیکن اب شبو کی شادی کیسے ہوگی، کیونکہ سارے پیسے تو میں نے لے لئے۔ انوار کے سر پر قرض کا بوجھ الگ پھینک آیا ہوں۔ انوار کو قرض اتارنے کے لئے اور بھی محنت کرنی پڑے گی۔ اتنی مہنگائی میں ڈیڑھ سو روپے کہاں تک ساتھ دے سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ تین چار سال لگیں گے پھر میں ڈاکٹر بن کر واپس چلا جاؤں گا اور پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، سب پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

جہاز تہران، بیروت، فرینکفرٹ اور جنیوا ہوتا ہوا لندن پہنچ گیا۔ وہ تو جیسے کسی پراسرار دنیا میں گھوم رہا تھا۔ ایک نامعلوم سا نشہ اس کو حقائق کی دنیا سے بہت دور لے گیا تھا۔ غم، خوشی، دکھ اور مسرت کے ملے جلے جذبات اس کے سینے میں لرز رہے تھے۔ ایک نامعلوم دنیا کو دیکھنے کا شوق، خوف اور ہچکچاہٹ سے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور یہ رہ نورد شوق اب اپنی منزل کے قریب آ رہا تھا۔ جہاز کے اندر روشنیاں بجھا دی گئی تھیں، جہاز میں ہلکی سبز روشنی پھیل گئی جیسے کوئی سمندر کی تہہ میں بنے ہوئے شیشہ کے جھلملاتے محل میں اتر آئے۔ ریکارڈ پر ایک بے حد اداس اور غمگین نغمہ مدھم اور دھیمے سروں میں چھڑ گیا۔ نیچے لندن کی روشنیاں تھیں جیسے یک لخت کروڑوں چاند دمک اٹھے ہوں۔ سڑکوں کی نارنجی اور نیلگوں روشنیاں میلوں تک قطار اندر قطار پھیلی ہوئی تھیں۔ گھروں اور دکانوں کی بے قاعدہ روشنیاں کچھ یوں تھیں، جیسے تہہ آب ہزاروں شمعیں فروزاں ہوں، یہ بجلی کے دیے ستاروں کی طرح ٹمٹما رہے تھے۔ حیرت سے اس کا سانس رک گیا تھا۔ اف لندن میں اس قدر بڑا شہر ہے۔ اس کا دل ایک عجیب دکھ سے آشنا ہو رہا تھا۔ جیسے کوئی مٹھی میں لے کر اسے بھینچ رہا ہو۔ شدت درد سے اس کا پورا وجود پھٹنے والا ہو۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ نغمہ کی لے دھیمی ہونے کے بجائے دم بدم تیز ہو رہی تھی۔ اس میں جھنجھناہٹ بڑھ گئی تھی، جیسے سمندر کی لہریں بے قرار ہو ہو کر اپنا سر چٹانوں سے پٹک رہی ہوں، اس کا دل بھی سینہ توڑ کر باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ ایک دم اس کا دل چاہا کہ وہ مر جائے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مر جائے۔ زندگی اس کی برداشت سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔ جہاز آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا۔ اس کی آواز بھی تیز ہوگئی تھی۔ روشنیاں قریب آ رہی تھیں۔ فاصلے مٹ رہے تھے۔ یکدم ایک چھناکے کے ساتھ موسیقی بند ہوگئی جیسے خواب ایک دم بکھر سا گیا ہو۔ مائیک پر بتایا جا رہا تھا کہ لندن آ رہا ہے اور چند منٹوں میں وہ لوگ لینڈ کریں گے۔ سب لوگ اپنی اپنی حفاظتی بیلٹس باندھ لیں۔ اچانک اس کا دل چاہا کہ وہ جہاز سے نہ اترے۔ وہ لندن نہیں جانا چاہتا۔ وہ تو واپس اپنی ماں، انوار اور شبو کے پاس جانا چاہتا ہے۔ اسے نہیں اترنا یہاں۔ اس کا دل بری طرح بانی ہو رہا تھا۔ کاش یہ جہاز یہاں اترنے کی بجائے واپس پاکستان لوٹ چلے۔ نہیں نہیں وہ یہاں نہیں آنا چاہتا تھا۔ یہ اس کا وطن نہیں ہے، وہ یہاں اجنبی ہے۔ یہ لندن ہے، یہ مغرب ہے، اس کا اس شہر سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ اس گول چکر میں کبھی فٹ نہیں ہو سکے گا، وہ تو چوکور ہی رہے گا۔ دوسرے اسے اٹھا کر باہر پھینک دیں گے، جہاز تو رن وے پر دوڑ رہا تھا۔ ایک جھٹکے سے جہاز رک گیا۔ ایک دم فضا خاموش ہوگئی۔ ایک سناٹا سا چھا گیا لیکن اس کے اندر اب تک ایک ہنگامہ برپا تھا۔ اس کے سینے میں جوالا مکھی پھٹ رہا تھا۔ اس نے اپنا بیگ اور کوٹ اٹھایا اور دوسروں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ کسٹم سے فارغ ہو کر اپنا سوٹ کیس لے کر باہر آ گیا۔ نوٹ بک میں سے اس نے ریاض کا پتہ دیکھا، اس کی جیب میں بیس پونڈ چند روپے اور سونے کی دو بالیاں تھیں۔ شبو کے دیئے ہوئے روپوں سے اس نے ریاض کے لئے سگریٹ خرید لئے تھے۔ اسے کوٹ میں سردی لگ رہی تھی حالانکہ یہ جولائی کا مہینہ تھا۔ اپنے ہاں تو لوگ اس وقت گرمی سے پھنک رہے ہوتے ہیں۔

اس نے ٹیکسی لی اور ریاض کے بتائے ہوئے پتے پر شیپرڈ بش کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا جا رہا تھا۔ آپس میں ملے ہوئے ڈھلوان چھتوں اور کالی اینٹوں والے مکان، کشادہ سڑکیں، بڑی بڑی دکانیں روشنیوں سے جگمگاتی ہوئی شو ونڈوز...... نت نئے طریقوں سے سجی ہوئی چیزیں۔ بالکل انسانوں جیسے مجسمے عجیب اداؤں اور نزاکتوں سے کھڑے ہوئے، وہ آنکھیں پھاڑے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ کر ٹیکسی رک گئی۔ بڑا گھنا گھنا سا علاقہ تھا۔ اس نے ٹیکسی کا کرایہ اور سیڑھیاں چڑھ کر ایک ٹوٹے پھوٹے سے گھر کی گھنٹی بجائی۔ اس نے

ریاض کو اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ایک بڑھیا نے باہر جھانکا۔ اس کے ملگجے بال پیچھے چھوٹے سے جوڑے میں بندھے ہوئے تھے اور ایک میلا سا ایپرن اس کے سامنے بندھا ہوا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی ایک عجیب سی بدبو کا بھبکا آیا۔ چربی کے جلنے اور مچھلیوں کے بساندھ سے اس کا دم الٹنے لگا۔ اس نے ابکائی کو روکتے ہوئے ریاض کے بارے میں پوچھا۔ معلوم ہوا وہ تو گھر چھوڑ چکا ہے۔ بڑھیا نے اس کا نیا پتہ بتا کر کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ ٹیکسی والا کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ "مجھے خیال تھا کہ وہ گھر بدل چکا ہوگا۔ یہاں لوگ گھر یوں بدلتے ہیں جیسے کوئی کپڑے بدلتا ہے اور ہو سکتا ہے وہ اب اس پتہ پر بھی نہ ملے اچھا آؤ دیکھیں ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

وہ پھر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ سڑک پر مدھم روشنیاں تھیں۔ سرخ، سرخ دو منزلہ بسیں آ جا رہی تھیں۔ کاریں دوڑ رہی تھیں۔ اس پتہ پر ریاض اسے مل گیا۔ اس نے ٹیکسی کا پانچ پونڈ کرایہ ادا کیا اور گھر کے اندر آ گیا۔ یہاں بھی وہی پہلے والی باسی باسی سی بو تھی۔ ریاض اسے دیکھ کر بے حد حیران ہوا۔ وہ مسلا وسلا سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ ریاض اسے اوپر ایک چھوٹے سے کمرے میں لے آیا، کمرہ کیا تھا ایک الماری کا خانہ تھا۔ سیدھا کھڑا ہوتے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا کہ کہیں سر چھت سے نہ ٹکرا جائے۔ ایک پرانے زمانہ کا قالین تھا جس کے سب رنگ وغیرہ اڑ چکے تھے۔ قالین کے بجائے دری لگتا تھا۔ چھوٹا سا پلنگ تھا جس کی میٹرس کی حالت سخت خستہ تھی۔ ایک طرف گیس کا چولہا کھانا پکانے کے لئے اور ہیٹر کمرہ گرم کرنے کے لئے تھا۔ ایک پرانی سی سنگھار میز بھی کونے میں پڑی تھی۔ درمیان میں اونچی سی میز اور دو چار مختلف شکلوں کی کرسیاں تھیں۔

"ہائے یہ لندن ہے!" اس نے سوچا اور ایک کرسی پر ٹک گیا۔ "ذرا سنبھل کر بیٹھنا میاں کہیں چاروں شانے چت زمین پر نظر آؤ۔ اس کی ٹانگ لینڈ لیڈی کی ٹانگ کی طرح بس ایسے ہی ٹکی ہوئی ہے۔"

"کوئی اور کمرہ نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"اور کمرہ؟" ریاض نے قہقہہ لگایا۔ "یہی کمرہ غنیمت ہے بھائی۔ سر چھپانے کا ٹھکانہ تو ہے نا۔ اسی کے کرایہ نے کمر توڑ دی ہے۔ پورے ڈھائی پونڈ کرایہ ہے ایک ہفتہ کا، سمجھے کچھ؟ ابھی نئے ہو نا، آہستہ آہستہ سب کچھ پتہ چل جائے گا۔"

"میں تمہارے لئے سگریٹیں لایا ہوں، جہاز پر لی تھیں۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ یہ کام تم نے سلیقہ کا کیا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔ تین ہفتوں سے ملازمت چھٹی ہوئی ہے۔ جیب میں ایک کوڑی بھی نہیں ہے اور تو گزارہ ہو رہا تھا اس پر کمبخت سگریٹ کی لت نے مار رکھا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا "اور کہو کہاں ٹھہرے ہو، کسی ہوٹل وغیرہ میں؟ سستا ہی ہے نا۔ گو سستے بھی یہاں خاصے مہنگے پڑتے ہیں۔"

"میں تو سیدھا جہاز سے تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ مجھے تو یہاں کسی ہوٹل وغیرہ کا علم نہیں ہے۔"

"اوہ!" ریاض کا چہرہ ایک دم تاریک سا ہو گیا۔ خیر کوئی بھی ٹیکسی والا تمہیں کسی ہوٹل میں پہنچا دے گا۔ اسے بتا دینا کسی سستی سی جگہ لے جائے۔ تم میرے پاس ٹھہر جاتے لیکن میرے پاس تو خود اپنے ہی رہنے کے لئے جگہ نہیں ہے۔ تم دیکھ تو رہے ہو اور کل پرسوں تک میں ایک اور دوست کے پاس جا رہا ہوں، جب تک کسی ملازمت کا بندوبست نہیں ہو جاتا۔ اس کے پاس ہی رہوں گا۔ اس کمرے کا دو ہفتہ کا کرایہ مجھ پر واجب ہے۔"

وہ بالکل خاموش سا رہ گیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا "کیا نوکری کرتے تھے؟"

"نوکری" ریاض نے کھوکھلا سا قہقہہ لگایا۔ "وہی جو یہاں آ کر اکثر لوگ کرتے ہیں، ہوٹل میں برتن مانجھتے تھے۔"

"برتن مانجھتے تھے، لیکن تم تو ایم اے تھے؟"

"ایم، اے ہونہہ! ایم اے سے کیا ہوتا ہے۔ کون پوچھتا ہے یہاں ایم اے کو؟ برتن دھونے والی ہی نوکری مل جائے تو سمجھو غنیمت ہے ورنہ تو غالباً زندگی ہی سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔ ایک صاحب بڑے ادیب تھے، ں روپیہ کمانے آئے تھے۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی برتن مانجھتے تھے بے چارے۔ روپیہ تو خیر جو کمائیں گے سو کمائیں گے البتہ افسانے خوب سمیٹ لیں گے۔ ایک اور صاحب ہیں پانچ سال سے یہاں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ خالی وقت میں لوگوں کے گھر جا کر کھڑکیوں کے شیشے اور فرش صاف کرتے ہیں۔ کس کس کا حال پوچھو گے اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔ ..... بہر حال!"

"لیکن تم تو لکھتے تھے کہ....."

"ارے چھوڑو یار، مجھے کیا معلوم تھا کہ تم آنے پر ادھار ہی کھائے بیٹھے تھے، ادھر میں لکھوں گا اور تم ادھر آن وارد ہو گے۔ ضرور لکھتا ہوں گا۔ شاید اپنے آپ کو دھوکا دیتا تھا۔ اپنی دم کٹوا کر سب کی کٹوانا چاہتا تھا، لیکن تم آ کیوں گئے؟ تم اتنے بھولے تو نہیں تھے۔ کیا اخباروں میں یہاں آئے ہوئے لوگوں کا حال نہیں پڑھتے تھے؟ اور پھر تم نے لکھا تھا ایم بی بی ایس کر کے آؤ گے اگر اسکالرشپ مل گئی تو۔" ریاض کے لہجہ کی تلخی بڑھتی جا رہی تھی، وہ بالکل خاموش تھا۔ اس کی زبان اور دماغ گنگ ہو گئے تھے۔

"میرا خیال ہے تم اب جلدی کرو ورنہ کسی ہوٹل میں جگہ نہیں ملے گی اور ہاں اگر تمہارے پاس پانچ پونڈ ہوں تو مجھے قرض دے دو۔ دو ہفتہ کا کرایہ دینا ہے کم بخت بڑھیا میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ وہ تو شاید کپڑے اتروائے بغیر مجھے جانے بھی نہ دے گی۔" اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پانچ پونڈ ریاض کو پکڑا دیئے اور کھڑا ہو گیا۔ ریاض اسے نیچے تک چھوڑنے آیا۔

"ان شاء اللہ پھر ملاقات ہو گی اور ہاں تم میرا نیا پتہ تو لے لو۔" اس نے اس کی نوٹ بک میں نیا پتہ لکھ دیا۔

"بائی بائی!" کھٹاک! زندگی کی تابانیوں کے دروازے اس پر بند ہو گئے!! وہ باہر کھڑا تھا آسمان گہرا نیلا تھا۔ اس پر چھوٹا سا چاند اداسی سے نیچے جھانک رہا تھا۔ چند ستارے بھی تھے۔ وہ خاموشی سے فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ اس کے سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیتیں بالکل دم بخود تھیں۔ وہ سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ رات بڑی پرسکون تھی۔ سڑک پر موٹریں تیزی سے گزر رہی تھیں لیکن وہ ہر چیز سے بے خبر سا تھا۔ نہ اسے اپنے دل میں اٹھنے والی ٹیس کی خبر تھی اور نہ اسے اپنے ذہن میں ہونے والا ہنگامہ ہی سنائی دے رہا تھا۔ اپنے گرد و پیش کی ہر چیز سے انجان چلا جا رہا تھا۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی جیسے کوئی نیند میں چل رہا ہو۔ گھروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے باغیچوں میں درخت سرخ، سفید اور کاسنی پھولوں کے گچھوں سے لدے ہوئے تھے۔ ٹیولپس کے سرخ، پیلے، جامنی اور گلابی رنگ کے پیالے بند تھے۔ زرد چہروں والے ڈیفوڈلز خاموش سر جھکائے کسی گہری سوچ میں غرق تھے، رنگ برنگے انیمنز (Anemones) ذرا سی ہوا چلتی تو کانپنے لگتے! ہر طرف بے انداز خاموشی تھی۔ اسے تو آوازیں اور شور بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ چوراہے پر پہنچ کر وہ دائیں طرف مڑ گیا۔ قریب ہی ریستوران میں بہت ہی دھیمی روشنیوں کے اندر نو عمر لڑکے اور لڑکیاں اونچے اونچے اسٹولوں پر چڑھے بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد جیوک باکس میں پیسے ڈال کر اپنا پسندیدہ ریکارڈ بجاتے تھے۔ کچھ جوڑے کرسیوں اور میزوں کے درمیان ٹوئسٹ کر رہے تھے۔ یہ ناچ تھا یا کشتی یا کبڈی کی تیاری! سگریٹ کے دھوئیں سے گدلائے ہوئے شیشوں میں یہ سب نظر آ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ آج ہفتہ تھا۔ لوگ عیش کر رہے ہیں۔ کل بھی چھٹی ہے۔ پانچ دن کام دو دن دل بھر کے عیش! جوں جوں رات جوان ہوتی جائے گی ان کے دل بھی جوان ہوتے چلے جائیں گے۔ صبح کو رات بھر کی عیاشی، شراب نوشی، ٹوئسٹ اور دوسرے وحشیانہ رقصوں سے تھک کر گھر جائیں گے اور دوپہر تک سوئیں گے۔

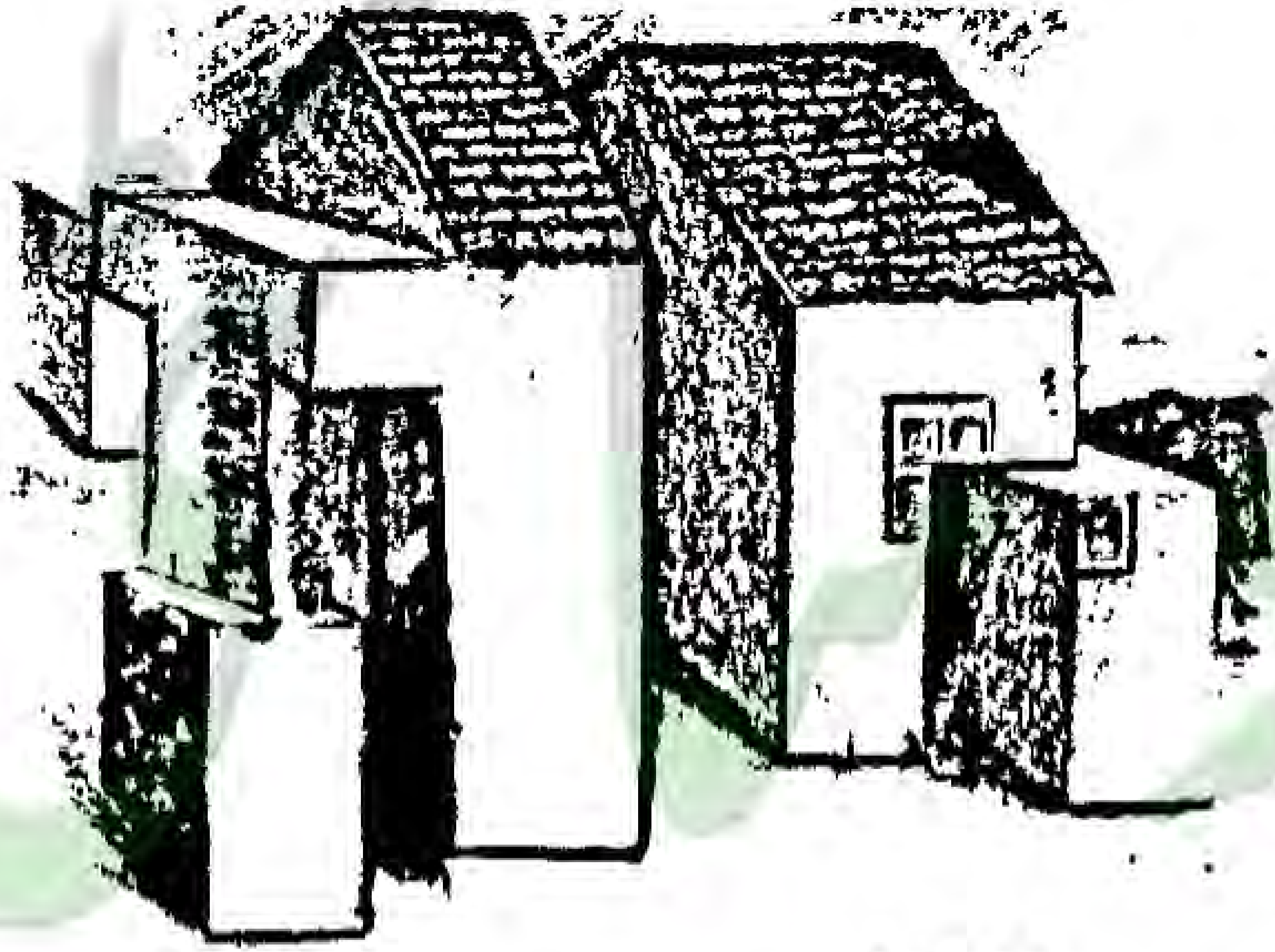
وہ خدا جانے کہاں جا رہا تھا۔ فٹ پاتھ پر دیواروں کے ساتھ بہت سے نوجوان جوڑے، اس نے نظر جھکا لی۔

یکا یک کوئی چیز ایک دم سے اس کے سینہ سے اٹھی اور حلق میں پھنس گئی۔ اس کی کنپٹیاں دکھنے لگیں اور دو تین سسکیاں اس کے منہ سے نکل گئیں۔ آنسوؤں کے قطرے آہستہ آہستہ اس کے گالوں پر بہنے لگے۔ اس کی نگاہوں میں انوار کا زرد چہرہ گھوم گیا۔ جس کے ہونٹوں پر اس نے جاتے وقت بہت عرصہ بعد مسکراہٹ دیکھی تھی۔ وہ اداس تھا لیکن خوشی سے اس کے زرد گال تمتما رہے تھے۔ اس کا لائق اور ذہین بھائی انگلینڈ جا رہا تھا۔ وہ ایک بڑا ڈاکٹر بن کر واپس آنے والا تھا۔ جو سب کے لئے مسیحا ہوگا جسے چھو دے گا اس میں پھر سے زندگی کی لہریں دوڑ جائیں گی۔ زندہ رہنے کی تمنا پھر سے جاگ اٹھے گی۔ فخر سے اس کا کمزور جسم تنا ہوا تھا۔

"انوار میں شرمندہ ہوں۔ میں تمہارے خوابوں کی تعبیر نہ بن سکا اور اب تو میں تمہارے لئے ایک ڈراؤنا خواب بن جاؤں گا جو تم سے رات کی نیند بھی چھین لے گا۔ تمہارے اندر جو ذرا سی زندگی کی رمق اور امنگ باقی ہے وہ بھی مٹا دے گا۔ تم کبھی سرخ آنچل نہیں دیکھ سکو گے۔ مہندی لگے ہاتھ کبھی تمہارا سر نہ سہلا سکیں گے۔ کبھی تم ان ہاتھوں سے پانی نہ پی سکو گے۔ تمہاری پیاس کبھی نہ بجھ سکے گی۔ کبھی بھی نہیں! تم اسی طرح کلرکی کی مشین میں پستے رہو گے انوار۔" آنسو اور تیزی سے لڑھکنے لگے۔

"میں کہاں جاؤں۔ میں کیا کروں۔ شبو تم اپنے بھائی کو اب کبھی نہیں دیکھ سکو گی۔ وہ کبھی بھی ان نمکین پانی کے بڑے بڑے سمندروں کو پار نہیں کر سکے گا۔ اس میں اتنی طاقت کہاں ہے۔ وہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسانوں کے اس وسیع سمندر میں ڈوب جائے گا میا تنا بڑا ملک ہے، یہ اتنے سارے لوگ اور وہ پھر بھی تنہا ہے۔ وہ ان سب کے باوجود اکیلا ہے۔ یہ انسان نہیں بت ہیں، پتھر کے مجسمے ہیں، ریاض بھی ان میں سے ایک مجسمہ ہی نکلا۔ جن سے انسان زخمی تو ہو سکتا ہے، زخم کی دوا نہیں لے سکتا۔ پتھر کیا دکسی کے دکھ مٹا سکتے ہیں۔ میں اندھیرے کا مکین ہوں، میری بہن! روشنی میرے لئے نہیں ہے۔ تم اتنی بڑی امیدیں نہ پالو۔ تاریکی ہی میں سکون تلاش کرو۔ تمہارے گالوں کی زردیاں اب کبھی دور نہیں کر سکوں گا۔ جب تم اپنے قہقہے کھو بیٹھو گی تو پھر میں انہیں واپس تمہارے دامن میں نہ ڈال سکوں گا۔ تمہاری آنکھوں کی شمعیں جب بجھنے لگیں تو میں ان میں جوت نہیں جگا سکوں گا۔ میں روشنی نہیں خرید سکتا۔ یہ سودا بہت مہنگا ہے اور میرے پاس دس پونڈ کے صرف دو نوٹ ہیں اور یہ سڑک بہت لمبی ہے۔ یہ کہیں ختم نہیں ہوتی۔ اسی طرح مڑتی مڑاتی چلی جا رہی ہے۔ جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے دوسری شروع ہو جاتی ہے۔ یہ لندن ہے عجیب بھول بھلیاں شہر ہے۔ یہاں آدمی سب کو بھول جاتا ہے، دوستوں کو، ماں باپ کو، رشتہ داروں کو، خود کو، شاید میں تم سب کو بھول جاؤں، میری بیمار ماں جو اپنا دکھ اور بیماری بھول کر میری کامیابی اور صحت کے لئے ہر دم دست بہ دعا رہتی ہے، اس کا ساتواں بچہ بھی آج مر گیا۔ تم مجھے اب کہاں پا سکو گے۔ شاید میں کسی ہوٹل میں برتن دھوتے اور فرش کی صفائی میں چین تلاش کروں، کون جانے! ہے نا شبو کون جانے! تم نہیں جانتیں میں بھی نہیں جانتا۔" اس کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ بس ایک غبار سا اس کے ذہن پر چھایا ہوا تھا۔ اس کا دل بہت دکھ رہا تھا جیسے کوئی شہ رگ کاٹ رہا ہو۔ زندگی کا رس اس کی نسوں میں سے آہستہ آہستہ نچوڑ رہا ہو۔ چلتے چلتے اس کی ٹانگوں میں درد ہو گیا تھا۔ مزید ایک اور قدم اٹھانے کی سکت نہیں تھی لیکن وہ چلا جا رہا تھا۔ اس کی جیب میں دس پونڈ تھے۔ لندن میں رہنے کا ایک ہفتہ کا خرچ...... اور یہ اتنا بڑا اجنبی شہر۔ اس کے سامنے بڑی بے تعلقی سے پھیلا ہوا تھا۔ چاروں طرف ہلکی ہلکی تاریکی تھی۔ وہ ہزاروں دوسرے لوگوں کے ساتھ اس تاریکی میں گم ہو گیا!!

☆......☆......☆



سائیکل چور

محمد یونس چھوٹانی

انگریز سرکار کے دور میں وقوع پذیر ہونے والا سائیکل چوری کا واقعہ تزک بابری میں جانے کیوں نہ لکھا جا سکا۔ شاید مغلیہ بادشاہوں کو کچھ جلدی تھی یا یہ واقعہ کچھ پہلے رونما ہوا۔ اس ضمن میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، تاہم مؤرخین اس امر کی تحقیق میں ہیں کہ اگر یہ معاملہ کسی تاریخی کتاب میں ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکا تو کسے مورد الزام ٹھہرایا جائے۔

ایک پرائیویٹ یونیورسٹی کے چند طلبہ و طالبات نے باقاعدہ اس ضمن میں تحقیق کی اور یوں پی ایچ ڈی کے دو مقالے تحریر کیے گئے۔ قبل اس کے کہ مذکورہ یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ ان مقالوں پر کوئی کارروائی کرتی اور تحقیق کرنے والے بچوں اور بچیوں کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی جاتیں۔ وہ یونیورسٹی لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر کی نذر ہو گئی، پاک کالونی تھانے کی حدود میں میوہ شاہ قبرستان کی سمت قائم یونیورسٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کی روڈ کٹنگ مشنریوں اور رولر کی زد میں آ گئی۔ اس واقعے پر تحقیق کرنے والے بچے اور بچیاں جن کی عمریں اکتیس اور اڑسٹھ برسوں کے درمیان تھیں۔ جب اگلی صبح یونیورسٹی پہنچ کر جمع ہوئے تو وہاں موجود پولیس اہل کاروں نے پہلے ہلکے لاٹھی چارج اور بعد میں آنسو گیس پھینک کر انہیں منتشر کر دیا۔ یوں سائیکل چوری کے انگریزی تاریخی واقعہ کا تاریخ میں پائے نہ جانے کا جواز جس پر تحقیق کی گئی تھی، لیاری ندی کے ناقابل استعمال پانی کی نذر ہو گیا۔ عینی شاہدین کے مطابق توڑ

پھوڑ کی کارروائی کے دوران چند کاغذات اطراف میں اڑتے ہوئے پائے گئے تھے۔ شاید یہی وہ مقالات تھے۔ کیوں کہ یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم بذریعہ کمپیوٹر تھا۔ اس کے علاوہ اساتذہ اور دیگر اسٹاف کی تنخواہوں اور بونس کے حسابات بھی کمپیوٹر پر ہوتے تھے، لہٰذا کسی اور مد میں وہاں کاغذات کی موجودگی قرین از قیاس تھی۔ اس انہدامی کارروائی سے آنجہانی یونیورسٹی کو ملک کا ایسا پہلا تعلیمی ادارہ ہونے کا اعزاز حاصل نہ ہو سکا جہاں کاغذ اور قلم کا استعمال سرے سے تھا ہی نہیں۔

راقم کی ملاقات پی ایچ ڈی کے انہی طلبہ میں سے ایک باون سالہ طالب علم سے سول اسپتال کے شعبۂ نفسیات میں ہوئی، جہاں وہ زیرِ علاج ہے، اس نے جہاں لیاری ندی کے تقریباً بیچوں بیچ قائم پرائیویٹ یونیورسٹی کا احوال بتایا، وہیں سائیکل چوری کے تاریخی واقعہ کی روداد بھی بتائی۔ وہ صاحب ڈگری نہ مل سکنے کے باعث اس قدر دل گیر ہیں کہ سیدھے اسپتال میں داخلہ لے لیا۔ ہر آنے والے کو وہ انگریزی واقعہ سناتے ہیں۔ اس طرح جہاں ڈاکٹروں کو ان کا علاج کرنے میں سہولت حاصل ہو رہی ہیں، وہیں چہل قدمی کو آنے والے اس امر سے آگاہ ہو رہے ہیں کہ وہ صاحب کسی جائیداد یا لین دین کے چکر میں گھر والوں کے ہاتھوں نہیں پکڑے گئے۔ اس مختصر تمہید کے بعد سائیکل چوری کی روداد اور چور کے پکڑے جانے کی تفصیل ان ہی کی زبانی سنئے۔ (نوٹ: موصوف کی زبان سے نکلنے والے کئی الفاظ اور جملے حذف کر دیئے گئے ہیں تاکہ لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر میں حصہ لینے والوں کی دل آزاری نہ ہو)

تاریخی نوعیت کا یہ واقعہ کسی سازش کے تحت کتابوں میں تحریر نہ ہو سکا، اس کا انکشاف پہلی بار اس وقت ہوا جب پلازہ کے قریب ایک جدی پشتی کار چور نوجوان نے بالکل نئے ماڈل کی کار چوری کر لی۔ وہ اس سے قبل بھی کئی کاریں چوری کر چکا تھا۔ یوں معاشرے میں بے حد عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ کار پہلے ہی سے چوری شدہ تھی۔ لہٰذا چور اول کی نگاہ میں آ گیا۔ یاد رہے، چور حضرات اپنی کاروں کو نہایت احتیاط سے رکھتے ہیں۔ کیوں کہ جانتے ہیں کہ چوری کی وارداتیں بہت بڑھ چکی ہیں، اس چور کی پہنچ بہت اوپر تک تھی۔ کیوں نہ ہوتی وہ پہلے ہی کئی بار کار اور موٹر سائیکل کی چوریوں کے الزام میں گرفتار ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے نوجوان چور کو نہایت باوقار انداز میں قابو میں کیا۔ پھر لاتیں اور گھونسے مارتا ہوا کسی دور کے پولیس اسٹیشن لے گیا۔ اسے قریبی پولیس اسٹیشن میں دو دن ہی ہوئے تھے، کار کی چوری کا پرچا کاٹا گیا، جس پر تفتیش جاری تھی۔

چوں کہ پولیس افسر اور پہلے کار چور کے دیرینہ کاروباری مراسم تھے، لہٰذا اس افسر نے اپنے دوست کی ذہنی کوفت اور تکلیف کو اپنی ذاتی کوفت اور تکلیف سمجھا۔ پھر نوجوان چور کی جو خاطر مدارات کی کہ اس نے نہ صرف اپنے باپ دادا بلکہ پردادا کی چوریوں کی فہرست بھی بتا دی۔ یوں سائیکل چوری کا یہ انگریزی تاریخی واقعہ پہلی بار منظرِ عام پر آ گیا۔ لیکن وہ نئے ماڈل کی چوری شدہ کار ہمیشہ کے لئے منظر سے غائب ہو گئی۔

سائیکل چوری کا یہ واقعہ شاید 1889ء اور 1893ء کے درمیانی عرصے کا ہے، اس وقت اس واقعے نے انگریزی سرکار کو ہلا کر رکھ دیا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس دور میں برطانیہ کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، یوں جب رات ہی نہ ہو تو چوری کا واقعہ کس طرح رونما ہو سکتا تھا۔ اس واقعے کی پاداش میں متعلقہ صوبے کے انگریز گورنر کو مستعفی ہونا پڑا۔ وائسرائے نے اس کی ذمہ داری اپنے سر لے کر مرکز کو لکھ بھیجا کہ میرا جو کرنا ہو کر لو، مجھے وطن نہیں آنا۔

نوجوان چور کے پردادا للڈن میاں شاہ جہان آباد میں چھوٹی موٹی چوری کیا کرتے تھے، اس دور میں ایک ہندو رئیس نے جس کا نام مدن لعل بکالی تھا، جرمنی سے بالکل نئے ماڈل کی سائیکل ہینڈ اسکیم کے تحت درآمد کی تھی، اس سائیکل کے بہت دور دور تک چرچے تھے، ایک روز وہ مندر میں پوجا کرنے گیا تو سائیکل باہر کھڑی کر دی، یاد رہے کہ اس وقت تک سائیکل کے تالے ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ للڈن میاں نے جو یوں سائیکل سڑک پر لیٹی دیکھی تو ان کے منہ میں پانی بھر آیا، سائیکل کتنی نئی تھی، اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مدن لعل نے ابھی اس میں اسٹینڈ بھی نہیں لگوایا تھا۔ للڈن میاں نے وہ سائیکل چوری کی اور چل دیئے۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ سائیکل کے ٹائر میں ہوا نہ تھی، وہ ہوا بھروانے ایک سائیکل پمپ پر گئے۔ یہ پمپ بالکل ایسے ہوتے تھے جیسا کہ اس دور میں پیٹرول پمپ اور سی این جی اسٹیشن ہیں۔ سائیکلوں میں خاص ہوا بھری جاتی تھی جو کہ فرانس سے درآمد کی جاتی۔ وہ ہوا بہت مہنگی تھی۔ ایک پھونک کے آٹھ آنے وصول کر لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہوا پمپوں کے مالک کروڑ پتی ہوتے تھے۔ ان پمپوں کے قیام کے لئے انگریز سرکار سے باقاعدہ اجازت نامہ حاصل کیا جاتا تھا، اس اجازت نامے کی اتنی ہی اہمیت ہوتی تھی جتنی کہ آج کے دور میں اسٹاک ایکسچینج کے بروکر کے کارڈ کی ہوتی ہے۔ جب بھی انگریز سرکار نے ریاستی انتخابات منعقد کرائے، ہمیشہ ہی ٹیکل ہوا پمپوں کے پرمٹوں کے نام پر جو لوٹ مار کی گئی، وہ تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔

للڈن میاں نے ہوا پمپ سے سائیکل کے ٹائر میں پھونکیں ڈلوائیں اور باضابطہ کھینچتے ہوئے اسے اپنے گھر لے آئے۔ اس وقت تک انہیں ڈرائیونگ نہیں آتی تھی۔ آتی بھی کیسے؟ اس دور میں سائیکل ڈرائیونگ انسٹی ٹیوٹ کھولنے کا خیال کسی کے ذہن میں نہیں آیا تھا، اس حقیقت کے باوجود اگر وہ سائیکل چلانا جانتے بھی تو بھی اسے نہ چلا سکتے تھے۔ کیوں کہ سائیکل سواروں کیلئے لائسنس رکھنا اس سے کہیں زیادہ ضروری تھا، جتنا آج کمرشل پائلٹس کے لئے لائسنس رکھنا ضروری ہے۔ ویسے بھی وہ ایک قانون پسند شہری تھے۔ انگریز کا قانون کیوں نہ پسند کرتے؟ وہ دوبارہ جوا کھیلنے، ایک بار بیوی کو پیٹنے اور آٹھ بار چوری کے جرم میں حوالات کی ہوا جو کھا چکے تھے۔ یہی وہ قانون تھا جس کے سہارے ہر بار سیف اینڈ ساؤنڈ باہر آ جاتے۔ ان پر قانون کی پسندیدگی لازم تھی۔

مدن لعل بکالی جیسے ہی پوجا پاٹ سے فارغ ہوا، مندر کے باہر اپنی سائیکل نہ پا کر پریشان ہو گیا، وہ تو مر جاتا لیکن اس دور میں ہارٹ اٹیک کا مرض دریافت نہیں ہوا تھا، فوراً کوتوالی (پولیس اسٹیشن) پہنچا، اس کا خیال تھا شاید صبح ہی مندر کے باہر فٹ پاتھ کو نو پارکنگ ایریا قرار نہ دے دیا گیا ہو اور یوں سائیکل گھوڑے سے کھینچ کر پولیس اسٹیشن لے جائی گئی ہو، وہ واقعہ برصغیر کی تاریخ کا بہت اہم واقعہ ثابت ہوا۔ تحقیقات شروع کر دی گئی، شہر کے آنے اور جانے والے راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ پولیس والے کئی دنوں سے کام نہ ہونے کی وجہ سے آرام کرتے کرتے تھک چکے تھے۔ ان میں سے کئی انگریز سرکار کی کھاتے، لیکن دن بھر فروٹ، سبزیوں اور پکوڑوں کے ٹھیلے لگاتے۔ یوں ریڑھی والے پولیس والوں کی بے جا لوٹ مار سے محفوظ رہتے تھے۔ کیوں کہ سب ایک دوسرے کو اپنے اپنے لگتے۔ تھانہ انچارج نے بازاروں میں گھوم پھر کے تمام سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور شدید نوعیت کی تحقیقات شروع کر دی گئیں۔

ادھر للڈن میاں نے سائیکل اپنے گھر میں چھپا دی اور تھر تھر کانپنے لگے۔ کسی نے بتا دیا تھا کہ برطانیہ اور امریکا نے مل کر کوئی سیارہ خلا میں چھوڑا ہے جو ہزاروں میل دور چوری کی گئی سائیکل کو دیکھ کر بتا سکتا ہے۔ وہ بہت بہادر تھے۔ وہ ہی کیا، اس دور میں لوگ آج کے دور کی طرح بزدل نہیں ہوا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ سائیکل میں ایک پہیہ ہوتا تھا۔ وہ بے خوف و خطر سڑکوں پر انہیں دوڑاتے تھے، بعض لوگ اپنی بیگم کے علاوہ تین تین چار چار بچے بھی ان سائیکلوں پر بٹھا کر سسرال جاتے تھے۔ پھر انگریز

سرکار نے 1921ء میں ایک آرڈی ننس کے ذریعے سائیکلوں کے لئے دو پہیوں کا حکم نامہ جاری کیا، اس سے سائیکل فیکٹریوں کی پیداوار میں پچاس فی صد کمی واقع ہوگئی۔ صنعت و تجارت اور اقتصادی امور ڈویژن کے تحت کمیٹیاں اور کمیشن تشکیل دیئے گئے تاکہ ہونے والی آدمی کمی کی وجوہ تلاش کی جاسکیں۔ وہ تو اللہ بھلا کرے روس کے ایک ماہر معاشیات کا، جس نے اس جانب توجہ مبذول کرائی کہ پہیوں کی پیداوار میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ چونکہ فی سائیکل دو پہیوں کا قانون نافذ کیا گیا ہے، لہٰذا سائیکل کی پیداوار میں پچاس فی صد کمی واقع ہوگئی ہے۔

موجودہ دور میں بھی اگر ہم کاروں، بسوں اور موٹر سائیکلوں کی پیداوار دگنی کرنا چاہیں تو ہمیں کاروں اور بسوں کے لئے دو اور موٹر سائیکلوں کے لئے ایک پہیے کا قانون نافذ کرنا ہوگا، اس ضمن میں سخت نگرانی کی ضرورت بھی ہوگی۔ کہیں لوگ اس قانون کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بغیر پہیوں کی گاڑی بنانا نہ شروع کردیں۔

بات جانے کہاں کی کہاں نکل گئی ہے۔ لڈن میاں نے اس سے پہلے سائیکل چوری نہیں کی تھی۔ اگرچہ وہ تجربہ کار اور ماہر چور تھے، لیکن عموماً مساجد اور مندروں سے چپل، گھروں میں سوکھنے والے کپڑے ہانڈیاں اور بھگونے وغیرہ چوری کرتے تھے، اب وہ پچھتا رہے تھے، جانے کس فرط جوش میں انہوں نے سائیکل پر ہاتھ صاف کرلیا تھا۔

لڈن میاں کی دور اندیشی ملاحظہ فرمایئے۔ کچھ نہ بن سکے تو بندہ کم از کم آہوں اور سسکیوں میں ہی سو جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سونے کے دوران خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ کراچی کی مشہور کباڑی مارکیٹ شیر شاہ نظر آرہی ہے، اشارے کی دیر تھی، صبح اٹھتے ہی سائیکل کے پہیے سے اسپاکس الگ کرلئے، وہیل پر گہرا سرخ کپڑا لپیٹ کر مختلف رنگوں کے دھاگوں کی جھالریں باندھی اور اسے بطور ڈیکوریشن پیس دالان میں لٹکا دیا، جب چاہتے وہیل کراس پر بیٹھ کر جھولتے اور بندروں جیسا مزا لوٹتے، رہی بات وہیل کے اسپاکس کی، ان کے دو دو انچ کے ٹکڑے کرکے خلال یعنی ٹوتھ پک بنالئے۔

اس دور میں لکڑی کے خلال بنانے کی انڈسٹری معرض وجود میں نہیں آئی تھی، بدقسمتی دیکھئے ان کا یہی آئیڈیا ان کے لئے پریشانی کا سبب بن گیا۔

٭ پولیس انچارج (یعنی چیف کوتوال) تحقیق کے لئے ایک ایک گھر ہوتا ہوا ان کے ہاں پہنچا۔ اس وقت وہ خود کپڑا ڈھکے لٹکے ہوئے وہیل میں جھول رہے تھے، پولیس کی تحقیق کے دوران ان کے لئے دوپہر کا کھانا تیار کرنا لازمی تھا۔ منگل ہونے کی وجہ سے گوشت کا ناغہ تھا۔ ناغے کا آرڈی ننس ایک ہفتہ قبل ہی جاری ہوا تھا۔ اگر منگل نہ ہوتا تو انچارج کو سبزی پر ٹرخایا جاسکتا تھا۔ لڈن میاں کی سادگی دیکھئے، انہوں نے اپنے صحن میں گھومنے والا پڑوسی کا مرغا ذبح کرکے اسے کھلا دیا۔ مرغا عمر کی آخری منزلوں پر تھا۔ لہٰذا اس کے گوشت کا ریشہ انگلی بھر موٹا ہوچکا تھا۔ جو انچارج صاحب کے اگلے دانتوں میں بری طرح پھنس گیا۔ ان کی پچھلی داڑھیں نکلی ہوئی تھیں۔ لڈن میاں نے از راہ محبت و ہمدردی دھاتی ٹوتھ پک جو سائیکل کے اسپاکس سے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی، دے دی۔ اس سے انچارج کے دانتوں میں پھنسی ہوئی بوٹی تو نکل گئی، لیکن وہ خود پکڑے گئے۔ اس دور میں ایسے دھاتی خلال امراء شرفا اور انگریز بہادر استعمال کرتے تھے۔ چھوٹے طبقے کے لئے اس کا استعمال تو کجا اسے رکھنا بھی قابل دست اندازی پولیس ہوتا۔ پکڑے جانے کی صورت میں دس برس قید بامشقت کی سزا تھی، لہٰذا انہوں نے اس سے بچنے کے لئے سائیکل چوری کی واردات اگل دی، اس طرح محض ایک برس کے لئے جیل یاترا کو جانا پڑا۔ یوں انگریزی قانون پسندی کا ایک اور جواز انہیں مل گیا۔

☆......☆......☆

ایک عظیم انسان

ڈاکٹر ریاض حسین

اٹک شہر کی بخاری لیبارٹری میں ایک شخص آیا، پریشانی اور گھبراہٹ کا ملا جلا تاثر اس کے چہرے سے عیاں تھا۔

"ڈاکٹر بخاری صاحب ہیں؟"...... اس نے پوچھا۔

"جی! فرمائیں کیا بات ہے؟"...... میں نے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب!"...... اس نے کہا...... "میری بیوی کی حالت سخت خطرے میں ہے۔ براہ مہربانی اس کا خون ابھی اور اسی وقت ٹیسٹ کردیں، لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں کہ مریضہ خون کی شدید کمی کا شکار ہے، اگر اس کو جلدی خون نہ ملا تو اس کی زندگی بچانا بہت دشوار ہوجائے گا!"...... وہ ڈھیر ساری باتیں ایک سانس میں کہہ گیا۔

"ٹھیک ہے"...... میں نے کہا...... "حوصلہ رکھو، اللہ بہتر کرے گا۔ آپ کی بیوی کا ٹیسٹ جتنی جلدی ممکن ہوسکا کردیتے ہیں۔"

چنداں سہل نہ تھا، شفاکت کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے، ان کا بھی خون چیک کیا مگر مطلوبہ گروپ نہ مل سکا، جب میں نے صورت حال سے شفاکت کو آگاہ کیا تو وہ بے چارہ اور پریشان ہوگیا۔

"کوئی اور آدمی ہے آپ کے ساتھ"...... میں نے شفاکت سے پوچھا۔

"میری بیوی کا ایک بھائی ہے"...... اس نے جواب دیا...... "وہ اسی کے پاس موجود ہے، اگر کہیں تو میں اس کو لے آتا ہوں، اللہ کرے کہ اس کے خون کا گروپ اپنی بہن کے گروپ والا ہی ہو۔"

میں نے کہا، اسے فوراً لے آؤ۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک نوجوان کو لے آیا جو خاصا صحت مند تھا اور شکل و صورت سے اسمارٹ تھا، جب اسے بتایا گیا کہ اس کا خون چیک کیا جائے گا اور اگر اس کے خون کے گروپ کی مطابقت اس کی بہن کے خون سے پائی گئی تو پھر اس کی بہن کی جان بچانے کے لئے اسے ایک بوتل خون دینا پڑے گی۔

یہ سن کر گھبرا گیا، اس کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہوگئے، بادل نخواستہ اس نے اپنا خون چیک کرایا، خوش قسمتی سے اس کے خون کا گروپ وہی نکلا جو اس کی بہن کا تھا، یہ نوید سن کر شفاکت خوشی سے اچھل پڑا مگر مریضہ کا بھائی بجھ سا گیا، اس کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔

"بھائی جان"...... اس نے اپنے بہنوئی سے کہا...... "میں ابھی آتا ہوں"...... وہ چشم زدن میں لیبارٹری سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد شفاکت کا چھوٹا بھائی رحمان بلاول آیا، اس نے بتایا کہ رحمت بھاگ گیا ہے، کہتا تھا کہ خون دینے سے انسان کو بھانت بھانت کی بیماریاں لگ جاتی ہیں اور انسان مرجاتا ہے۔

یہ سن کر شفاکت نے سر پیٹ لیا، اس کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہوگئیں، ایک طرف اس کی بیوی بچے کو جنم دینے کے بعد موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھی، دوسری طرف ہزار کوشش کے باوجود خون کا انتظام نہیں ہورہا تھا اور جس کا خون ملا وہ اسے بیچ منجدھار چھوڑ دیا گیا۔ شفاکت نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا، اسے ہر جانب اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا تھا۔

''شفاکت!''...... میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا...... ''اللہ کارساز ہے، ایک راستہ بند ہوجاتا ہے تو کئی اور راستے خود بخود کھل جاتے ہیں۔ اسی شہر میں کئی تنظیمیں ہیں جو مریضوں کے لئے خون مہیا کرتی ہیں، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں، ہوسکتا ہے کہیں سے خون کا انتظام ہوجائے۔''

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ایک ڈاکٹر اس کے ساتھ چلے گا، بہرحال میں اسے ساتھ لے کر کئی تنظیموں کے دفاتر میں گیا، مگر مطلوبہ گروپ کا خون کسی کے پاس نہ تھا، ایک آدمی نے ایک تنظیم کا پتہ بتایا، اس تنظیم کا نام ینگ ویلفیئر سوسائٹی ہے، یہ تربیلا ڈیم کے ساتھ کے ایک گاؤں غازی بلھٹ میں قائم ہے، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، شفاکت نے اپنے چھوٹے بھائی رحمان بلاول کو غازی بلھٹ بھیجا، ہم مریضہ کے پاس اسپتال آگئے، مریضہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی، ڈاکٹر شگفتہ مریضہ کے پاس موجود تھیں، وہ اسے بار بار چیک کررہی تھیں، زندگی بچانے والی Life Saving ادویات کی مدد سے اس کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالا دے رہی تھیں مگر مریضہ پر خون کی کمی کی وجہ سے بار بار غشی طاری ہورہی تھی، چار بیٹیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے اولاد نرینہ سے نوازا تھا مگر اس کی خوشی کو اس کی بیماری نے گہنا دیا تھا شاید خوشی اسے راس نہ آئی تھی، اب تو وہ موت کی دہلیز پر جا پہنچی تھی، ڈاکٹری کے پیشے کا تقدس یہی ہے کہ ڈاکٹر اپنی تمام تر صلاحیتوں بروئے کار لائے اور مریض کی جان بچانے کے لئے سرتوڑ کوشش کرے، چاہے اس کے لئے خود اسے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ ڈاکٹر شگفتہ اس مریضہ کے لئے وہی کچھ کررہی تھیں جو اس مقدس پیشے کا طرۂ امتیاز ہے، ایسا لگتا تھا جیسے وہ موت اور مریضہ کے درمیان سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنی ہوئی ہیں، وہ کبھی مریضہ کی نبض دیکھ رہی ہوتیں تو کبھی مریضہ کا بلڈ پریشر چیک کررہی ہوتیں۔ جب مریضہ کی حالت بہت خراب ہوتی وہ کوئی نہ کوئی ایسا انجکشن لگادیتیں جس سے کچھ دیر اور زندہ رہنے کی صورت پیدا ہوجاتی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی مریضہ کو موت کے بے رحم پنجوں سے چھیننے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔

ایک ایک لمحہ صدیوں پر محیط تھا جیسے تربیلا ڈیم ہزاروں میل دور ہوگیا ہو، اب تو تمام تر امیدیں غازی بلھٹ کی تنظیم کے ساتھ وابستہ تھیں، اگر وہاں سے بھی خون کا انتظام نہ ہوسکا تو...... یہ سوچ کر دل یاس کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبنے لگتا تھا، وقت ساکت ہوچکا تھا، مریضہ کی حالت ایسی تھی جیسے سمندری طوفان میں پھنسی ہوئی کوئی ناتواں کشتی جس کی حیثیت لہروں کے سامنے ایک تنکے سے زیادہ نہ تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مریضہ کی سانس کی ڈوری کمزور سے کمزور تر ہوتی جارہی تھی، جسم سے روح کا پنچھی پرواز کرنے کے لئے پر تول رہا تھا، میں مایوسی کے عالم میں لیبارٹری میں آگیا، جوں جوں دیر ہوتی جارہی تھی امیدیں یاس میں بدلتی جارہی تھی۔

ایک سوزوکی گاڑی لیبارٹری کے سامنے آکر رکی۔ رحمان بلاول تین لڑکوں کے ہمراہ اترا۔ دو لڑکے پہلے لیبارٹری میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے بتایا کہ ان کے خون کا وہی گروپ ہے جو مریضہ کو درکار ہے، وہ خون کا عطیہ دینے آئے تھے، مجھے ایسے لگا جیسے آسمان سے فرشتے اتر کر آگئے ہوں، میں نے فوراً ان کا گروپ کنفرم Confirm کیا، پھر Emergency Matching کی اور دونوں کو بیڈ پر لٹادیا۔

ان سے دو خون بوتلیں حاصل کی گئیں اور مریضہ کو بغیر وقت ضائع کئے بھیج دی گئیں، تھوڑی دیر بعد ہم خود بھی وہاں پہنچ گئے۔ مریضہ کو خون لگ چکا تھا، رفتہ رفتہ اس کی حالت بہتر ہورہی تھی، نوجوانوں کے اس طاقتور اور صحت مند خون نے اسے نئی زندگی دے دی تھی۔ موت کے مہیب سائے اس کے سر پر چھٹ چکے تھے، اس نے آنکھیں کھولیں، ہم سب کو دیکھا، پھر اس کی نگاہیں شفاکت پر مرکوز ہوگئیں، پھر تمام قوتیں مجتمع کرکے اس نے اپنے خاوند سے کہا، بیٹا مبارک ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ گئے۔ اسے شاید معلوم ہی ہوگا کہ وہ موت کے منہ سے نکل کر آئی ہے۔

جن لڑکوں نے خون دیا تھا وہ پاس ہی کھڑے تھے، مریضہ سے ان کا کوئی رشتہ نہ تھا، وہ تو اسے جانتے تک نہ تھے، مگر وہ تو فرشتے تھے، جو اس کی زندگی بچانے چلے آئے تھے، ان کے چہروں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی، ان کے چہروں پر ایسا نور تھا جو اربوں روپے لگا کر بھی نہیں لایا جاسکتا۔ جو خوشی انہیں ملی اس کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔ جو قربانی انہوں نے دی اس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے کوئی کرنسی اس دنیا میں موجود نہیں۔

شفاکت کے منہ سے تو مارے خوشی اور شکر گزاری کے بات نہیں نکلتی تھی، شفاکت کے خاندان کی عورتیں ان کی بلائیں لے رہی تھیں، انہیں ہزاروں دعائیں دے رہی تھیں۔ وہ واقعی آسمان سے اتری ہوئی مخلوق لگ رہے تھے، شفاکت اور رحمان بلاول جتنی احسان مندی ظاہر کررہے تھے، وہ دونوں لڑکے اتنے ہی شرمائے جارہے تھے، ان میں سے ایک لڑکے کا نام شبیر عادل تھا، ان دونوں کو بڑے عزت واحترام کے ساتھ تربیلا روانہ کیا گیا۔

چند دن بعد اس تنظیم کے سربراہ ریاست علی سے میری ملاقات ہوئی، اس نے انکشاف کیا کہ شبیر عادل نے اٹھارویں مرتبہ خون کا عطیہ دیا ہے، یہ سن کر میں انگشت بدنداں رہ گیا کہ اتنی چھوٹی عمر میں اس لڑکے نے اتنی مرتبہ خون دیا؟ واقعی وہ فرشتہ نہیں بلکہ عظیم انسان ہے۔

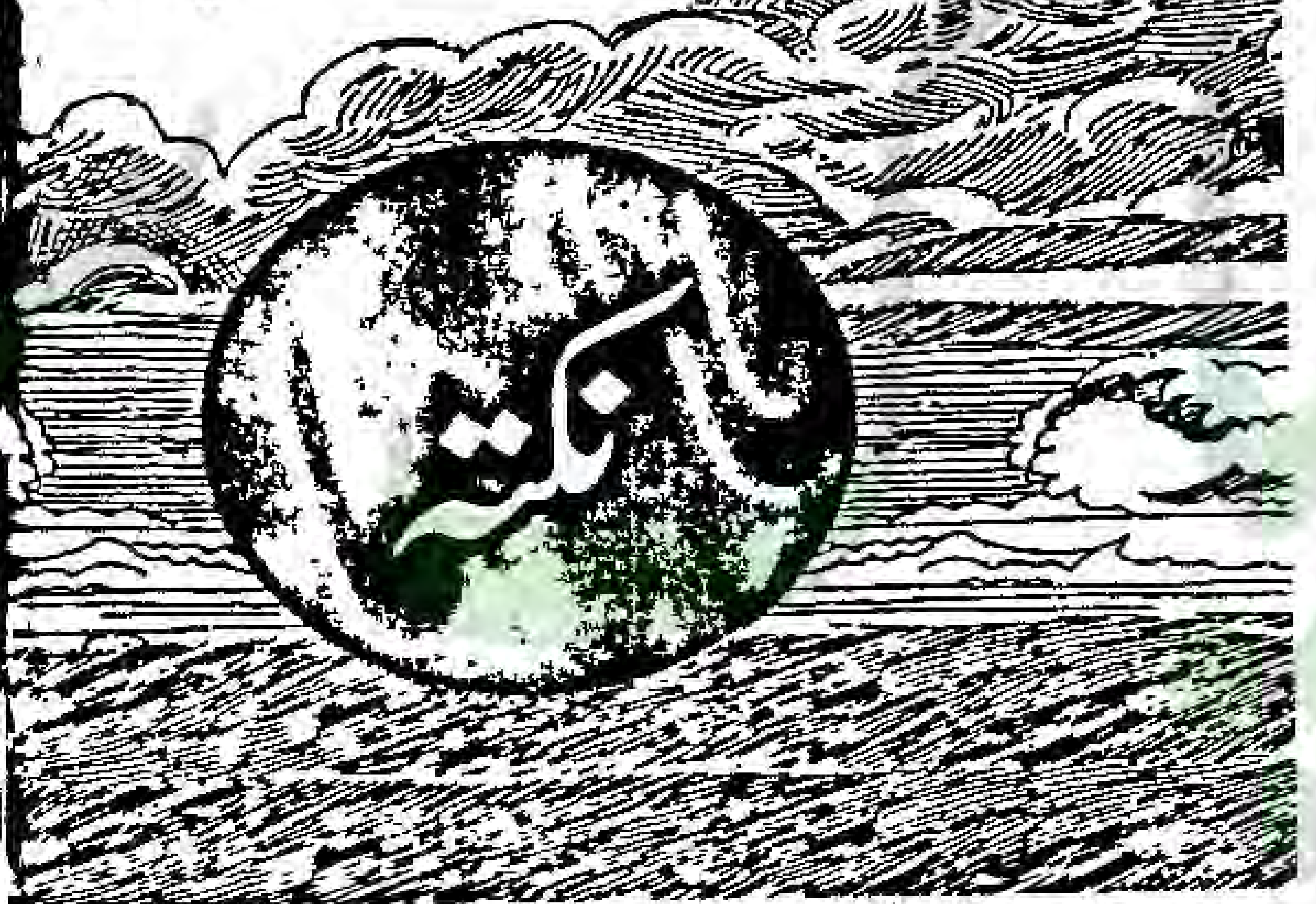
فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا

قارئین کرام نے خون چوسنے والے لٹیروں کی کہانیاں تو بہت پڑھی ہوں گی، آج ایک خون کا عطیہ دینے والے عظیم انسان کی سچی کہانی شاید انہیں زیادہ اچھی لگے۔

کہانی کے آغاز میں نے بتایا تھا کہ مریضہ کا سگا بھائی اپنی بہن کو خون دینے سے انکاری ہوگیا تھا اور موقع سے ہی غائب ہوگیا تھا، ایسا اکثر ہوتا ہے کہ عام لوگ خون کا عطیہ دینے میں لیت ولعل سے کام لیتے ہیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پیروں اور عطائیوں نے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ خون ہی تو انسان کی زندگی ہے، خون دینے سے انسان درخت سے ٹوٹی ہوئی شاخ کی مانند سوکھ جاتا ہے، انواع واقسام کی بیماریاں اسے گھیر لیتی ہیں، یہ ایک ایسا زہریلا پروپیگنڈہ ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ خون کا عطیہ دینے سے کتراتے ہیں۔

میں بحیثیت ایک ڈاکٹر کے کہتا ہوں کہ خون کا عطیہ دینے سے صحت پر کسی قسم کے منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے بلکہ بعض حالات میں تو خون کا عطیہ دینا انسان کو کئی بیماریوں سے نجات دلاتا ہے۔ کوئی بھی ڈاکٹر کسی انسان کا خون نہیں نکالتا جب تک وہ اس کی Fitness سے مطمئن نہ ہو، ایک صحت مند آدمی سال میں تین سے چار مرتبہ تک خون دے سکتا ہے، یہ وہ نیکی ہے جس کا بدلہ دنیا میں ممکن نہیں، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آپ کہیں جارہے ہوں اور اللہ نہ کرے آپ کا ایکسیڈنٹ ہوجائے یا پھر کوئی ایسی بیماری لاحق ہوجائے کہ آپ کو خون کی ضرورت پڑ جائے، ایسا وقت آنے سے قبل ہی اپنے خون کی زکوٰۃ دے دیں تاکہ کل آپ کا نام خون کا عطیہ دینے والوں میں شامل ہو نہ کہ لینے والوں میں۔

سعید اختر ملک



بابا جیون خان میرے چھوٹے سے گاؤں کا لوہار تھا اور بڑھئی بھی، لمبا قد، چوڑا چکلا سینہ، چہرے پر سفید داڑھی اور سر پر ہر وقت ایک اجلی سی پگڑی بجی رہتی تھی۔

وہ پانچوں وقت کا باجماعت نمازی تھا، اس کے دھیمے لہجے میں متانت اور شائستگی کا عنصر ہمیشہ غالب رہتا تھا۔ وہ جب بھی گھر سے باہر قدم رکھتا اور گلی میں پاس سے گزرنے والا خیر و عافیت پوچھتا تو ڈھیروں دعاؤں اور دور بلاؤں کی پوٹلیوں کا گویا منہ کھل جاتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے گاؤں کی بہت ساری عورتیں اس یقین اور اعتقاد کے ساتھ اس کے پاس مرغے حلال کروانے کے لئے آتیں کہ بابا جیون کے ہاتھوں ذبح کی ہوئی مرغی کے گوشت کی پاکیزگی اور لذت کا کوئی جواب نہیں۔ اس کے چھوٹے سے صحن میں صبح منہ اندھیرے ہی گاؤں کے چھوٹے بڑے ہر عمر کے لوگ کاندھوں پر کیکر، پھلاہ اور کھو کی لکڑیاں اٹھائے اپنے اپنے ہل، پھالی، پنجالی، مانجھا، کراہ، ترینگل وغیرہ مرمت کروانے کے لئے اکٹھے ہوتے جاتے اور ایک نیم دائرے کی شکل میں بابا جیون کے اردگرد بیٹھ جاتے۔ ان میں سے بعض آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے کچھ اپنی کمر اور گھٹنوں کے اردگرد اپنے اپنے چکے لپیٹ کر انہیں مخصوص انداز میں کس کر اور گرہ لگا کر جاتے اور دنیا جہان کے موضوعات زیر بحث لاتے جاتے۔ نظریں بار بار آسمان کی جانب اٹھتیں اور بادل کے ٹکڑوں اور رنگت کا قیاس کرتے ہوئے بارشوں کی آس لگائی جاتی۔ بعض شہر پلٹ نوجوان مختلف سائنسی ایجادات اور کمالات کا ذکر کر دیتے تو کئی بوڑھوں کے منہ حیرت و استعجاب سے کھلے کے کھلے رہ جاتے۔

بابا جیون ہمیشہ اپنے کام میں جتا رہتا۔ دائرے میں موجود ہر شخص کی حرکات و سکنات پر نظر مرکوز رہتیں۔ اسے جب بھی کسی مخصوص اوزار کی ضرورت پڑتی تو وہ فقط اس کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھتا اور پھر فوراً کئی ہاتھ لپکتے اور وہ اوزار اس کے ہاتھوں میں جا پہنچتا۔ وہ بہت کم بولتا تھا

ہل وغیرہ سے کسی کی بات پر مسکرا دیتا۔ ہاں البتہ جب بابا فتح دین اور بابا مہر خان لاٹھیوں کو ٹیکتے اور ایک دوسرے کو ٹھوکتے ہوئے صحن میں داخل ہوتے تو پھر ہنسی مذاق اور قہقہوں کا ایک "گھڑمس" سا بچ جاتا۔ ایسے میں بابا جیون اپنے اوزار پھینک کر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہونے لگتا اور جب اس کی ہنسی..... کھانسی میں تبدیل ہونے لگتی تو وہ پھر اپنے کام میں جت جاتا۔ ایسے موقعوں پر موجود نوجوان ان دونوں بوڑھوں کی چھیڑ چھاڑ اور بذلہ سنجی سے خوب محظوظ ہوتے۔

بابا جیون کی بیوی کسی کی اماں تھی، یا کسی کی دادی، پھوپھی، ماسی یا بہن، غرضیکہ ایسے کون سے رشتے تھے جو اس سے منسوب نہ تھے، وہ اکثر اوقات صحن میں ہلکے ہلکے جھاڑو دیتے ہوئے دائرے کے پاس آ کر بڑے غیر محسوس طریقے سے اس میں شامل ہو جاتی اور گھنٹوں ان سب کی باتوں سے لطف اٹھاتی رہتی۔ ان کے صحن میں داخل ہونے والا ہر شخص ایک دوسرے سے مانوس ہوتا تھا اور ہر آنکھ سے اپنائیت کا نور برستا رہتا تھا۔

البتہ دوپہر کو عام طور پر گاؤں کی عورتیں پیڑھی، مدہانی، گھڑونچی، چرخہ، پنگھوڑے وغیرہ مرمت کروانے کے لئے ان کے گھر آتیں۔ تو پھر بابا جیون کی بیوی جان محفل بن جاتی۔ اکثر خواتین کے سر پر یا بغل میں ایک آدھ ایلومینیم کی دیگچی ضرور ہوتی جس میں مناسب مقدار میں دودھ، دہی، مکھن کا پیڑہ یا تازہ بنی ہوئی بوالی وغیرہ ہوتی۔ بعض تو بابا جیون کی بکریوں کے لئے سبز چارے کی گٹھڑی یا بیری کی دو چار ہری بھری شاخیں جنہیں عرف عام میں "لانگی" کہا جاتا تھا بھی لئے چلے آتیں۔ اس دوران جب گاؤں کے سارے دکھ پل بھر میں پلکوں میں منڈھیروں سے چھلکنے لگتے تو پھر انہیں میلے دوپٹوں کے پلوؤں سے لپیٹ لپیٹ کر رکھ لیا جاتا۔

بابا جیون کے لئے سال بھر میں اٹھائی جانے والی فصلوں کا ایک مخصوص حصہ مقرر ہوتا تھا اس کے گھر میں گندم، چنے، جو، جوار اور باجرہ کی اتنی بوریاں اکٹھی ہو جاتیں کہ بسا اوقات سمیٹنا مشکل ہو جاتا۔ بلکہ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ سردیوں کے موسم میں چھوٹے زمیندار بابا جیون سے غلہ خرید کر یا ادھار لے کر اپنی ضرورت پوری کر لیتے تھے۔ ہر دیکھتی آنکھ نے اس گھرانے کو ہمیشہ خوشحال پایا۔

وقت کا پہیہ چلتا رہا اور پھر اس کے ایک بیٹے جمال خان نے میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کر لیا اور شہر میں ایک سرکاری ملازمت اختیار کر لی جبکہ دوسرے دو بیٹوں کمال خان اور حیات خان نے گاؤں کے باقی تمام لڑکوں کی طرح پڑھائی پر کوئی توجہ نہ دی۔ تو بابا جیون نے انہیں اپنے ساتھ کام پر لگا لیا۔

اور پھر تینوں بیٹوں کی شادیاں بھی بڑے دھوم دھام سے کر دیں۔ جمال خان دو تین مرتبہ خلیجی ریاستوں کا چکر لگا آیا۔ تو ہر فرد کی کلائی پر چمکتی گھڑی اور چار چار بینڈ والے ریڈیو نے گھر کی پوری فضا ہی بدل ڈالی۔ جمال خان نے شہر میں ایک خوبصورت گھر بنوایا..... بوڑھا باپ اپنے بیٹے کے لائق فائق ہونے کی تعریفیں کرتے کرتے نہ تھکتا تھا۔ اس کی اجلی سی پگ میں اب دو تین بل اور بڑھ گئے تھے، جمال خان اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر کی پرتعیش زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ اور اس کے بچے کبھی کبھار جب عید کی چھٹیاں منانے گاؤں آتے تو کمال اور حیات خان کی بیویاں اور بچے انہیں رنگ برنگے اور انگریزی تراش خراش کے لباس میں دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے۔

رشک، حسد اور اجنبیت کی ایک نامعلوم سی دیوار ان کے بیچ کھڑی ہونا شروع ہو گئی تھی، پھر یوں ہوا کہ کمال اور حیات کی بیویوں نے باقاعدہ خود کو حقیر و پست گرداننا شروع کر دیا، گھر میں کشیدگی اس قدر بڑھتی چلی گئی کہ بالآخر بابا جیون نے اپنے بیٹوں کو بلا کر انہیں اپنی مرضی کے فیصلے کرنے کو کہہ دیا۔ کمال اور حیات

خان نے بیویوں کی نوکیلی دلیلوں کے سامنے ہتھیار پھینک ڈالے اور قریبی شہر میں بچوں سمیت منتقل ہوگئے۔ ماڈرن ازم کا وہ چور جس نے جمال خان کی شہر کی کوٹھی میں جنم لیا تھا، اب اس پورے گھرانے کے ہر فرد کے ذہن میں تیزی سے پروان چڑھنے لگا۔

کمال اور حیات جب صبح سویرے کام پر نکلتے تو خاکی رنگ کے بیگ میں اپنے اوزار رکھ کر کاندھے پر لٹکاتے ہوئے یک گونہ خوشی کی لہر محسوس کرتے، ان کے لاشعور میں جمال خان کا مقررہ اوقات میں بن سنور کر دفتر جانا سما گیا تھا اور اسی طرح شام کو مخصوص اوقات میں واپسی بھی ان کے لئے ایک وجہ اطمینان بن گئی، انہیں اس خیال سے بڑی کوفت اور جھنجلاہٹ ہوتی تھی کہ گاؤں میں کام کرنے کے کوئی اوقات مقرر نہیں کئے گئے تھے، جب بھی کسی کا جی چاہتا تو منہ اٹھائے گھر میں کام کروانے گھس آتا اور پھر فوری معاوضہ کا بھی کوئی تصور نہیں تھا۔ اب شہر میں کم از کم اس احساس اور عذاب سے تو جان چھوٹ گئی تھی۔

دونوں بھائی کبھی کبھار گاؤں آتے تو بڑے غرور کے ساتھ کاندھے پر لمبے لمبے رنگین تولیے ڈالے، ہاتھوں میں انگریزی صابن کی ٹکیاں لئے گاؤں کی جامعہ مسجد میں غسل کے لئے روانہ ہوتے تو ان کی چال دیدنی ہوتی تھی۔ صاف ستھرے اجلے اور کلف لگے کپڑے پہن کر گویا وہ اپنے پچھلے سارے شرمندہ ماضی کا قرض اتار رہے ہوتے تھے۔

بابا جیون پر باقاعدہ حکم صادر کر دیا گیا تھا کہ وہ آری تیشے کو اب ہاتھ نہیں لگائے اور نہ ہی گاؤں میں اس کی پہچان بطور لوہار یا بڑھئی ہوگی۔ بابا جیون اپنے جوان ہمت بیٹوں کی دلیلوں کی یلغار کے سامنے ہتھیار ڈال بیٹھا تھا، اسے خود کیا معلوم تھا کہ زندہ رہنے کے لئے دولت کے علاوہ بھی کسی اور شے کی ضرورت پڑتی ہے۔

جب تک اس کے بیٹے اور پوتے پوتیاں گاؤں میں رہتے تو بابا جیون اور بڑی اماں کے صحن میں رونقیں پلٹ آتیں اور کھنکتے قہقہے ان کی سماعتوں میں رس ٹپکاتے رہتے، لیکن ان کے واپس شہر جانے کے بعد بڑی اماں کو کھانسی کے شدید دورے پڑنے لگ جاتے، بابا جیون سارا دن چارپائی پر لیٹا عجیب عجیب سوچوں اور وسوسوں میں گھرا رہتا، وہ مسجد میں اب اور بھی اہتمام کے ساتھ جانے لگا تھا۔ مسجد میں جا کر دیر تک تسبیح کے دانے رولتا رہتا لیکن وہ اب شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگا تھا کہ لوگ اتنی جلدی نماز پڑھ کر گھروں کو کیوں لے جاتے ہیں؟

وہ جب مسجد میں اکیلے بیٹھے بیٹھے تھک جاتا تو گھر کی جانب بادل نخواستہ روانہ ہونے لگتا تو اسے احساس ہونے لگتا تھا کہ اس کے پاؤں میں کسی نے بھاری بھرکم زنجیر ڈال دی ہو۔ اس کے چاہتے ہوئے بھی گھر کا فاصلہ بہت جلد ختم ہو جاتا، وہ گھر پہنچتے ہی اگلی نماز کا پھر سے انتظار کرنے لگ جاتا، اس خیال سے وہ آنکھیں بھی نہ موندتا، کہ مبادا اس کی آنکھ لگ جائے اور نماز میں دیر ہو جائے، گاؤں میں اس کے لئے مصروفیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی۔

گاؤں کے زمیندار اور اس کے دوسرے ہم عمر سارا سارا دن کھیتوں میں نکل جاتے اور شام ڈھلتے ہی اپنے اپنے گھروں میں چارپائیوں پر ڈھیر ہو جاتے۔

بابا جیون کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ گاؤں یکا یک سنسان کیوں ہو گیا ہے، دونوں کی رونقوں کو نہ جانے کون سا سانپ نگل گیا ہے، دونوں بوڑھے میاں بیوی اب ذرا ذرا سی بات پر آپس میں الجھ پڑتے اور کئی کئی دن اپنے پوتے پوتیوں اور بیٹوں سے ملنے شہر جانے کے لمبے چوڑے پروگرام بنانے لگ جاتے۔ جب وہ پورے اہتمام کے ساتھ شہر میں اپنے بیٹوں کے گھروں میں پہنچ جاتے تو پوتے پوتیوں کو دیوانہ وار چوم کر بے حال ہو جاتے۔ لیکن انہیں جلد ہی احساس ہونے لگ جاتا کہ بچوں کی آنکھوں میں محبت وانسیت

کے بجائے ویڈیو گیمز، کمپیوٹر اور ٹی وی پروگرام کی اتنی ڈھیر ساری تصویریں جھلملا رہی ہوتی ہیں کہ کوشش کے باوجود بچوں سے اپنے بوڑھے دادا، دادی کی تصویر ذہن کے کسی بھی چینل پر ٹیون نہیں ہو پاتی تھی۔ بیٹے روز مرہ کے معمولات میں اس قدر کھو گئے تھے کہ ان کے پاس اپنے والدین کے لئے ذرا بھی وقت نکالنا محال ہو گیا تھا۔ شام ڈھلے جب وہ گھروں کو لوٹتے، تو بار بار ان سے علی الصبح گاؤں جانے والی ویگن کا ٹائم پوچھنے لگتے، اور پھر یوں وہ دل پر ہاتھ رکھ کر آزردہ واپس گاؤں لوٹ آتے۔ یہ وہ دکھ تھا جو کسی دوسرے کو بتا بھی نہیں سکتے تھے۔

پچھلے دنوں گاؤں میں بابا جیون سخت بیمار پڑ گیا۔ گلی میں سے گزرتے ہوئے اس کی شدید کھانسی کے دورے کی آواز سنی تو میں بے اختیار اس کے گھر میں داخل ہو گیا۔ بابا جیون کی چارپائی کی پائینتی کی جانب بیٹھ کر جب میں نے حال احوال اور دوا دارو کا پوچھنا شروع کیا تو بابا جیون کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک جھڑی لگ گئی، پھر کانپتے ہونٹوں کے بیچوں بیچ مجھے سنائی دیا، بیٹا، ہماری سگی اولاد نے ہم سے ہماری زندگی چھین لی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کی زندگی بسر کریں، یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ ویسے بھی سچی بات تو یہ ہے کہ جب عورت مرد کی عقل پر راج کرنے کی کوشش کرنے لگے تو گھر یونہی برباد ہو جایا کرتے ہیں!

لیکن بابا جیون! یہ ہماری بڑی اماں جی بھی تو، ایک عورت ہیں! میں نے بابا جیون کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

نہیں نہیں بیٹے!! انہوں نے تو عقل پر نہیں، دل پر راج کیا ہے اور آج کی پڑھی لکھی عورت یہی نکتہ تو بھول گئی ہے! بابا جیون بولے جا رہے تھے۔

اور پھر میں نے دیکھا کہ بڑی اماں جو کافی دیر سے آنکھیں موندے چپکے چپکے ہماری باتیں سن رہی تھی، دفعتاً اٹھ بیٹھی اس نے اپنے میلے تکیے کے نیچے سے دستی پنکھا اٹھایا اور پھر بے دھیانی میں اتنی زور زور سے پنکھا جھلنے لگی کہ اس کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بابا جیون کے کندھوں سے ہوتی ہوئی سارے کمرے میں پھیلنے لگی تھی!!

☆……☆……☆

ساس بہو کا جھگڑا

ساس بہو کے جھگڑے تو اب پرانی بات ہو چکے ہیں۔ یہ دراصل اقتدار کی جنگ ہوتی ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ وہ تمام خوبیاں جو ایک اچھے داماد میں ڈھونڈی جاتی ہیں، بیٹے میں پیدا ہو جائیں تو خامیاں بن جاتی ہیں، اسے زن مرید اور جورو کا غلام جیسے خطابات سے نوازا جاتا ہے اور بہو پر فی الفور الزام لگ جاتا ہے کہ ضرور اس نے بیٹے کو الّو کا گوشت کھلا دیا ہے۔

آج کل خواتین مردوں کی برابری کی دعویدار ہیں اور کئی ملکوں پر حکومت بھی کر رہی ہیں، اس کے باوجود وہ ساس بہو کے ابدی چکر سے نہیں نکل پائیں۔ ساس چاہے اندرا گاندھی ہو یا ملکہ برطانیہ اور بہو چاہے مانکا ہو یا ڈائنا۔ ساس بہو کے رشتے میں ساری چوکڑی بھول جاتی ہے اور بلبلا کر ایک دوسرے کو کوسنے لگتی ہیں۔ اس ضمن میں ایک چینی کہاوت لاجواب ہے کہ جب میں بہو تھی تو ساس اچھی نہیں ملی اور اب ساس ہوں تو بہو اچھی نہیں ملی۔

بہو بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بہو اور دوسری ہو بہو۔ بہو وہ ہوتی ہے جو ساس نندوں کے آگے بھی زبان نہیں کھولتی۔ ہر کڑوی کسیلی بات خندہ پیشانی سے سہ لیتی ہے اور ہو بہو وہ ہوتی ہے جو اپنی ساس کے نقش قدم پر چلتی ہے اور کچھ ہی دنوں میں وہ ہو بہو اس کی نقل بن جاتی ہے، پھر وہ معرکے ہوتے ہیں کہ پڑوسی گھنٹوں سوچتے ہیں کہ ساس کون ہے اور بہو کون؟؟

☆……☆……☆

خوابوں کی تعبیر

مولانا عبداللہ صفدر

''خوابوں کی تعبیر'' اور'' آپ کے مسائل کا حل'' الحمدللہ ان دونوں نئے سلسلوں کی پذیرائی ہوئی اور اچھا رجحان ملا، فون پر بھی لوگوں نے رابطے کئے۔ ماہنامہ حیا کے قارئین اور قاریات سے گزارش ہے کہ'' آپ اپنے مسائل'' اور'' خوابوں کی تعبیر'' خط کے ذریعہ بھیجئے، خط لکھنے میں چند باتوں کا خیال ضرور رکھئے گا۔

☆.....تحریر صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔ ☆.....ایک صفحہ پر ایک سوال، یا ایک خواب تحریر کریں۔ ☆.....تحریر صاف اور واضح ہو۔ ☆.....لفافہ پر'' آپ کے مسائل کا حل'' یا'' خوابوں کی تعبیر'' ضرور لکھیں۔

نوٹ: جن خوابوں کی تعبیر کی اشاعت شمارہ میں نہ ہوگی ان کو تحریری جواب بھیج دیا جائے گا۔ جوابی لفافہ لازمی اپنے خواب نامہ میں رکھیں۔

خواب:.....میں نے خواب دیکھا کہ میرے گھر کے ایک کمرے میں والد صاحب آتے ہیں تو میں ان کی طبیعت پوچھتی ہوں، وہ مجھے امرود کی ٹوکری دیتے ہیں جس میں کچے اور پکے دونوں قسم کے امرود ہوتے ہیں، کہتے ہیں، یہ کھالو اور رکھ بھی لو اور کھانے کا پوچھتی ہوں تو وہ منع کر دیتے اور وہیں بیڈ پر آرام کرنے کے لئے لیٹ جاتے ہیں، میں ان کا سر دباتی ہوں تو وہ سو جاتے ہیں، اچانک گلی میں مجھے اپنے چچا (مرحوم) کی آواز آتی ہے تو میں فوراً بھاگ کر دروازہ کھول کر انہیں آواز دیتی ہوں، وہ بالکل سفید کپڑے جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں (قمیص اور تہبند) پہنتے تھے، کھڑے ہیں، جیسے وہ سیدھا جا رہے ہوں، اچانک میری آواز سن کر وہ ہمارے اسی کمرے میں آجاتے ہیں، جہاں ابو سو رہے تھے، وہ آتے ہیں تو میں ان کو بٹھاتی ہوں، ان کو بتاتی ہوں کہ بڑے ابو (میں ان کو یہ بھی کہتی تھی) آج میں نے کڑاہی گوشت بنایا ہے، میں لے کر آتی ہوں، وہ منع کرتے، میں پھر بھی لے کر آتی ہوں، وہ پوچھتے ہیں، کیا بھائی یعنی (میرے والد صاحب) نے کھانا کھایا نہیں، تو میں ان کو بتاتی ہوں جی نہیں، وہ سو گئے، آرام کرنے کے لئے وہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں، شوق سے میں ان کو کہتی ہوں، بڑے ابو یہ امرود بھی کھانے ہیں، وہ منع کرتے رہتے ہیں، مگر میں زبردستی اچھے اچھے دو امرود نکال کر کاٹ کر لاتی ہوں اور انہیں کھلاتی ہوں، پھر وہ کہتے، بھئی

اب میں جاؤں، بھئی ہماری چھوٹی سی دادی اماں پیار سے کہتے ہوئے جانے لگے، پھر میں ان کو دیکھتی ہوں، وہ چلے جاتے ہیں، پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے، یہ خواب صبح صادق کا ہے۔ (یہ خواب میں نے اپنے ان ہی چچا مرحوم کے انتقال کے دس یا پندرہ دن بعد دیکھا تھا) آپ تعبیر بتادیں؟

(یاسمین سردار، جامعہ عباسیہ، کراچی)

تعبیر:..... ماشاء اللہ اچھا خواب ہے آپ کے چچا مرحوم اگلے جہان میں خوش وخرم ہیں، مگر آپ حضرات کی طرف سے ایصال ثواب ان کو پہنچتا ہے مگر ایصال ثواب میں کچھ غیر شرعی طریقے بھی داخل ہو جاتے ہیں، ان سے اجتناب فرمائیں، نیز اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے گھرانے سے آپ کے چچا مرحوم کا دوسروں کے نسبت قلبی تعلق زیادہ تھا، مردوں کا زندہ کے احوال پر اجمالی طور پر مطلع ہونا ثابت ہے۔ واللہ اعلم

☆.....☆.....☆

ویسے تو کبھی بھی کسی خواب کے بارے میں مجھے اتنی تشویش نہیں ہوئی کہ میں اس کی تعبیر ضرور پتہ کروں مگر اب میں جو خواب بیان کرنا چاہتی ہوں، یہ جب سے میں نے دیکھا ہے عجیب بے چینی سوار ہے، ہر وقت ذہن اسی طرف اٹکا رہتا ہے، پہلے بھی دو یا تین بار مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے۔ (الحمدللہ) مگر اب کی بار بڑا فکرمند کر دینے والا معنی خیز خواب دیکھا ہے، براہ کرم اس کی تعبیر بتلا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

خواب:.....میں نے خواب دیکھا کہ روضہ مبارک ہمارے گھر کی چھت پر ہے اور خواب میں ہی میری خوشی قابل دید تھی، میں خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی، بڑی خوشی تھی کہ اب ہر وقت زیارت کیا کریں گے، دعائیں مانگا کریں گے، نہ یہاں لوگوں کا جم گھٹا ہے، اچانک وہ یہ ہوا جس سے میرا دل لرز گیا، میری بڑی سسٹر نے اس پر جمپ لگا کر اس پر چڑھ گئیں، مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ ناقابل بیان ہے، میں نے اسے کھینچ کر اتارا، جب وہ اتر گئی تو میں نے دیکھا کہ قبر مبارک کے اوپر لوہے کا پترا سا ہے۔ (آڑ کے لئے) وہ درمیان سے اوپر کو اٹھ گیا، اس میں خلا پیدا ہو گیا، اس خلا میں سے قبر مبارک اندر سے نظر آنے لگی، اس پر یعنی اندر قبر پر گلاب کے سرخ پھول سجا کے رکھے ہوئے تھے، مجھے اپنی بہن کے فعل پر بہت زیادہ دکھ تھا، اچانک قبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے، میں ذرا خوف زدہ سی ہو کر پیچھے ہٹ گئی کہ نجانے کیا وجہ ہے؟ اتنے میں میری اسی بہن کو پکڑ کر اس کے سہارے سے وہ آگے کو چل پڑے، تھوڑا سا آگے آئے تو میں اتنا زیادہ خوش ہوئی کہ اللہ کے رسول ہیں، میں عقیدت سے کبھی ان کے کپڑے پکڑتی کبھی اس انداز میں ان کی ٹانگ پکڑ لیتی جیسے مجھے یہ خدشہ ہو کہ یہ چلے نہ جائیں اور قابل تشویش بات یہ کہ وہ عورت تھی، اس نے ہلکا میک اپ بھی کیا ہوا تھا، میں بار بار غور سے دیکھ بھی رہی ہوں کہ یہ عورت ہے، مگر مجھے پختہ یقین ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، اس کا رنگ سانولا تھا، میں مسلسل درود پاک پڑھے جا رہی تھی کہ اللہ کے رسول خوش ہوں گے اور وہ واقعی اتنا خوش ہو رہی تھی اور کبھی وہ میرے گدگدی کرتی، کبھی مجھے طرح طرح چھیڑتی اور مجھے یہی خیال ہو رہا تھا، خواب میں اس وقت میرے ذہن میں یہی بات تھی تسلسل کے ساتھ کہ یہ مجھے درود پاک پڑھنے سے روکنا چاہتی ہے، اسے میں اپنے الفاظ میں یوں کہوں گی کہ وہ میرے درود پر اتنا خوش ہو رہی تھی کہ اس کا چہرہ چمک رہا تھا، خوشی واضح نظر آرہی تھی، مگر جیسے وہ مجھے آزمانا چاہتی ہے کہ میں درود چھوڑتی ہوں یا نہیں، مگر اس کے ایسے کرنے سے میں اور اونچی اور تسلسل کے ساتھ ایسے انداز میں درود پڑھ رہی ہوں کہ سانس لینے کے لئے بھی نہیں رک رہی اور مجھے یقین ہے خواب میں ہی کہ یہ اللہ کے رسول خاتم النبیین صاحب لولاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور عورت کی شکل میں ہیں جو میک اپ کئے ہوئے ہے، سانولا رنگ

ہے جسامت موٹی ہے، پھر اس نے گدگدی کرتے کرتے جب میں ورود پڑھنے سے نہ رکی تو اس نے میرے دائیں ہاتھ پر ہتھیلی پر ہلکی سی "ونڈی" کاٹی بالکل جیسے ہم کسی چھوٹے سے بچے کے پیار سے ہاتھ پر "کاٹی" کرتے ہیں، میرے لبوں کے پاس بھی پالیوں پر بوسہ دیا اور میں خواب میں ہی سوچنے لگی کہ ایک بزرگ کے ہونٹوں پر خواب میں اللہ کے رسول نے بوسہ دیا تھا، ان کے منہ سے خوشبو آیا کرتی تھی، میں اپنا منہ تو نہیں سونگھ سکتی، میں بار بار اپنی ہتھیلی سونگھتی تھی کہ خوشبو آتی ہے یا نہیں، مگر نہیں آرہی تھی، صبح اٹھ جانے کے بعد بھی سارا دن میرا یہی حال رہا کہ میں بے اختیار ہی غیر ارادی طور پر ہی بار بار اپنی ہتھیلی سونگھے جارہی تھی کہ خوشبو آرہی ہے یا نہیں؟ مگر نہیں آرہی تھی، اس نے مجھے کچھ کہا یا نہیں، اگر بات کی تو کیا کی؟ مجھے کچھ یاد نہیں، مگر اتنا خیال ہے کہ اس نے مجھے کچھ کہا تھا، مگر چونکہ تہجد کا ٹائم تھا میرے اٹھنے کا وقت ہو چکا تھا، اس لئے اچانک اٹھ جانے کی وجہ سے ذہن میں پختہ نہیں ہے۔ جب سے خواب دیکھا ہے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی، حتیٰ کہ کھانے والی چیزیں بھی ذائقہ سے خالی لگتی ہیں۔

اس کی کیا تعبیر ہے؟ جتنا جلدی ہو سکے ضرور بتا دیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

(حفصہ صدیقی بنت مولانا محمد اختر صدیقی)

تعبیر:.....آپ کے خواب کی تعبیر کو شامل اشاعت نہیں کیا گیا بلکہ آپ کو جواب بذریعہ ڈاک ادارہ کی جانب سے موصول ہو جائے گا۔

خواب:.....مولانا عبداللہ صاحب، میں نے یہ خواب جمعہ کے دن فجر کے آگے پیچھے کے ٹائم دیکھا اور میں نے یہ دیکھا کہ میرے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ ہیں اور ہم آسمان کے نیچے کھڑے ہیں، زمین پر جو کہ میدان کی صورت میں ہے اور اچانک آسمان کے اوپر سے چھوٹے چھوٹے رنگین اور حسین ستارے آرہے ہیں تو میں نے فوراً دونوں ہتھیلیاں میں ایک ستارہ لے لیا اور آنکھیں بند کر کے سب سے پہلے ایک ہی دعا مانگی، اپنے ماں، باپ کی مغفرت کی، اس کے بعد ایک اور ستارہ نیچے آیا جبکہ اس کے ساتھ ساتھ اور ستارے بھی نیچے آرہے تھے جو کہ لوگ پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میرا اپنا دھیان ستارے کی طرف تھا، پھر میں نے وہ دوسرا ستارہ بھی ہاتھوں میں لے لیا اور اپنے اور اپنے بچوں اور بہن بھائیوں کی عذاب قبر سے بچاؤ اور مغفرت کی دعا مانگ کر آنکھیں کھول لیں تو مجھے کسی نے کہا کہ تم اپنے لئے کچھ اور مانگ لیتی تو میں نے ابھی اس بات کا کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ آسمان سے ایک خوبصورت پھوارہ سے نکلا، پہلے ایک اور پھر دو تین، بہت ہی حسین سب اور پر حیرت زدہ دیکھ رہے تھے لیکن میں بہت خوش اور مطمئن تھی۔

اس کے بعد پورا دن میرا بڑا سکون اور مطمئن گزرا۔ عبداللہ بھائی آپ مجھے اس خواب کا مطلب ضرور بتائیے گا۔

ایک بات اور میں نے 18 سال پہلے بھی کچھ اس طرح کا خواب دیکھا تھا کہ آسمان پر بہت سارے چراغ رکھے ہیں، بیچ و بیچ اور ایک بزرگ بیٹھے ہیں جو کہ مجھے بلا کر ایک اس میں سے چراغ دیتے ہیں، میرا یہ خواب بھی مجھے بہت ٹائم تک اپنے حصار میں رکھا رہا۔

(راحیلہ خالد، شاہدہ پروین)

تعبیر:.....ماشاءاللہ بہت مبارک خواب ہے آپ کی اولاد آپ کے والدین کے لئے اور آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنیں گے آپ سے اور آپ کی اولاد سے آپ کے والدین کو دنیوی اور اخروی نفع ہوگا، آپ اپنی اور اپنی اولاد کی تربیت خصوصی اہتمام کے ساتھ اسلامی طرز پر کریں اللہ کی مدد شامل ہوگی، نیز آپ کے والدین دینی معاملات میں کچھ غفلت کا شکار ہیں ان کو حکمت سے احساس دلائیں۔

سترہ سال قبل والے خواب کو جب تک مکمل طریقہ سے بیان نہیں کیا جائے گا تعبیر دینا صحیح نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

☆.....☆.....☆



محمود عباسی

جنگل میں ایک سانپ بلا ناغہ درخت پر چڑھ کر چڑیوں کے بچوں کو بغیر چبائے نگل جاتا تھا۔ آخر چڑیوں نے باہمی مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ سانپ کی بدمستیوں سے نجات پانے کے لئے انہیں جنگل کے بادشاہ شیر کے پاس جانا چاہئے کہ انہیں ریلیف صرف بادشاہ ہی دے سکتا ہے۔ اگلی صبح چڑیوں نے اپنی آہ و فغاں شیر صاحب کے حضور پیش کی۔ شیر نے بہت دردمندی سے ان کی فریاد سنی اور "سوموٹو ایکشن" لیتے ہوئے سانپ کو اپنی جناب میں طلب کر لیا۔ سماعت کے بعد جرم ثابت ہو گیا اور سانپ پر فرد جرم عائد کرتے ہوئے اسے پورے تین دن کی سزا سنادی۔ تین دن تک سانپ اپنے بل سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ سزا سن کر سانپ پر تو سکتہ طاری ہو گیا مگر چڑیاں سراپا احتجاج بن گئیں، وہ بولیں، جناب یہ سانپ ہمارے سارے بچوں کو کھا گیا ہے اور آپ نے اس کے ناقابل معافی جرم کی سزا صرف تین دن دی ہے، دہائی ہے دہائی، شیر سمجھانے کے انداز میں بولا۔ او بیوقوف بچیو، شکر کرو کہ یہ جنگل ہے اور اس کے قانون کے مطابق میں نے سانپ کو تین دن کی سزا دی ہے، شکر کرو تم جنگل میں رہتی ہو پاکستان میں نہیں، اگر یہ پاکستان ہوتا تو پھر سزا صرف تیس سیکنڈ کی ہوتی۔

(انتخاب:.....شیریں گل، پشاور)

☆.....☆.....☆

ایک بڑے آفیسر نے اپنے سیکریٹری سے پوچھا: تمہارے والد صاحب کیا کرتے تھے؟

جی وہ جوتے بناتے تھے۔

آفیسر: موڈ میں تھا، کہنے لگا، انہوں نے تمہیں موچی کیوں نہ بنایا۔

سیکریٹری: بے چارہ بہت شرمندہ ہوا، لیکن وہ چپ رہا۔ کچھ دیر ٹھہر کر اس نے یہی سوال آفیسر سے کہا۔

جناب آپ کے والد کیا کرتے تھے؟

آفیسر نے لاپروائی سے کہا۔

وہ شریف آدمی تھے۔

سیکریٹری نے کہا: تو انہوں نے آپ کو شریف آدمی کیوں نہیں بنایا۔

(انتخاب:.....صائمہ خان، ملیر کراچی)

☆.....☆.....☆

مالک نوکر سے: تم نے ایک خط ڈالنے میں اتنی دیر کیوں لگادی؟

نوکر: کیا کرتا، جس لیٹر بکس پر بھی گیا، اس پر تالا لگا ہوا تھا۔

(انتخاب:......شفا عمران، کراچی)

☆......☆......☆

بھکاری: دروازے پر دستک دیتے ہوئے۔

ایک روپے کا سوال ہے بابا۔

اندر سے آواز آتی ہے، پیسے نہیں ہیں۔

بھکاری نے کہا: آٹا ہی دے دو۔

آٹا بھی نہیں ہے۔

تھوڑی سی چینی دے دو۔

چینی بھی نہیں ہے۔

بھکاری نے کہا: تو پھر اندر کیا کر رہے ہو، باہر آؤ، میرے ساتھ مانگو۔

(انتخاب:......فاطمہ فیصل، کراچی)

☆......☆......☆

عمران: عاصم سے، آپ کہاں پیدا ہوئے۔

عاصم: سرگودھا میں۔

عمران: مگر کون سا حصہ۔

عاصم: میں سارا وہی پیدا ہوا تھا۔

(انتخاب:...... عمران خان، اسلام آباد)

☆......☆......☆

ڈاکٹر (بے وقوف مریض سے) آپ کے گردے فیل ہو گئے ہیں۔

مریض: کیا مذاق ہے، میرے گردے تو کبھی اسکول گئے ہی نہیں۔

(انتخاب:......محمد حمزہ شعیب، ملتان)

☆......☆......☆

ایک صاحب کسی اجنبی کو بلدیہ کے دفتر کا پتہ سمجھا رہے تھے۔ مگر ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، آخر انہوں نے آسان طریقہ اختیار کرتے ہوئے کہا:

میاں یہاں بس میں بیٹھ جاؤ، جس جس گڑھے پر دھکا لگے، گنتے جاؤ، پچیسواں دھکا بہت زور کا لگے گا پوری بس اچھل پڑے گی، بس وہیں اتر جانا۔ سامنے بلدیہ کی عمارت ہوگی۔

(انتخاب:...... عاطف یوسفی، لانڈھی، کراچی)

☆......☆......☆

عائشہ: "میں ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" سلمیٰ نے حیرانی سے پوچھا۔

"ناممکن کی "نا" کو ہٹا کر......" عائشہ نے بڑے مطمئن انداز میں جواب دیا۔

(انتخاب:......عزم سعود، طلحہ سعود، ڈیفنس)

☆......☆......☆

ایک صاحب اسٹیج پر تقریر کی غرض سے آئے، عنوان تھا "غیر ملکی مصنوعات کا بائیکاٹ"

وہ صاحب تقریر کے دوران بولے:

"ہمیں Walls آئس کریم کا بائیکاٹ کرنا چاہئے، آپ کو چاہئے کہ اس کا بائیکاٹ کریں اور بالکل نہ کھائیں، کیوں کہ پھر میرا بھی دل کرتا ہے۔"

(انتخاب:......معیز احمد، پی آئی بی کالونی کراچی)

☆......☆......☆

کہتے ہیں انقلابیوں اور مچھروں میں ایک چیز مشترک ہے۔

"دونوں کا کام سوئی ہوئی قوم کو جگانا ہے۔"

☆......☆......☆

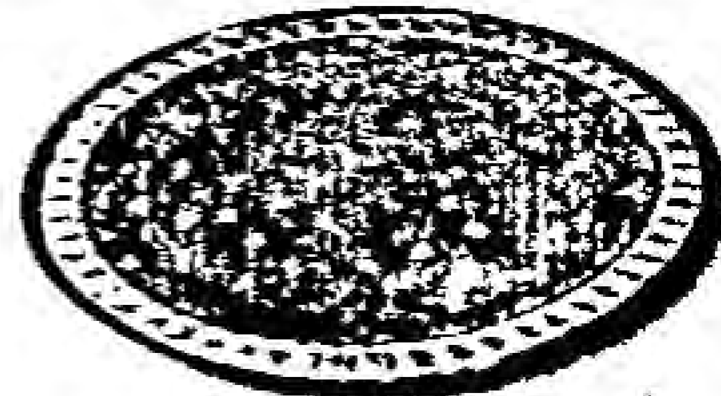
دو بے وقوف عجائب گھر دیکھنے گئے، انہوں نے ایک انسانی ڈھانچہ دیکھا جس پر 1580ء لکھا ہوا تھا۔

ایک بے وقوف کہنے لگا "ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی ٹرک کے نیچے آ کر ہلاک ہوا ہے۔"

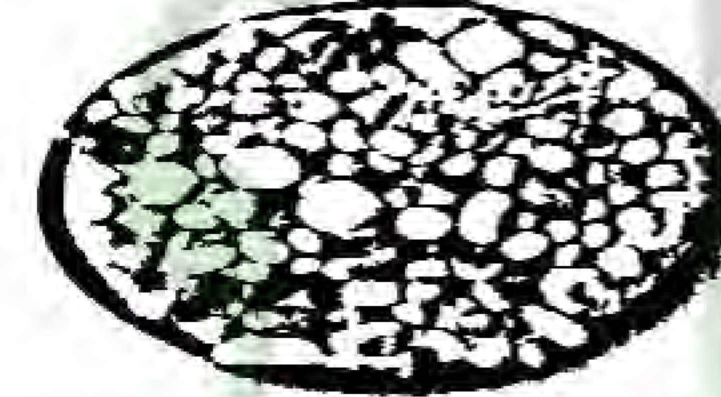
دوسرا بولا: "ہاں! اسی لئے عجائب گھر والوں نے اس کا ٹرک نمبر بھی لکھ دیا ہے۔"

(انتخاب:......فرزین احمد، پی آئی بی کالونی کراچی)

☆......☆......☆







باورچی خانہ

میٹھا میٹھا کھاؤ، میٹھا میٹھا بولو کیوں کہ میٹھے بول میں جادو ہے۔

گرمی بہت شدید ہو تو زندگی عذاب بن جاتی ہے، نہ ٹھیک سے کوئی کام کیا جا سکتا ہے، نہ سویا جا سکتا ہے۔ لیکن ماہرین کا عرصہ دراز سے یہ خیال ہے کہ اگر اس موسم میں صحیح غذا اور مشروبات کا انتخاب کیا جائے تو گرمی کی شدت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ آیئے ایسی چند غذاؤں اور مشروبات پر نظر ڈالتے ہیں:

جو چیزیں زیادہ کھائیں

نشاستے دار غذا:......گرمی کی شدت کے دنوں میں توانائی برقرار رکھنے کے لئے تھوڑی تھوڑی مقدار میں مناسب وقفوں سے ایسی غذا کھایئے جس میں نشاستہ خوب ہو۔ ایسی غذا میں آلو، سویاں، لوبیاں، چاول، پھل، دہی اور دودھ خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

کیلا:......کیلے میں پوٹاسیئم بہت ہوتا ہے۔ زیادہ پسینہ آنے کی وجہ سے جسم سے زیادہ مقدار میں پوٹاسیئم خارج ہو جاتا ہے۔ پوٹاسیئم کی جسم میں کمی سے فشار خون بڑھ سکتا ہے اور دل کی دھڑکن بھی بے قاعدہ ہو جاتی ہے۔ ایک کیلا کھانے سے جسم میں 400 ملی گرام پوٹاسیئم پہنچتا ہے۔ یہ اس مقدار کا دس فی صد ہے جو عام طور سے دن بھر میں ایک شخص کے لئے تجویز کی جاتی ہے۔

کھانے کی دوسری چیزیں جن میں پوٹاسیئم بہت ہوتا ہے ہری سبزیاں، آلو، خشک میوے، چوکر والے اناج کا دلیا اور لوبیا ہیں۔

• سلاد آبی:......سلاد آبی (Watre-Cress) سے جسم میں فولاد اور کیلشیم کی کمی پوری ہونے میں مدد ملتی ہے۔ یہ دونوں معدنیات بھی پوٹاسیئم کی طرح پسینے کے ساتھ جسم سے خارج ہو جاتی ہیں۔ پسینے کے ساتھ زیادہ فولاد خارج ہو جانے سے شدید گرمی کے دنوں میں اکثر لوگ کم خونی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سلاد آبی کے علاوہ ڈبا بند سارڈین مچھلی، کرم کلے اور گرین نامی سبزی (جو یورپ میں بہت کھائی جاتی ہے) میں بھی فولاد اور کیلشیم خوب ہوتا ہے۔

بادام:......بادام ان معدنیات کی کمی پوری کرنے میں تو مدد دیتے ہیں جو پسینے کے ساتھ جسم سے خارج ہو جاتی ہیں، لیکن بادام اور گرمی والے دوسرے میوے اور بیج جسم کو وہ روغنی تیزاب بھی فراہم کرتے ہیں جو جلد کو خشک ہونے سے روکتے ہیں۔ بادام میں میگ نیزیم بھی خوب ہوتا ہے۔ اگر گرمی کے موسم میں یہ معدن جسم میں کم ہو جائے تو سخت کام کے دوران اینٹھن شروع

ہو جاتی ہے۔

پیاز:......خصوصاً لال پیاز میں ایک ایسا کیمیائی جزو بہت زیادہ ہوتا ہے جو الرجی کا توڑ کرتا ہے لہٰذا گرمی میں پیاز روزانہ کھانے سے ہم دوڑوں، تپ کاہی اور کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے سے پیدا ہونے والی تکالیف سے بچ سکتے ہیں۔

دہی:......دہی عام غذا اس میں مفید صحت جراثیم شامل ہوتے ہیں جو غذائی سمیت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ گرمی کے موسم میں اکثر سمیتِ غذا کے واقعات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

جو چیزیں کم کھائیں

(۱)......ایک وقت میں زیادہ غذا نہ کھائیں۔ زیادہ کھانے سے معدے پر بوجھ پڑتا ہے، جس کی وجہ سے گرمی کے اثرات بڑھ جاتے ہیں۔ گرمی میں جسمانی سرگرمی کے لئے سردی کی بہ نسبت تھوڑی کم توانائی کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا جب زیادہ حرارے جسم میں پہنچتے ہیں اور کم خرچ ہوتے ہیں تو وزن بڑھنے لگتا ہے۔

(۲)......مصالحے دار کھانے نہ کھائیں۔ طب قدیم کے مطابق گرمی میں گرم اور ترش مصالحوں سے پرہیز کرنا چاہئے جن میں رائی، لونگ، سرخ مرچ اور سیاہ مرچ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے بجائے گرمی میں دھنیا، سفید زیرہ، ہلدی، الائچی خورد اور ادرک کھائیں، لیکن یہ بھی کم مقدار میں۔ ان چیزوں سے جسم میں زیادہ گرمی پیدا نہیں ہوتی۔

(۳)......گرمی کے دوران غذا میں نمک کی مقدار نہ بڑھائیں، البتہ اگر طبی مشورے پر یہ مقدار بڑھانا پڑے تو اور بات ہے۔ گرم علاقوں میں موسم گرما کے دوران سخت محنت کے کام سے جسم میں نمک کی سطح کم ہو سکتی ہے، لیکن یاد رکھئے کہ بہت زیادہ نمک بلند فشار خون کا سبب بن سکتی ہے۔

اور آیئے اب یہ جائزہ لیتے ہیں کہ شدید گرمی کے دوران ہماری پیاس بجھانے کے لئے کون سے مشروبات سب سے اچھے ہیں اور کون سے مناسب نہیں ہیں:

نباتی چائے:......اگر بہت زیادہ گرمی ہو تو لیموں اور پودینے سے تیار شدہ چائے سکون پہنچاتی ہے۔ اگر آپ خود چائے بنا رہے ہیں تو کھولتے پانی کی پیالی میں نباتی چائے کی چند پتیاں ڈال کر اسے ڈھک دیں اور پانچ منٹ تک چھوڑ دیں تاکہ پتیوں کا اثر پوری طرح پانی میں آجائے۔

• پھلوں کے رس:......تازہ خصوصاً مصنوعی کھاد اور کیڑے مار دواؤں کے بغیر پیدا کئے ہوئے پھلوں کا رس حیاتین ج جیسے مانع تکسید مرکبات کا حامل ہوتا ہے اس سے پائے جانے والے دیگر اجزا کیروٹینائڈز فلیوونائڈز بھی گرمی سے بچاؤ کے لئے مفید ہیں۔

پانی:......خصوصاً خوب ٹھنڈا پانی بہترین مشروب ہے کیوں کہ یہ پھلوں کے رس اور نرم مشروبات کی بہ نسبت زیادہ تیزی سے ہمارے جسمانی نظام کو آبیدہ کرتا ہے اور جب پسینہ آتا ہے تو جسم کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اگر گرمی کے موسم میں پانی بہت کم پیا جائے تو تکان ہو جاتی ہے اور بعض اوقات غنودگی ہو جاتی ہے اور لو لگ سکتی ہے۔ گرم موسم کے دوران معالج روزانہ کم از کم آٹھ سے بارہ گلاس پانی تجویز کرتے ہیں۔

ہم ولوج مشروبات:......توانائی کی فراہمی اور آبیدگی کے سلسلے میں ہم ولوج مشروبات (Isotonic Drinks) اس وقت بہت مفید ہیں جب آپ ایک گھنٹہ یا اس سے زیادہ دیر تک ورزش کرتے ہیں۔ ایک ماہر غذا کی رائے میں ہم ولوج مشروبات میں شکر اور نمک کی ایسی متوازن مقدار ہوتی ہے جو سادہ پانی کی بہ نسبت زیادہ تیزی سے جسم کو آبیدہ کرتی ہے۔ اگر آپ اپنے لئے خود ہم ولوج مشروب تیار کرنا چاہتے ہیں تو پانچ سو ملی گرام پھل کے رس میں اتنا ہی پانی ملائیں اور پھر اس میں چائے کے چمچے کا پانچواں حصہ نمک گھول دیں۔

☆......☆......☆



"ماہنامہ حیا" کی قاریات کے لئے ایک رنگا رنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ "گلدستہ حیا" آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھیے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

عظیم رہبر و رہنما

قلم اٹھتا ہے تو ہاتھ رُکتا نہیں ۔۔۔ قلم چلتا ہے تو لفظ خود بخود نکل جاتے ہیں

یہ ایک عظیم سانحے سے کم نہیں کہ امت مسلمہ کے عظیم رہبر و رہنما جناب مولانا "محمد اسلم شیخوپوری کی شہادت کی خبر آئی، یہ خبر ہمارے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ہم بحیثیت ایک مسلمان قوم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے علمائے کرام کی عزت و حفاظت سے غافل ہیں، ایک ڈاکٹر تو چھ یا آٹھ سال تعلیم حاصل کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے لیتا ہے لیکن ایک عالم دین تو برسوں میں بنتا ہے کیونکہ وہ اس حدیث پر عمل پیرا ہوتا ہے، علم حاصل کرو ماں کی گود سے لحد تک یعنی اس دنیا میں آتے ہی ہر لحہ دین کی خاطر اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہی اصل میں دین اسلام کی صحیح ترویج ہے، آج ہمارے اس ترقی یافتہ ملک میں علماء کی کیا حیثیت ہے۔ جتنے بھی بڑے عالم دین تھے، جو دین اسلام کی خدمت میں برسرپیکار تھے، سب کو ٹارگٹ کر کے شہید کیا گیا، جن علماء کا اصل مقصد دین کو دوسروں تک پہنچانا عالم اسلام کی خدمت کرنا ہی ان کا شعار تھا اور ہمارے لئے صدقہ جاریہ ہو گئے۔

میرے الفاظ نہیں ہیں اب بیان کرنے کیلئے کہ ۔۔۔ آنکھ سے اشک رواں ہیں لب پہ دعا ہے

اے میرے رب ہمارے عالم دین کی حفاظت کرنا اور انہیں جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام پر فائز کرنا۔ آمین

(انتخاب:......لبنیٰ فیصل)

لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں

☆.....حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱).....ایک تو وہ، جسے بھلائی میں سے بہت حصہ ملا، لیکن اس کے اخلاق اچھے نہیں۔

(۲).....وہ، جس کے اخلاق تو اچھے ہیں، لیکن بھلائی کے کاموں میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

(۳).....وہ، جس کے نہ اخلاق اچھے ہیں اور نہ بھلائی کے کاموں میں اس کا کوئی حصہ ہے۔ (یہ تمام لوگوں میں سب سے برا ہے)

(۴).....جس کے اخلاق بھی اچھے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں اس کا حصہ بھی خوب ہے، یہ لوگوں میں سب سے افضل ہے۔ (بحوالہ: حیاۃ الصحابہ، جلد ۳، صفحہ ۵۹)

(انتخاب:.....بنت حافظ محمود قریشی، کراچی)

☆.....☆.....☆

اظہار غم کا شرعی طریقہ

☆.....علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ میت پر ہلکی آواز سے رونا جائز ہے اور اتنی بلند آواز سے رونا جو نوحہ کی حد تک پہنچ جائے، جائز نہیں۔ بکاء شدید وخفیف میں فرق مشکل ہے، ایک قول یہ ہے کہ بکاء خفیف وہ ہے جو بغیر آواز کے ہو اور بکاء شدید وہ ہے جو آواز کے ساتھ ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بکاء بالصوت بھی متعدد روایات سے ثابت ہے، لہٰذا یوں کہا جائے گا کہ مطلقاً آواز سے رونا منع نہیں بلکہ آواز کے ساتھ ایسا رونا منع ہے جو نوحہ کی حد تک پہنچ جائے، یعنی زور سے یا چیخ کر رویا جائے یا میت کے مبالغہ آمیز فضائل گنائے جائیں اور تقدیر خداوندی کی تغلیط اور اس کا تخطیہ کیا جائے، نیز دوسرے لوگوں کو رونے دھونے کی دعوت دی جائے۔

☆.....☆.....☆

تعزیت کا شرعی طریقہ

☆.....حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصل طریقہ درد میں شریک ہونے کا یہ ہے کہ اگر مرنے والوں کو تسلی دے، صبر دلائے ان کے دل کو تھامے، اس طریقے سے کوئی عورت شریک نہیں ہوتی بلکہ اوپر سے گلے لگ کر رونا شروع کر دیتی ہیں، بعض تو یونہی جھوٹ موٹ منہ بناتی ہیں، آنکھ میں آنسو نہیں ہوتا اور بعض اپنے گڑھے مردوں کو یاد کر کے خواہ مخواہ کا احسان گھر والوں پر رکھتی ہیں اور جو صدق دل سے بھی روتی ہیں، وہ بھی کہاں کی اچھی ہیں، کیونکہ اول تو اکثر بیان کر کے روتے ہیں، جس کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، بلکہ لعنت کی ہے، دوسرے ان کے رونے سے گھر والوں کا دل اور بھر آتا ہے اور زخم پر نمک چھڑکا جاتا ہے، تھوڑا بہت جو صبر آ چلا تھا وہ بھی جاتا رہتا ہے، تو ان عورتوں نے بجائے صبر دلانے کے اور الٹی بے صبری بڑھا دی، پھر آنے کا کیا فائدہ ہوا، سچ بات یہ ہے کہ غم والوں کا غم بٹانے کوئی نہیں آتا بلکہ اپنے اوپر سے الزام اتارنے کو جمع ہوتی ہیں۔ (بہشتی زیور)

اللہ پاک ہمیں صحیح معنوں میں شریعت پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین

(انتخاب:.....حفصہ اکرم، کراچی)

☆.....☆.....☆

زندگی کیا ہے؟

☆.....زندگی کیا ہے؟ کبھی سوچا ہے، شاید نہیں، پھر جواب کیا دیں گے۔ میں بتاؤں، زندگی ان لمحات کا مجموعہ ہے، جن کو ہم میں سے کئی ہنس کر اور اکثر و بیشتر رو کر گزار دیتے ہیں، بعض انسان اس بے چاری کے ساتھ بڑا برا سلوک کرتے ہیں، مگر آخر تک ان کا انجام بھی کوئی اچھا تو نہیں ہوتا۔ زندگی عجیب و غریب راستوں کا نام ہے، جن کی بھول بھلیوں میں کھو کر، ہائے! بے چارا انسان خود ہی سے بچھڑ جاتا ہے۔ خود سے بچھڑا انسان، دوسروں کو اور زندگی کو کیا دے سکتا ہے، کیا دے سکتا ہے؟ زندگی صرف غم والم کا ہی نام نہیں ہے بلکہ ان خوش کن لمحوں کا ہنستا ہوا آنگن سا ہے جو ہر شخص کی تمنا ہوا کرتی ہے، زندگی میں چھوٹی چھوٹی خوشیاں اس کو حسین تر بنا دیتی ہیں، زندگی کو اگر پھول سا لے لیا جائے تو ہر پھول جب کھلنے والا ہوتا ہے تو دیکھنے والا نظر کو روک کر ان لمحوں کو قصید کرنے کی آس کی تکمیل میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ پھول کھل گیا، مگر خدا کی قدرت تھوڑا عرصہ وہ خوشی مناتا اور دوسروں کو خوش کرتا ہے، مگر پھر وہ دن آتا ہے جب اس کو کوئی توڑ دیتا ہے، اگر کانٹوں کے درمیان اُگا ہو تو سوکھ کر وہیں گر جاتا ہے، آہ! یہی اس پھول کی حقیقت۔ مراد زندگی لی جائے تو یہ خدا کا دنیا میں لگایا گیا پھول ہے۔ لوگوں کے لئے یہ خداوند قدوس کا انمول تحفہ ہے۔ "زندگی تمہارے پاس خدا کی ایک نعمت ہے۔" زندگی کا مطلب تو ہو گیا۔ مگر سوال سے سوال اور بحث سے بحث نکل چلتی ہے۔ زندگی مل تو گئی مگر گزاری کیسے جائے؟ اور آج کا انسان گزار کیسے رہا ہے۔ پھر تو یہ بھی بتاتی چلوں انسان کیا ہے؟ انسان اشرف المخلوقات ہے، مگر خدا کہتا ہے کہ میں نے شیطان کو اس لئے پیدا کیا کہ انسان اس کے ورغلانے کے بعد مجھ سے مغفرت اور رحمت طلب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی توبہ بہت پسند ہے۔ انسان پاگل، نادان و نا سمجھ یہ خیال دل و دماغ کے کونوں میں چھپائے بیٹھا ہے کہ زندگی اس کی وہ میراث ہے، جس کو وہ جیسے چاہے خرچ کر ڈالے، وہ اس کے انجام سے بے خبر اس کو بسر کئے جاتا ہے۔ مگر "پانی خود اپنی پنسال میں آ جاتا ہے۔" انسان اپنا بویا کسی لمحے کاٹتا ضرور ہے۔ ایڑیاں رگڑتا مقدر بن جاتا ہے بے پرواہ انسانوں، زندگی بے رحم تو نہ تھی، پر بن گئی۔ اس میں سب سے بڑا ہاتھ کس کا ہے؟.....آج کے دور کے بے درد انسان کا جو پتا نہیں کس نشے میں مست، کون سی دھن میں مگن، اس کو لاچار و ناچار اور خود کو برباد کئے ہوئے ہے۔ جاگ اے انسان! یہی وقت ہے خود کو پا اور پھر زندگی کی حقیقت سے آشنا ہو جا، ایسا نہ ہو کہ وقت بے رحم ہوا کے جھونکے کی طرح آئے اور موت کی آغوش ہمیں جھولا دے کر آنکھیں موند لینے پر مجبور کر دے۔ خدا کو بھی جواب دینا ہے کہ زندگی کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؟

زندگی وہ راز ہے جس کو پا کر اے انسان ۔ تو خود سے آشنا ہو جا زمانے کی سدا ہو جا

(انتخاب:.....مہوش فتح، میانوالی)

☆.....☆.....☆

چنگے سنگ ترے

☆.....ایک بزرگ تھے، وہ جا رہے تھے کہ اچانک جذبے میں آ کر زور زور سے اللہ، اللہ کہنے لگ گئے،

جب ان کی طبیعت کچھ سنبھلی تو کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا؟ فرمایا: دیکھو، یہ پھل بیچنے والا کیا کہہ رہا ہے، اس نے کہا: حضرت! یہ سنگترے بیچنے والا ہے اور سنگترے بیچنے کی صدا لگا رہا ہے، وہ کہہ رہا ہے لے لو سنگترے..... چنگے سنگترے ... چنگے سنگترے، فرمایا: نہیں، نہیں، نہیں، سنو، وہ کیا کہہ رہا ہے، حضرت وہ سنگترے بیچ رہا ہے، فرمایا: نہیں، وہ بڑی گہری بات کہہ رہا ہے، حضرت کون سی بات کر رہا ہے، فرمایا: وہ یوں کہہ رہا ہے، چنگے سنگ ترے..... چنگے سنگ ترے، جو چنگوں کے سنگ لگ گئے، وہ تر گئے، جو نیکیوں کے ساتھ لگ گئے، وہ پار ہو گئے، ان کی کشتی کنارے لگ گئی، چنگ سنگ ترے، اب دیکھیں عام آدمی کو تو یہی پتہ ہے کہ پھل بیچ رہا ہے، جبکہ ایک اللہ والے کی سوچ اس لفظ کو سن کے کدھر گئی؟ آخرت کی طرف گئی، یہ ہوتی ہے عقل کہ جو دنیا معاد کی چیزوں میں بھی بندے کو اللہ کی یاد دلاتی ہے، یہ اللہ والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ (اہل دل کے تڑپا دینے والے واقعات)

(انتخاب:..... آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

نسخہ کیمیا برائے روحانی امراض

☆.....حضرت شبلی رحمہ اللہ نے ایک حکیم سے کہا: مجھے گناہوں کا مرض ہے، اگر اس کی دوا آپ کے پاس ہو تو عنایت کیجئے۔ یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور سامنے میدان میں ایک شخص تنکے چننے میں مصروف تھا، اس نے سر اٹھا کر کہا: جو تجھ سے لو لگاتے ہیں وہ تنکے چنتے ہیں، شبلی یہاں آؤ، میں اس کی دوا بتاتا ہوں، حیا کے پھول، صبر و شکر کے پھل، عجز و نیاز کی جڑ، غم کی کونپل، سچائی کے درخت کے پتے، ادب کی چھال، حسن اخلاق کے بیج، یہ سب لے کر ریاضت کے ہاون دستہ میں کوٹنا شروع کرو اور اشک پشیمانی کا عرق ان میں روز ملاتے رہو، ان سب کو دل کی دیگچی میں بھر کر شوق کے چولہے پر پکاؤ، جب پک کر تیار ہو جائے تو صفائے قلب کی صفائی میں چھان لینا اور شیریں زباں کی شکر ملا کر محبت کی تیز آنچ دینا، جس وقت تیار ہو کر اترے تو اس کو خوف خدا کی ہوا سے ٹھنڈا کر کے استعمال کرنا۔ حضرت شبلی نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، وہ دیوانہ غائب ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

بے لطف ہے.....

☆.....سیر بوستان بغیر دوستان، عمر بے شباب، شربت بے گلاب، زین بے رکاب، ریش بے خضاب، طبیعت بے جودت، سخن بے حکمت، مال بے تجارت، دل بے سخاوت، مرد بے جرات، زن بے عصمت، زور بے حکم، دوا بے پرہیز، زندگی بے پسر، عمل بے علم، علم بے عمل۔

☆.....☆.....☆

اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے.....

(۱) بخل مال داروں سے..... (۲) تکبر فقیروں سے..... (۳) طمع عالموں سے..... (۴) بے شرمی عورتوں سے..... (۵) حب دنیا بوڑھوں سے..... (۶) سستی جوانوں سے..... (۷) ظلم بادشاہوں سے..... (۸) نامردی غازیوں سے..... (۹) خود پسندی زاہدوں سے..... (۱۰) ریاکاری عابدوں سے۔

چند خطرناک چیزیں

☆.....زبان اگرچہ تلوار نہیں، مگر تلوار سے زیادہ تیز ہے، بات اگرچہ تیر نہیں، مگر تیر سے زیادہ زخمی کرتی ہے، غصہ اگر شیر نہیں، مگر شیر سے زیادہ خوفناک ہے، نشہ اگرچہ سانپ نہیں، مگر سانپ سے زیادہ خطرناک ہے، گناہ اگرچہ زہر نہیں، مگر زہر سے زیادہ مہلک ہے۔

☆.....☆.....☆

جنتی عورت کون؟

☆.....حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو جنتی عورت کے بارے میں نہ بتادوں، وہ کون ہے؟ ہم نے کہا: ضرور، اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شوہر پر فریفتہ، زیادہ بچے جننے والی، جب یہ غصہ ہو جائے یا اسے کچھ برا بھلا کہہ دیا جائے یا اس کا شوہر ناراض ہو جائے تو یہ عورت (شوہر کو راضی کرتے ہوئے) کہے، میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے، میں اس وقت تک نہ سوؤں گی جب تک کہ تم خوش نہ ہو جاؤ۔ (ترغیب ج ۳ ص ۳۷)

اس حدیث پاک میں جنتی عورت کی صفت بیان کی گئی ہے کہ جنت میں جانے والی یہ عورت ہے، جس میں مندرجہ ذیل اوصاف پائے جائیں:

(۱).....بہت زیادہ شوہر سے محبت کرنے والی، شوہر پر فریفتہ کہ ذرا سی ناراضگی سے اس کا چین سکون ختم ہو جائے۔ محبت و چین کا تعلق اس کا شوہر سے وابستہ ہو۔ اسے ناراض چھوڑ کر الگ بیٹھنے والی نہ ہو۔ شوہر سے محبت کی وجہ سے کڑوی بات بھی میٹھی ہو جاتی ہے، محبوب کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف محبت کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتی جس سے گھر کا نظام بہ احسن وجوہ چلتا ہے اور ہر ایک کو گھریلو سکون میسر ہو سکتا ہے، جس کا آج فقدان ہے کہ معمولی بات بھی آپس میں محبت نہ ہونے کی وجہ سے چبھ جاتی ہے، عورت جب عشق و محبت کا برتاؤ کرے گی تو سخت مزاج مرد بھی متاثر ہو کر دل میں اسے جگہ دے دے گا اور وہ بھی محبت کی بنیاد پر نامناسب امور کو برداشت کرتا رہے گا۔

(۲).....زیادہ بچے جننے والی عورت قابل تعریف اور اللہ اور رسول کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے۔ اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو۔ شادی کا اہم ترین مقصد سلسلہ نسل کو باقی رکھنا ہے اور امت کے افراد کا زیادہ ہونا ہے، جو لوگ بچے نہیں چاہتے یا کم سے کم چاہتے ہیں تاکہ عیش و آرام ملے اور پرورش کی مشقت سے بچے رہیں، یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، شرعی مجبوری اس کے علاوہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے شادی کرو، میں تمہاری کثرت پر قیامت کے دن فخر کروں گا، امت کی کثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیامت میں فخر کی بات ہے۔ آج کل جیسے کہ ماڈرن طبقہ یہود و نصاریٰ کی نقالی میں کہتا ہے کہ بچوں کی کثرت غربت کا سبب ہے، سو یہ غلط ہے، بچے اچھے ہوں گے، ان کی تعلیم و تربیت اچھی، دینی و اخلاقی ہوگی، وہ لائق و سنجیدہ ہوں گے، تو یہ خوشحالی اور مالداری کا سبب بنیں گے، غلط تعلیم اور غلط سوسائٹی بچوں کو قابل فخر سپوت کے بجائے معاشرے کے لئے ناسور بناتی ہیں، پریشانی اور مصیبت تو غلط تعلیم و تربیت ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، بچے اور اولاد والدین کے حق میں دین و دنیا کی بھلائی کا باعث، صدقہ جاریہ اور ہر اعتبار

سے خیر کا باعث ہیں، اس حدیث پاک میں جنتی عورت کا ایک نہایت ہی اہم وصف و علامت بیان کی گئی ہے کہ وہ شوہر کی محبت بلکہ عشق میں سرشار ہو کر شوہر کی ذرا سی بھی ناراضگی کو برداشت نہیں کر سکتی، اگر کسی بنیاد پر شوہر ناراض یا غصہ ہو جائے تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر غایت درجہ محبت و تعلق کا اظہار کرے کہ جب تک آپ راضی نہ ہوں گے میں ایک پلک بھر نہ سوؤں گی، اللہ اکبر! کیا شان، آرام ہے محبت و عشق کا، کیا آج کل کی ماڈرن عورتیں ایسا کر سکتی ہیں؟ اگر شوہر ناراض ہو اور اس کا ناراض ہونا حق بجانب ہو تو بھی بیوی صاحبہ پوچھیں گی بھی نہیں، مزے سے بے خبر سو جائیں گی، اگر آج یہ وصف عورت میں پیدا ہو جائے تو گھر جنت کا نشان بن جائے۔ شوہر کیسا ہی بد مزاج اور سخت طبیعت کیوں نہ ہو، بیوی کی غایت محبت سے اس کی محبت و قدر ذہن میں بیٹھ جائے گی، گویا کہ اس بات کی تعلیم ہے کہ شوہر کو ناراض نہ رکھیں، اگر ہو بھی تو اس کو منالیں، اپنی جانب سے اسے ناراض رکھنے کی شکل نہ پیدا کی جائے، اس کی سہولت کا خاص خیال رکھا جائے جس بیوی کی طرف سے ایسا اظہار ہوگا تو بد طینت انسان بھی ایک اچھے اور با اخلاق شوہر میں بدل جائے گا کہ اس کی رضا جنت ہے، اپنے شوہر کو خوش اخلاقی اور پیاری گفتگو سے خوش کرو، اسے رنجیدہ نہ کرو اور جھگڑا مت کرو، اللہ کے نزدیک اچھی اور بھلی کہلاؤ گی اور جنت پاؤ گی۔

☆......☆......☆

تمام چیزوں کا سرچشمہ محبت ہے

☆......بنیادی چیز محبت ہے اور محبت کا ظرف دل ہے، جب دل میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آ جائے گی تو ہاتھ پاؤں پر بھی اس کے اثرات ظاہر ہوں گے اور اعمال صالحہ صادر ہوں گے اور اگر دل میں محبت نہیں تو نہ ایمان بنے گا اور نہ اسلام بنے گا اور نہ اعمال بنیں گے، مسلم نام تو ہوگا کام مگر اسلام کے نہیں ہوں گے، جب دل میں ایمان ہوگا جب ہی کام کا اسلام ہوگا، اس لئے ہمیں نام کے مسلمان نہیں ہونا چاہئے بلکہ کام کے مسلمان ہونا چاہئے، دل میں محبت رچی ہو اور ہاتھ پیر پر عمل ہو، یہ ہی عمل شہادت دے گا کہ ایمان ایک اندر چھپی ہوئی چیز ہے۔ (بحوالہ: آیئے ایمان کی فکر کیجئے)

(انتخاب:......سامیہ نور)

☆......☆......☆

بکھرے موتی

☆......جس نے پڑوسی کے کتے کو مارا اس نے پڑوسی کو ایذا دی۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......موت کو یاد رکھنا نفس کی تمام بیماریوں کی دوا ہے۔ (حضرت عبدالقادر جیلانیؒ)

☆......توبہ بوڑھے سے خوب اور جوان سے خوب تر ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆......بے کار ہے وہ علم جو بے عمل ہو۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

☆......آدمی کی قابلیت زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔ (حضرت علی المرتضیٰؓ)

☆......آدمی کے نماز روزے پر مت جاؤ بلکہ اس کی درست معاملگی اور عقل کو دیکھو۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

☆......دنیا مال سے ہے اور عزت آخرت اعمال سے ہے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

☆......دوزخ کے عذاب سے ڈرتے رہو، جو نافرمانوں اور منکروں کے لئے تیار ہے۔ (القرآن)

☆......خدائے تعالیٰ مہربان ہے اور مہربانی کو پسند فرماتا ہے۔ (حدیث نبویؐ)

☆......خاکساری سے بندے کی عزت ہوتی ہے۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......تحقیق وہ آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ وہ دل جو سینے میں ہیں وہ اندھے ہیں۔ (القرآن)

☆......علم عمل کو آواز دیتا ہے اگر وہ جواب دے تو ٹھہرتا ہے ورنہ کوچ کر جاتا۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہے۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......رسولؐ کی وفات کو یاد کرو تو تم کو اپنی مصیبت بہت کم معلوم ہوگی۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆......کم بولنا حکمت، کم کھانا صحت، کم سونا عبادت اور عوام سے کم ملنا عافیت ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆......حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنا ہاتھ پھیلانے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

☆......تمہارے ساتھ کوئی نیکی کرے یا بدی تم ہر ایک کے ساتھ احسان کرو۔ (امام ابوحنیفہؒ)

☆......سچائی کی مشعل جہاں بھی دکھائی دے اس سے فائدہ اٹھاؤ یہ نہ دیکھو کہ مشعل بردار کون ہے۔ (حضرت عائشہ صدیقہؓ)

☆......عورت کے آنسو کا بند کرنا سمندر کے غضبناک طوفان کو روکنے سے مشکل ہے۔ (مجتبیٰ)

☆......صورت پر مت جاؤ بلکہ سیرت کو دیکھو۔ (شیخ سعدی شیرازیؒ)

☆......پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔ (ترمذی)

☆......مسلمانوں میں کامل الایمان وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......اللہ کے دشمنوں سے الفت کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانیؒ)

☆......بعض اوقات جرم معاف کرنا مجرم کو زیادہ خطرناک بنا دیتا ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

☆......بے کار ہے وہ زہد جس سے دنیا حاصل کی جائے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

☆......آدمی کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......بروں کی ہم نشینی سے تنہائی بدرجہ بہتر ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆......گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے مگر گناہ سے بچنا واجب تر ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆......تیری جوانی تجھ کو دھوکا نہ دے یہ عنقریب تجھ سے لے لی جائے گی۔ (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

☆......جس کا شخص کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہو جاتا ہے وہ اس کے لئے وبال ہو جاتا ہے۔ (حضرت علیؓ)

☆......سب سے بڑی خیانت قوم سے غداری ہے۔ (حضرت علی المرتضیٰؓ)

☆......مصیبت کو برداشت کرنے سے صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔ (القرآن)

☆......بہتر صدقہ وہ ہے، جو صاحب توفیق دے اور اپنے عیال سے شروع کرے۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......اپنے آپ کو تمنا سے بچا کہ وہ بیوقوفوں کی وادی ہے، جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے بدلہ نہیں لیتا۔ (حدیث صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......جس نے جہالت سے اللہ کی عبادت کی اس کا فساد اصلاح سے زیادہ ہوتا ہے۔ (حدیث صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......ایماندار کا غصہ بھی جلد ہوا کرتا ہے اور راضی بھی جلد ہوا کرتا ہے۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆......فضیلت والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

☆....میری نصیحت قبول کرنے والا دل موت سے زیادہ کسی کو محبوب نہ رکھے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)
☆....اس دن پر رو جو تیری زندگی کا گزر گیا اور اس میں نیکی نہیں ہوئی۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)
☆....خوف الٰہی بقدر علم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے بے خوف جاہل ہوتا ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)
☆....جس پر نصیحت اثر نہ کرے وہ جان لے کہ میرا دل ایمان سے خالی ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)
☆....عقیدہ میں شک رکھنا شرک کے برابر ہے۔ (حضرت علی المرتضیٰؓ)
☆....جو شخص اپنے اقوال میں حیا ساتھ رکھتا ہے وہ اپنے افعال میں بھی اس سے دور نہیں ہوتا۔ (حضرت علیؓ)
☆....جو شخص اپنی قدر آپ نہیں کرتا کوئی دوسرا شخص بھی اس کا قدر نہیں پہچانتا۔ (حضرت علیؓ)
☆....جو شخص کل کو اپنی موت کا سمجھتا ہے موت کے آنے سے اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ (حضرت علیؓ)
☆....اللہ کو جاننا یہ ہے کہ شرک نہ کرے اور رسول کو رسول سمجھنا یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے۔ (حضرت مجدد الف ثانیؒ)
☆....نظر اس وقت تک پاک رہتی ہے جب تک جھکی رہے۔ (حضرت امام احمد بن حنبلؒ)
☆....علم کا مزا اسے آتا ہے جو تنگ دستی کے باوجود علم حاصل کرے۔ (حضرت امام شافعیؒ)
☆....دشمن سے ہمیشہ بچو لیکن دوست سے اس وقت جب وہ تمہاری تعریف کرنے لگے۔ (حضرت امام احمد بن حنبلؒ)
☆....دعوت قبول کرنے میں غریب اور امیر کا فرق مت کر۔ (امام غزالیؒ)
☆....مکانوں کے بنانے میں عمر ختم کر رہا ہے، رہیں گے دوسرے اور حساب دے گا تو۔ (حضرت عبدالقادر جیلانیؒ)
☆....محبت سب سے کرو، اعتبار چند ہستیوں کا اور بدی کسی سے بھی نہ کرو۔ (فریدی)
☆....اخلاص یہ ہے کہ تو اپنے عمل کو دیکھنا چھوڑ دے۔
☆....عالم سے ایک گھنٹے کی گفتگو دس برس کے مطالعے سے زیادہ مفید ہے۔
☆....سفر کی بدولت غلام بادشاہ بن جاتا ہے، چاند بھی اگر سفر نہ کرتا تو اتنا حسین نہ ہوتا۔ (فریدی)
☆....دو باتیں خلاف عقل ہیں، بولنے کے وقت خاموش رہنا اور خاموشی کے وقت بولنا۔ (شیخ سعدیؒ)
☆....حق شناس کتا ناشکرے آدمی سے بہتر ہے۔ (شیخ سعدیؒ)
☆....موتی اگر کیچڑ میں گر جائے تو بھی قیمتی ہے اور گرد اگر آسمان پر چڑھ جائے تو بھی بے قیمت ہے۔
☆....سونا کان سے کان کنی کے بعد نکلتا ہے اور بخیل کے ہاتھ سے جان کنی کے بعد۔ (شیخ سعدیؒ)
☆....اپنے ہاتھ کی لاٹھی اس بندوق سے بہتر ہے جو غیر کے ہاتھ میں ہو۔
☆....عورت کا میدانِ جہاد اس کا گھر ہے۔ (حضرت فاطمہؓ)
☆....اس دوست کا گلہ کر رہے ہو جو دھوکا دے گا، گلہ اپنی عقل کا کرو کہ دھوکا دینے والے کو دوست سمجھتے رہے۔
☆....دولت مت جمع کرو کیونکہ کفن میں کوئی جیب نہیں ہوتی۔
☆....بہو بنی تو مجھے ساس اچھی نہ ملی ساس بنی تو بہو اچھی نہ ملی۔
☆....کانٹے دار شاخ کو پھول دلکش بنا دیتے ہیں، غریب سے غریب شخص کے گھر کو سمجھدار عورت جنت بنا دیتی ہے۔
☆....سب سے بری آبی قوت عورت کے آنسو ہیں۔
☆....جو شخص علم رکھے اور اس پر عمل نہ کرے وہ ایک بیمار ہے جس کے پاس دوا تو ہے مگر علاج نہیں کرتا۔

☆....دولت پر علم کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ علم سے دولت حاصل ہو سکتی ہے مگر دولت سے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔
☆....جاہل ہی بے وقوف نہیں ہوتے بلکہ وہ تعلیم یافتہ بھی بے وقوف ہوتے ہیں جو علم کا صحیح استعمال نہیں جانتے۔
☆....جہاں سورج نکلتا ہے وہاں رات بھی ضرور ہوتی ہے مگر جہاں علم کی روشنی ہو وہاں پر جہالت کا اندھیرا کبھی نہیں آ سکتا۔
☆....تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ تاریخ سے کبھی کسی نے سبق نہیں سیکھا۔
☆....اس چیز کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ امیر والدین غریب اولاد کو جنم نہیں دیں گے۔ (فریدی)
☆....جب لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ زندگی کیا چیز ہے تو وہ آدھی خرچ ہو چکی ہوتی ہے۔
☆....دوستی وہ گلاب کا پھول ہے جس کے ساتھ کوئی کانٹا نہیں۔ (فریدی)
☆....عورت سب سے اچھا اور سب سے آخری آسمانی تحفہ ہے۔
☆....دوستی کی شیرینی کو ایک دفعہ کی رنجش کی یاد زہر آلودہ کرتی رہتی ہے۔
☆....علم نر ہے اور عمل مادہ، دین و دنیا کے کام ان کے ملنے سے ہیں۔
☆....جس نے علم حاصل کیا اور اس پر عمل نہیں کیا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے ہل تو چلایا مگر بیج نہیں بویا۔ (شیخ سعدیؒ)
☆....اللہ والوں سے کرامت مت طلب کرو، ان کا وجود ہی ایک کرامت جانو۔ (مجدد الف ثانیؒ)
☆....عالم بے عمل اس پارس پتھر کی طرح ہے جو اوروں کو سونا بناتا ہے مگر خود پتھر ہی رہتا ہے۔ (مجدد الف ثانیؒ)
☆....اکیلا محفوظ ہے، ہر گناہ کی تکمیل دو سے ہوتی ہے۔ (عبدالقادر جیلانیؒ)
☆....میں نے خدا کو ارادوں کے ٹوٹنے اور مشکلات کے حل ہونے سے پہچانا۔ (حضرت علیؓ)
☆....آج عمل ہو گا حساب نہیں ہو گا کل حساب ہو گا عمل نہیں ہو گا۔ (حضرت علیؓ)
☆....کسی انسان کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ (حدیث)
☆....آدم کے بیٹے کے اکثر گناہ اس کی زبان میں ہیں۔ (اعوان)
☆....عورت پوشیدہ رکھی جانے والی مخلوق ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف جھانکتا ہے۔ (حدیث نبویؐ)
☆....علم وہ ہے جو تمہیں عمل پر آمادہ کرے۔
☆....جو شخص انتقام کے طریقوں پر غور کرتا ہے اس کے زخم ہمیشہ تازہ رہتے ہیں۔
☆....خادم کو غلام بنانے والی بیوی آخر غلام ہی کی بیوی کہلاتی۔ دانا بیوی خاوند کو دیوتا بناتی ہے اور خود دیوی کہلاتی ہے۔
☆....اپنے قول و فعل میں مطابقت پیدا کریں، کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ (بکھرے موتی)
(انتخاب:....رومان جمیل، شادن لنڈ)

☆....☆....☆

زندگی کے دو عجیب واقعات

☆....مصر کے عالم طنطاوی کی نوٹ بک میں درج تھا کہ میرے ساتھ دو عجیب واقعات ہوئے:

(۱)..... لبنان کے سمندر میں نہا رہا تھا تو مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، مجھے اسپتال لے جایا گیا اس وقت میں اللہ کی طرف التجا کر رہا تھا کہ مجھے کچھ وقت دیں کہ میں کوئی نیک عمل کرسکوں جس سے میری نیکیوں میں اضافہ ہوجائے۔

(۲)..... شام سے حج کے لئے ایک قافلہ کے ہمراہ نکلا جب سعودیہ میں داخل ہوئے صحرا میں راستہ بھول گئے۔ تین دن صحرا میں بھٹکتے ہوئے گزر گئے، کھانا ختم ہوگیا حتیٰ کہ بھوک طاری ہوکر موت سامنے نظر آنے لگی تو میں نے قافلہ میں خطبہ الوداع شروع کردیا تاکہ نیکیوں میں اضافہ ہوجائے، اس خطبہ کی برکت سے تمام اہل قافلہ کا ایمان عروج پر پہنچ گیا۔

(انتخاب:..... خدیجہ رشیدی، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

ڈیپریشن

☆..... آج کل تو قرآن کو ماننے والے بھی کہہ رہے ہوتے ہیں کہ بس کچھ ڈیپریشن سی ہے، یہ ''ڈیپریشن'' کا لفظ ہم مسلمانوں کا لفظ نہیں ہے، ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں یہ نہیں ہوتا تھا، اسی لئے اس لفظ کا اردو میں ترجمہ کرنے کے لئے کوئی لفظ ہی نہیں ہے، اسی طرح عربی زبان میں بھی اس کے ترجمہ کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ڈیپریشن کو اردو میں بھی بولنا ہو تو ڈیپریشن ہی کہتے ہیں، نہ تو یہ لفظ اردو میں تھا اور نہ ہی عربی میں، لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لفظ کہاں سے آیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جن کی زبان کا لفظ ہے انہی کی زندگیوں میں ڈیپریشن ہوتا تھا اور وہیں سے ادھر ہمارے ہاں آیا ہے، قرآن مجید سے روگردانی کی وجہ سے یہ لفظ ہماری زندگیوں میں بھی آگیا۔ ''جس کا اللہ سے واسطہ ہو، اس کا پریشانیوں سے کیا واسطہ'' جب دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے تو پھر انسان کے ذہن میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی، یہ ہاتھوں کی کمائی ہے، قرآن موجود ہے، مگر پڑھتے نہیں اور کہتے ہیں کہ جی ہمیں اسے پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملتا، ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارے پاس قرآن مجید موجود ہے، دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے پاس یہ نعمت موجود نہیں ہے۔ (ماخوذ، خطبات فقیر از حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ)

☆.....☆.....☆

محبت الٰہی میں دھوکا کھانا

☆..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ اپنے غلاموں میں سے کسی کو اچھے انداز سے نماز پڑھتے دیکھتے تو وہ اس غلام کو آزاد کردیا کرتے تھے، جب آہستہ آہستہ غلاموں کو پتہ ملا تو ہر غلام نے یہی وطیرہ اپنالیا، غلام اچھی طرح نماز پڑھ کر دکھا دیتے اور وہ انہیں آزاد کردیتے، کسی نے کہا: حضرت! آپ کے غلام ریاکاری کرتے ہیں وہ آپ کے سامنے بنا سنوار کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور آپ ان کو آزاد کردیتے ہیں، وہ تو آپ کو اس طرح دھوکا دیتے ہیں، اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میں اللہ کی محبت میں سچا کیسے ہوسکتا ہوں جب تک کہ اس کی محبت میں دھوکا نہ کھاجاؤں۔'' (ماخوذ، خطبات فقیر از حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ)

علم اور عشق کے برتن

☆..... پروردگار عالم نے ہر انسان کو دو خاص نعمتوں سے نوازا ہے، ایک پھڑکتا ہوا دماغ اور دوسرا دھڑکتا ہوا دل، پھڑکتا ہوا دماغ علم الٰہی کا برتن ہے اور دھڑکتا ہوا دل محبت الٰہی کا برتن ہے، انسان کو چاہئے کہ وہ ان دونوں برتنوں کو بھرا رکھے۔ اگر دل عشق الٰہی سے بھر جاتے، لیکن دماغ علم سے خالی ہو تو بھی انسان گمراہ ہوجاتا ہے، وہ خود پسندی اور تکبر کا شکار ہوجاتا ہے۔ شیطان کے پاس علم تھا مگر کیوں گمراہ ہوا؟ اس لئے کہ اس میں ''میں'' تھی اور اس نے کہا تھا کہ:

ترجمہ:..... میں اس سے بہتر ہوں۔ (شیطان کو اسی عجب اور خود پسندی نے راندہ درگاہ الٰہی بنادیا تھا۔)

☆.....☆.....☆

شاگرد کو سزا دینے کی شرعی حیثیت

☆..... پیر طریقت، رہبر شریعت، مفکر اسلام حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ اپنی کتاب ''خطبات فقیر'' جلد نمبر دس میں فرماتے ہیں: بعض اوقات غصہ بہت ہی نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ شاگرد کو سمجھانے کی خاطر شریعت نے اجازت دی ہے کہ استاد اسے تین تھپڑ یا مکے لگالے، وہ بھی چہرے پر نہیں بلکہ پیٹھ پر، لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ استاد صاحب کا غصہ ان کے قابو میں نہیں رہتا، اس کا کیا قصور ہے کہ منزل سناتے وقت غلطی ہوگئی، عین اسی وقت وہ منزل اگر استاد سے سنی جائے تو ایک کے بجائے دو غلطیاں نکل آئیں گی۔

جب دیکھیں کہ بچہ جان بوجھ کر وقت ضائع کررہا ہے یا بدنیتی کررہا ہے تو اب اصلاح احوال کے لئے آپ اسے سزا دے سکتے ہیں، شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے، اگر ہم حدود شریعت سے بڑھ کر سزا دیں گے تو قیامت کے دن جواب دہ ہونا پڑے گا، ایک قاری صاحب فرمانے لگے: حضرت! پہلے اچھے بچے تھے کہ جب صرف ہاتھ دکھاتے تھے تو وہ مان لیتے تھے، پھر وہ وقت آگیا کہ مکا لگاتے تھے تو مان لیتے تھے، مگر آج ڈنڈوں سے مارتے ہیں اور پھر بھی نہیں مانتے، حضرت! کیا کریں؟ میں نے کہا: ''قاری صاحب! (اگر یہی بات ہے تو) اب تو صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے کہ جس کی غلطی نکلے اسے گولی ماردیا کرو۔''

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر استاد کو کسی طالب علم پر غصہ آئے تو استاد کو چاہئے کہ وہ اس وقت غصے کو پی جائے اور بعد میں بناوٹی غصہ بنا کر مارے، جب بناوٹی غصہ بنا کر مارے گا تو زیادہ نہیں مارے گا، یاد رکھیں کہ جب انسان کے اندر غصہ آجاتا ہے تو پھر اس کے اندر انسانیت نہیں بلکہ حیوانیت آجاتی ہے۔

یورپ کے کسی اسکول اور کالج میں کوئی استاد کسی بچے کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، حتیٰ کہ ماں باپ بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں بچے پڑھتے کیسے ہیں؟ وہاں استاد سمجھاتے ہیں، ایک اصول یاد رکھیں کہ جب استاد نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھالیا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اپنی شکست تسلیم کرلی ہے کہ میں زبانی طور پر بچے کو نہیں سمجھا سکتا۔ غصے کو پینے کے لئے ایک بہترین اصول یہ ہے کہ بندہ غصے کے وقت یہ سوچے کہ جتنا اختیار مجھے اس بندے پر ہے، اللہ رب العزت کو اس سے زیادہ اختیار میرے اوپر ہے، اگر میں اس پر بے جا غصہ کروں گا تو اس کے جواب میں اگر اللہ رب العزت نے مجھ پر غصہ کیا تو میرا کیا بنے گا۔

☆.....☆.....☆

حوض کوثر سے محرومی

☆......ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جس کے پاس اگر کوئی انسان معذرت کرے، چاہے وہ انسان حق پر ہو یا باطل پر اور پھر دوسرا بندہ اس کی معذرت کو قبول نہ کرے، اس انسان کو حوض کوثر پر جانا نصیب نہیں ہوگا۔

☆......☆......☆

صدیقہ کائناتؓ کو سرور دو عالمؐ کی پیار بھری نصیحت

☆......سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ جب کبھی ازواج مطہرات کی باتوں کی وجہ سے میرے اندر حمیت آجاتی اور غصہ آجاتا تو کبھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میرا کان پکڑ کر اس کو پیار سے آہستہ آہستہ ملتے اور کبھی میری ناک پر انگلی رکھ کر یوں فرماتے:

"اے منی سی عائشہ! تو یہ دعا پڑھا کر، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب! میرے گناہ بخش دیجئے، میرے دل کا غصہ دور کر دیجئے اور بہکانے والے فتنوں سے مجھے بچا لیجئے۔"

☆......☆......☆

اصلاحِ نفس کا آسان طریقہ

☆......ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ نفس کی اصلاح کا آسان طریقہ یہ ہے کہ چونکہ نفس لذتوں کا خوگر ہے اس لئے تم اپنے نفس کو عبادت کی لذتوں سے آشنا کر دو، یہ خود بخود سنور جائے گا۔ جی ہاں! عبادت کی اپنی ایک لذت ہوتی ہے گو ہم اس سے واقف نہ ہوں، جس طرح دستر خوان پر پڑی ہوئی چیزوں کا اپنا اپنا مزہ ہوتا ہے، اسی طرح ذکر کا مزہ اور ہے، تلاوت قرآن کا مزہ اور ہے، تہجد کا مزہ اور ہے، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا مزہ اور ہے، اللہ کے راستے میں نکل کر دعوت دینے کا مزہ اور ہے، نبی علیہ السلام پر درود پاک پڑھنے کا مزہ کچھ اور ہے، رات کے آخری پہر میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے رونے کا مزہ کچھ اور ہے، لیکن ہر بندہ ان مزوں سے واقف نہیں ہوتا اور جو واقف ہوتے ہیں وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھا کرتے ہیں، ان کے لئے یہ سب کچھ آسان ہو جاتا ہے، ذرا آپ اس طرح کر کے تو دکھائیں۔

☆......☆......☆

محبت الٰہی کی کسوٹی

☆......کیا مصلے پر بیٹھا آسان کام ہے؟ مصلے پر بیٹھنا آسان کام نہیں ہے، وہی بیٹھتا ہے جس کا دل اپنے پروردگار سے اٹکا ہوتا ہے، ورنہ تو مصلے پر بیٹھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کیا آپ نوجوانوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کو پکڑ دھکڑ کر مسجد میں لے کر آتے ہیں وہ سلام پھیر کر فوراً بھاگتے ہیں اور قمیص ٹھیک کر کے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے کسی جیل خانے سے باہر نکل آئے ہوئے ہوں، اس سے معلوم ہوا مصلے پر بیٹھنا کوئی آسان کام نہیں ہے، حضرت مرشد عالم رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مصلے پر بیٹھنا اس بات کی کسوٹی ہے کہ ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کتنی ہے۔

(انتخاب:......نائلہ اشرف، شمائلہ خان)



تمام قارئین حیا کو محبت بھرا اسلام!.. امید ہے کہ آپ سب خیر و سلامتی سے ہوں گے اور ماہنامہ "حیا" پڑھ کر نئے شمارے کے منتظر ہوں گے، یہ لیجئے، نیا شمارہ بھی حاضر ہے، کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔

ارے ارے!!..... ٹھہریئے، آپ کو مبارک باد دینا تو بھول ہی گئے .. جی ہاں! ہمارے پیارے رسالے "حیا" کی سالگرہ کی مبارکباد، جون 2012ء میں ہمارا یہ پیارا سا رسالہ پورے سات برس کا ہو گیا ہے۔ جون 2005ء میں اللہ کے مخلص بندوں نے فحاشی اور بے حیائی سے بھرپور رسائل کے مقابلے میں اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لئے پاکیزہ اور صاف ستھرے مضامین اور کہانیوں پر مشتمل اس رسالے کا اجراء کیا تھا۔ آج اللہ کے فضل و کرم سے یہ رسالہ پوری آب و تاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور مسلمان ماں، بہن کو "حیا" کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

آیئے .. ! عزم کیجئے، خود بھی "حیا" کا دامن نہ چھوڑیں گے اور دوسروں کو بھی "حیا" کے ساتھ جوڑنے کی فکر اور محنت کریں گے۔

مہر افروز مہر

✉ سمیہ اسلام، کمالیہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! ماہنامہ "حیا" دن بدن خوب سے خوب تر ہوتا جا رہا ہے، پروفیسر خیال آفاقی کی تحریریں بہت پر اثر اور جاندار ہوتی ہیں، نسیم حجازی کے قلم سے "داستان مجاہد" کی تعریف کا حق ادا کرنا ناممکن ہے، جس میں ایک مجاہد کے کردار کو بھرپور انداز سے بیان کیا گیا، تمام قسط وار ناول اصلاحی اور پر اثر ہوتے ہیں، صبا یونس کی کاوش قابل تعریف ہے، آمنہ بنت لیاقت علی کی کاوش بھی خوب ہے، ہر ماہ ایک مختصر اور پیارے سے عنوان پر مشتمل تحریر لے کر حاضر ہوتی ہیں۔ "حیا" میں ناول اور بقیہ تمام سلسلے بہت اچھے جا رہے ہیں، کمی ہے تو صرف نظموں کی۔ "حیا" میں کم از کم ایک نظم تو ضرور شائع ہونی چاہئے۔ آخر میں جاتے جاتے ایک درخواست کرتی چلوں۔ "حیا" چونکہ ہمارے علمائے کرام کی نظر سے گزر رہا ہے۔ (یعنی علمائے کرام بھی اسے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں) تو محترم علمائے کرام! رفع یدین کی ابتداء کیسے ہوئی اور رفع یدین کے منسوخ ہونے کا حکم کیوں اور کیسے ہوا؟ مفصل احادیث کے ذریعے روشنی ڈالیں، مہربانی ہوگی، دعا ہے اللہ تعالیٰ "ماہنامہ حیا" کی انتظامیہ کی کاوشوں کو شرف قبول عطا فرما کر انہیں امت مسلمہ کے لئے نافع بنائیں۔ آمین" والسلام"

پیاری سمیہ! "حیا" کے تمام سلسلے پسند کرنے کا شکریہ، ان شاء اللہ نظموں والی خواہش پوری کرنے کی ضرور کوشش کریں گے۔ سمیہ بیٹا، رفع یدین کرنا اور نہ کرنا، یہ دین کا بنیادی مسئلہ نہیں اور نہ ہی آخرت میں اس کے بارے میں پوچھ ہوگی، بلکہ یہ تو ایک فروعی اختلاف ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے اعمال کو درست کرنے کی کوشش کرے اور ان احکامات کو اپنائے جن کے بارے میں آخرت میں سوال ہوگا۔

رافعہ میمونہ بی بی، ڈھوک رتہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے بفضل خداوند تعالیٰ خیریت سے ہوں گی، اللہ کریم پورے ماہنامہ "حیا" والوں کی حفاظت فرمائے، آمین...... اب آتے ہیں ماہنامہ "حیا" کی کہانیوں کی طرف، "فردوس بریں" جو اردو ادب کا شاہکار ناول تھا، اس مرتبہ اپریل کے شمارے میں اس کی آخری قسط تھی، ہم بڑے شوق سے پڑھتے تھے اور بے چینی سے اگلے شمارے کے آنے کا انتظار کرتے تھے، بہت ہی زبردست تھا، کس طرح سازش بے نقاب ہوئی، واقعی آج بھی سازشی دور ہے، یہود و نصاریٰ ہر وقت مسلمانوں کے خلاف نت نئی سازشیں کرتے رہتے ہیں، ایسی ہی داستانیں ہم پڑھیں گے تو اپنے آپ کو ایسی زہریلی سازشوں سے بچا سکیں گے، یہ ناول تو حالات حاضرہ کی اہم ضرورت تھی، اس کے علاوہ "داستان مجاہد" نسیم حجازی کی بہت دلچسپ پیرائے میں لکھی ہوئی ہے۔ جہاد کے بارے میں اتنی بہادری اور جواں مردی دکھانا اور کبھی بھی باطل کے سامنے سرنگوں نہ ہونا، اس داستان کی تو اہم خصوصیات ہیں اور معرکہ حق و باطل، واہ کیسی بہترین داستان ہے، یہ بھی ہمیں بہت زیادہ پسند ہے، جب سارا ماہنامہ پڑھ لوں تو اگلے دن گن گن کے گزارنے پڑتے ہیں کہ کب "حیا" آئے اور ہم اپنی پسندیدہ کہانیاں پڑھیں۔ "فداک ای وابی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" بھی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، اس کا بھی بہت انتظار رہتا ہے۔ "رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم" پروفیسر خیال آفاقی کی بہت ہی بہترین کاوش ہے۔ سیرت رسول کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ صبا یونس کی کہانی "تربیت یا غفلت" بہت بہترین، بہت اچھی، بہت پسند آئی، ان کی کہانی میں سمجھانے کا انداز بہت اچھا ہے اور سودہ کا دین کے بارے میں جذبہ لکھنے والے کا اپنا جذبہ ایسا ہوتا ہے، تبھی وہ اس طرح لکھ لیتے ہیں، ویسے یوں کیسے ممکن ہے۔ اس سے پہلے بھی صبا یونس کی کہانی آئی تھی (نام یاد نہیں) وہ بھی بہت بہترین تھی، تربیت یا غفلت ناول واقعی بہت ہی زیادہ زبردست ہے، اللہ کریم ہمیں ویسے پڑھ کر عمل کرنے کی توفیق سے بھی نوازیں۔ کہانیاں صرف پڑھ کر مزہ لینے کے لئے نہیں ہوتیں، اتنی خوبصورت پیرائے میں لکھی ہوتی ہیں، اگر ہم پڑھ کر عمل کریں تو مزہ تب ہے، ویسے وقت گزاری کے لئے کیا پڑھنا۔ اس کے علاوہ بنت عبدالمجید کی کہانی "کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں" بہت اچھی جا رہی ہے، یہ بھی پسند ہے، اس کے علاوہ ام حیات ہنگورا کی کہانی بھی بہت بہترین ہے، بہت اچھے انداز میں سمجھاتی ہیں، ہر مرتبہ پڑھتی ہوں، کیوں کہ اس کے پڑھنے کا فائدہ بھی ہے، بعض مرتبہ اس میں پڑھا ہوا ہوتا ہے، اگر کوئی عورت مسئلہ ڈسکس کرنے آ جائے تو ان کی باتیں بھی ذہن میں ہوتی ہیں۔ "گلدستہ حیا" بھی بہترین ہے۔ قارئین کے انتخاب بہت زبردست ہوتے ہی، اس مرتبہ تو "گلدستہ حیا" میں ہماری تحریر بھی موجود تھی اور معلوم مجھے دوسرے تیسرے دن ہوا۔ وہ اس لئے کہ "گلدستہ حیا" میں ذرا بعد میں پڑھتی ہوں۔ "میری پسند" رسالے میں بہت کم آتی ہے۔ اس مرتبہ "میری پسند" سلسلہ کیلئے چند شعر حاضر خدمت ہیں۔ "حیا کی محفل" بھی پسند ہے، تبھی تو ہم "حیا کی محفل" میں شرکت کر رہے ہیں، اگر پسند نہ ہوتی تو شرکت کیسے کرتے۔ "گھر کہانی" بھی پسند ہے۔ "حیا" کی تمام کہانیاں اور مضمون ہی اچھے ہوتے ہیں، اللہ کریم ماہنامہ "حیا" کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، ایک گزارش کہ "حیا" میں اشتیاق احمد کی بھی کوئی تحریر شامل اشاعت کریں۔

رافعہ بٹی، ماہنامہ "حیا" کے تمام سلسلے ذوق و شوق سے پڑھنے اور پسند کرنے کا بہت شکریہ۔

☆......☆......☆

رابعہ اہلیہ عرفان حجازی، کراچی سے لکھتی ہیں: محترمہ مدیرہ صاحبہ السلام علیکم! امید ہے کہ میرا یہ خط آپ کو اور ہر ایک پڑھنے والوں کو صحت و عافیت کے ساتھ ملے گا۔ ایک طویل عرصے کے بعد قلم اٹھایا ہے تو سب سے پہلے آپ کا

شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ نے اتنے بھرپور انداز میں میری پذیرائی کی اور جہاں تک سوال ہے کہ "حیا" رسالے کو کہاں تک عام کرنے کی کوشش ہے تو کوشش تو پوری ہوتی ہے کہ ہر نئے ملنے والے سے اس کا تعارف کروایا جائے۔ جہاں تک رسالے کا تعلق ہے اس میں دن بدن نکھار تو آ رہا ہے، مگر بعض دفعہ جو انگلش ٹائپنگ کی غلطیاں ہو جاتی ہیں، وہ ذہن پر عجیب سا اثر ڈالتی ہے۔ ویسے دل تو عجیب سی ہی کیفیت میں آج کل رہتا ہے۔ پہلی وجہ ایک ہی سال میں دونوں مرتبہ ایام حج سے پہلے مردہ بچیوں کا جنم، جس کے لئے آپ سب سے خصوصی دعا کی درخواست ہے کہ اللہ ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے اور اس کا بہترین نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔ اور دوسرا کراچی کے حالات، جو ایک مرتبہ پھر انتہائی خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک دہشت سی دل پر سوار ہے، جانے کب کہاں کس کو گولی لگ جائے یا کون بم کا شکار ہو جائے۔ یہ ہڑتالیں اور اس پر مستزاد بڑھتی ہوئی مہنگائی۔ عوام، اللہ سے نزدیک آنے پر تیار نہیں اور حکمران عوام کی سننے کو تیار نہیں، ایک عجیب افراتفری کا سا عالم ہے، اللہ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین......

ایک تحریر "قلم یا مذاق دین" ارسال کر رہی ہوں، قابل اشاعت ہو تو ضرور شائع کیجئے گا۔

رابعہ بہن، اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل نصیب فرمائے، آمین۔ ماہنامہ "حیا" کی پوری ٹیم اور قارئین آپ کے غم میں شریک ہیں۔ آپ کی تحریر ہمیں اب تک موصول نہیں ہوئی۔ وصولی کے بعد ہی کوئی رائے دے سکیں گے۔

☆......☆......☆

خولہ بنت سلیمان، کراچی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! بہت پیاری مدیرہ صاحبہ، راحت بیٹا، میں کافی دنوں سے خط لکھنے کا سوچ رہی تھی۔ "ماں نمبر" نے خط لکھنے پر مجبور کر دیا۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ میں نے کچھ دن پہلے ایک مضمون اسی حوالے سے لکھا ہے، "ماں کی ذمہ داریاں اولاد کی تربیت کے حوالے سے" آپ اس مضمون کو "ماں نمبر" میں چھاپ دیں۔ اگر ہو سکا تو اس حوالے سے اور بھی کچھ بھیجنے کی کوشش کروں گی۔ کب تک ہم اس نمبر سے مستفید ہو سکیں گے؟ میں نے "روشن چراغ" میں اپنی والدہ کے لئے ایک بیٹی کے محبت بھرے جذبات بھیجے تھے، اس طرح کے مضامین ایک ہی بار لکھے جا سکتے ہیں۔

زندگی کے سب لمحے یادگار ہوتے ہیں
لوٹ کر نہیں آتے ایک بار ہوتے ہیں

میں منتظر ہوں، پلیز نظر کرم کر دے، اللہ سے دعائیں کر کر کے ایک تحریر لکھتی ہوں، پھر اس کے چھپنے کی دعا کرتی ہوں، اس کے علاوہ "گھر کا اجالا" کے لئے بھی ایک مضمون ایک خاندان کے بارے میں "این خانہ ہمہ آفتاب است" بھیجا تھا۔ وہ بھی اب تک "حیا" کی زینت نہیں بن سکا۔ "حیا" کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ ماشاء اللہ ہر مضمون نگینے کی طرح فٹ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ والسلام

خولہ بہن، "ماں کی ذمہ داریاں......" آپ کا مضمون ہمیں موصول ہو چکا ہے، ان شاء اللہ "ماں" نمبر کی زینت بن جائے گا۔ گھر کا اجالا کے لئے بھیجا گیا مضمون بھی مئی 2012ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ "روشن چراغ" کے لئے آپ کی تحریر ہمیں فی الحال موصول نہیں ہوئی۔

☆......☆......☆

شیرین گل، پشاور سے لکھتی ہیں: عزیزم مہر افروز، السلام علیکم! میری دعا ہے کہ آپ اور "حیا" کا سارا اسٹاف خیریت سے ہو۔ کافی عرصے بعد آپ کی محفل میں آئی ہوں، حالانکہ "حیا" سے میرا رابطہ قائم رہتا ہے، مگر خط نہ لکھ سکی۔ میری سب سے چھوٹی بیٹی سومیہ بچوں سمیت امریکہ سے آئی ہوئی تھی، بس ان کے ساتھ مصروف ہو گئی تھی۔ سہارا بھال

بعد وہ آئی تھی، اس لئے بہت خوش تھی، ان کے جانے کے بعد اتنی ہی اداسی محسوس کررہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے اور سب کی بچیوں کو اپنے گھروں میں سکھی اور آباد رکھے، آمین۔ ...آج اپریل کا "حیا" منگوایا، جلدی جلدی ورق گردانی کی، "آوازِ حیا" میں راحت ارشد کو پاکر بہت خوشی ہوئی، وطن سے دور رہ کر بھی ان کو اپنے ملک کا اس قدر خیال ہے۔" ٹائٹل" خوب سے خوب تر ہوتا جارہا ہے۔ پہلے ہی صفحے پر دو نئے سلسلے شروع دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ "میری پسند" بھی دوبارہ شروع ہوگئی اور میں یہ کہنے میں یقیناً حق بجانب ہوں کہ سات سال قبل مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ اور جناب مولانا ابن الحسن عباسی صاحب کی سرپرستی میں "حیا" کا جو ننھا منا سا پودا لگایا گیا، وہ اب ایک شجر کی حیثیت اختیار کرچکا ہے اور اس کا سارا کریڈٹ آپ کو اور تمام لکھاریوں کو جاتا ہے جو اپنی خوبصورت اور رنگا رنگ تحریروں سے اسے سجارہے ہیں۔ جن میں سرفہرست راحت ارشد حسین، پروفیسر خیال آفاقی، تبسم محسن علوی اور بنت مولانا عبدالمجیدؒ ہیں۔ مارچ کے "حیا" میں تبسم محسن کی تحریر "ادا جو دعا بن جاتی ہے" بہترین تھی، یقین نہیں آتا کہ آج کل کے اس دور میں ایسے بچے بھی ہوتے ہیں؟ بالکل ایسا واقعہ راولپنڈی میں میری خالہ زاد بہن کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ اپنی جوان بیٹی کے ساتھ شادی کی تقریب سے واپس آرہی تھی۔ موٹر بائیک پر دو سوار لڑکے ان کا پیچھا کرتے ہوئے گھر کے گیٹ تک آئے اور گن پوائنٹ پر ان سے سارا زیور اتروالیا، واقعی نیک اور بد ہر جگہ موجود ہیں۔ ام حیات ہنگورا اتنے مزے اور آسانی سے ہر مسئلہ سلجھادیتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ میری ناچیز رائے میں ایسا بھی کوئی سلسلہ ہونا چاہئے، اگر میں سارے مضامین کے بارے میں لکھنا شروع کروں تو مجھے دو تین گھنٹے لگ جائیں گے۔ فائزہ صدیقی، مریم غازی اور مہر افروز آپ خود بھی اتنا اچھا لکھنے والی ہیں۔ "داستان مجاہد" بہت پہلے پڑھی تھی، اب دوبارہ پڑھ کر مزہ آرہا ہے۔ اب آتی ہوں "فردوس بریں" کی طرف۔ مارچ 2012ء کے "حیا" میں ایک بچی نے اور اب اپریل 2012ء کے "حیا" میں حفصہ اکرم نے بھی لکھا ہے کہ "سر کے اوپر سے گزر گئی" اور واقعی انہوں نے سچ لکھا ہے، میں نے بھی آج سے ساٹھ سال قبل جب میں آٹھویں کلاس میں تھی، یہ ناول پڑھا تھا، اسکول کی لائبریری سے لی تھی، اس وقت اتنی سمجھ نہیں تھی، بڑی کلاس کی لڑکیوں اور ٹیچرز میں اس پر بحث مباحثہ ہوتا تھا۔ یہ ان ملعون قادیانیوں کے بارے میں ہے، جن کا بڑا حسن بن صباح تھا۔ اس نے یہ جنت بنائی تھی جیسی جنت نمرود بادشاہ نے حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں۔ اس نے تو خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور ان لعنتیوں نے تو مرزا غلام احمد کو نعوذ باللہ آخری نبی اور خدا کا درجہ دے دیا۔ مصنوعی جنت بنا کر مسلمانوں کا ایمان خراب کرنے کی کوشش کی تھی اور اپنے سازشی ذہنوں سے مسلمانوں کے بڑے بڑے علماء کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرائے تھے۔ اس وقت تو ہم شوق سے یہ ناول پڑھتے تھے جیسے جنت کی سیر کررہے ہوں۔ حالانکہ سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ اب ایک زمانے کے بعد جب کہ اس وقت میری عمر 75 برس ہوچکی ہے، دوبارہ "فردوس بریں" پڑھ لی۔ اب سمجھ میں سب کچھ آگیا، ان کے مذموم عزائم جو ختم نبوت کے خلاف جاری ہیں۔ "فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور "دشمن ہیں راہیں ویران تو نہیں" میں بھی یہ قادیانیوں کے بارے میں لکھا جارہا ہے۔ امید ہے اب "فردوس بریں" پڑھنے والوں پر سارا پول کھل جائے گا، کیونکہ یہ آخری قسط ہے۔ بنت مولانا عبدالمجیدؒ نے پھر اتنے اچھے موضوع پر قلم اٹھایا۔ پہلی قسط نے ذرا بور کردیا تھا۔ معذرت کے ساتھ اتنے مشکل نام ہیں آئلہ، آہانی، ایان، عابش ارغند، راحل، منہل، جرل، ہلاہل، لگتا تھا جیسے کوئی ہلچل مچی ہوئی ہے۔ دو تین بار پڑھا مگر کرداروں کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اب تین اقساط پڑھ کر کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے۔ بہت اچھا جارہا ہے، یہاں بھی ملعون قادیانی اپنا زور دکھارہے ہیں۔ میرا خط خاصا طویل ہوگیا ہے، زندگی رہی تو پھر لکھوں گی۔ میری طرف سے "حیا" کے تمام عملے کو خصوصاً راحت ارشد حسین اور سب قارئین کو

بہت بہت سلام اور دعائیں۔

شیرین بہن، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہٗ! کافی عرصہ بعد آپ کی رفاقت نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ، صومیہ کو خوش رکھے۔ آمین

☆......☆......☆

فاطمۃ الزہرا جمعہ خان، چھاچھرو سے لکھتی ہیں: محترمہ مکرمہ معززہ مدیرہ ماہنامہ "حیا"، باجی مہر افروز مہر صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ آپ خیر وعافیت سے رہیں، دین متین کی خدمت میں عمر بھر معروف رہیں۔ آمین......بعد دعا و تسلیم مسنون کے بعد عرض ہے کہ ہم ماہنامہ "حیا" کی مستقل قاریات ہیں اور ہم پہلی مرتبہ اپنے پیارے رسالے میں شرکت کررہی ہیں۔ ہمارے اس رسالے نے اسلام کی نشر و اشاعت میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ بلا مبالغہ اظہر من الشمس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس رسالے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین......آپ کی خدمت عالیہ میں مودبانہ گزارش ہے کہ ہم ایک نظم جو ختم بخاری شریف سے متعلق ہے، ارسال کررہی ہیں، آپ اس کو ماہنامہ "حیا" میں شائع کریں، عمر بھر آپ کے ممنون و مشکور رہیں گے اور ہم آپ کو مدرسہ امینہ للبنات چھاچھرو تھرپارکر سے یہ خط لکھ رہے ہیں، الحمدللہ ثم الحمدللہ ضلع تھرپارکر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ختم بخاری شریف ہوگی، رجب المرجب میں ان شاء اللہ، یہاں بنات کا اور کوئی مدرسہ نہیں ہے، ہم چار طالبات اس سال فارغ ہورہی ہیں، آپ سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ عزوجل ہمیں عالمہ باعمل بنائے، ہمارے اساتذہ کرام اور معلمات محترمات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں دین کی محنت کے لئے دیر اور عمر بھر کے لئے اخلاص کے ساتھ قبول فرمائے۔ آمین

فاطمہ بیٹی، اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام بچیوں کو نیک اور پارسا بنائے اور آپ کے اساتذہ اور معلمات کو جزائے خیر نصیب فرمائے جنہوں نے ضلع تھرپارکر میں دینی مدرسے کی بنیاد ڈال کر اپنے لئے صدقہ جاریہ کا دروازہ کھول لیا۔

☆......☆......☆

آمنہ لیاقت علی، کمالیہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ومغفرتہٗ! آپی مہر فروری کا ماہنامہ "حیا" بہت پسند آیا تھا، سلسلے بہترین جارہے ہیں، محمد ساجد میمن کا ویلنٹائن ڈے پر مضمون بھی بہت اچھا لگا۔ "فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ "توبۃ النصوح" کی اقساط مکمل ہوگئی، بہت خوشی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کیا۔ "حیا کی محفل" میں ام حیات ہنگورا کی باتوں سے میں پوری طرح متفق ہوں، انہوں نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ "حیا" ایک اسلامی رسالہ ہے اور رافعہ عبدالغنی کے لطیفے واقعتاً واہیات تھے، آپ کو اسے شائع نہیں کرنے چاہئے تھے۔ ڈاکٹر عبدالغنی خالد نے غلطیوں کی طرف احسن طریقے سے توجہ دلائی ہے، ان غلطیوں سے جملہ کچھ کا کچھ بن جاتا ہے اور پڑھنے کا مزہ کرکرا ہوکر رہ جاتا ہے، ویسے اب شکر ہے پہلے کی نسبت ایسا بہت کم ہوتا ہے، محترم باجی نائلہ اشرف کا خط بہت پسند آیا، انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار بہترین الفاظ میں کیا اور ڈاکٹر عافیہ کے بارے میں اپنا درد دل بیان کیا، یقیناً ہم سب قاریات ڈاکٹر عافیہ کے بارے میں دردمند ہیں کہ وہ ہماری اسلامی بہن ہیں، ہماری اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر عافیہ کو صبر، ہمت اور استقامت عطا فرمائے اور شہادت کا اعلیٰ درجہ عطا فرمائے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب اسلامی بہنوں کو سچی شہادت عطا فرمائے جو کہ اس کی متمنی ہیں، خاص طور پر ہماری ایڈونچر پارٹی کو آمین، کیونکہ:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

☆......☆......☆

ام جویریہ، کراچی سے لکھتی ہیں: پیاری مہر آنٹی، السلام علیکم! ماشاء اللہ، تقریباً پانچ سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا ہے ہمیں "حیا" پڑھتے ہوئے۔ "حیا" کے سب ہی سلسلے خوب ہیں، بہت عرصے سے دل میں کہانی لکھنے کی خواہش انگڑائی لے رہی تھی۔ اس خواہش میں کچھ صفحات ہم نے بھی نیلے کردیئے ہیں (جی ہاں! نیلے، کالے نہیں کیئے) بہت جلدی میں خط لکھ رہی ہوں۔ چھوٹے بچوں کے ساتھ کہانی لکھنے کا شوق جوئے شیر لانے کے مترادف لگ رہا ہے۔ اس لئے فی الحال پہلی قسط بھیج رہی ہوں۔ اگر معیار کے مطابق لگے تو ضرور بتایئے گا تاکہ میں جلد ہی دوسری قسط بھیج دوں۔ جواب ضرور دیجئے گا۔ والسلام

ام جویریہ صاحبہ، آپ اپنی کہانی کی دوسری قسطیں بھی بھجوادیں، پوری کہانی پڑھنے کے بعد ہی اشاعت کا فیصلہ کیا جاسکے گا۔

☆......☆......☆

سیدہ عطیہ، سیدہ اقراء صدیقہ لکھتی ہیں: محترمی و مکرمی، انتہائی قابلِ احترام آپی مہر اور آپی راحت، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! بعد از سلام اور ڈھیر ساری دعاؤں کے بعد امید ہے کہ آپ اور "حیا" کا تمام اسٹاف "حیا" کی تیاری میں مشغول ہوگا اور تمام قاریات بہنیں اس کی تیاری میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہی ہوں گی۔ پیپرز کے باعث مارچ کا شمارہ اور اپریل کا شمارہ تقریباً ایک ساتھ ہی پڑھ سکے، مارچ کے شمارے میں اپنا خط اور اپریل کے شمارے میں اپنا مضمون دیکھ کر حد درجے خوشی ہوئی، آپ نے مجھ ناچیز کی تحریر شائع کر کے شکریہ کا موقع دیا ہے، آپی جان، اپریل کا شمارہ اپنی تمام رنگینوں، رعنائیوں، خوبصورتیوں اور خوب صورت مہکار کے ساتھ اپریل کی دس تاریخ کو صبح ساڑھے نو بجے کے قریب ہمارے ہاتھ میں آیا، سب سے پہلے آئینہ دیکھا اور اس میں پروفیسر خیال آفاقی، بنت مولانا عبدالمجید، مہر افروز آپی، راحت آپی، ام حیات ہنگورا، پروفیسر ریحانہ جیسے عظیم رائٹرز کو دیکھ کر آگے بڑھے، "آوازِ حیا" کا مطالعہ کیا، راحت آپی نے جھوٹ نہ بولنے پر سوچنے کا کہا کہ اس میں ملک و ملت کی فلاح ہے، اس کے بجائے یعنی (سوچنے) کے بجائے عمل کرنے کا کہتی تو سونے پر سہاگہ ہوتا، لیکن یہ بات کرنے میں بھی شاید کوئی مصلحت ہو، الغرض بہت اچھا لگا نصیحت کا انداز۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی تحریر "اپریل فول" ایک سبق آموز تحریر تھی، "آوازِ حیا" اور "اپریل فول" مل کر ایک رنگ اور ایک ہی سبق دے رہے تھے، یعنی جھوٹ بول کر کسی کو دھوکا دینا اور من گھڑت بات نہ کہنا۔ چراغِ محبت میں پیارے نبی کی محبت میں خوب صورت، بہترین اور دلنشین الفاظ کو منتخب کیا گیا تھا، مولانا ابن الحسن عباسی کی کوشش کو سراہتے ہوئے قدم اگلے صفحات پر گامزن کئے، راحت آپی کی قسط وار تحریر پڑھی، پڑھتے وقت سلمان اور سرفراز کی ثابت قدمی پر رشک آیا، "رسول اللہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم" اس مرتبہ بھی اپنے اندر سبق آموز واقعات لئے ہوئے تھی، "نسیم حجازی" کا ناول رسالے کی سپرہٹ تحاریر میں نمبر ون جارہا ہے، بنت مولانا عبدالمجید کی تحریر مزاحیہ لبادہ اوڑھے ہوئے تھی، آپانی کا کردار ایسا ہے کہ پڑھتے وقت جو انسان سنجیدہ ہو، مسکرانے پر مجبور ہوجاتا ہے اور جو ہنس مکھ ہو، قہقہے لگانے پر مجبور ہوجاتا ہے، اس دفعہ کے شمارے میں ارقم کے کردار پر بے ساختہ مسکرا دیئے، لیکن بعد میں انتہائی غصہ آیا، بنا بنایا پروگرام کینسل کروادیا، "گھر کہانی" سبق آموز تھی، "گہری سوچ" نے ہمیں بھی سوچنے پر مجبور کردیا اور یقیناً عمل کروانے پر بھی مجبور کرے گی (ہم سب کو)۔ "بہترین سہارا تھی" بھی سبق آموز تھی۔ "آسیانی کا اسٹرونگ ترین کردار

تھا۔ موبائل فون کے نقصانات کا تفصیلاً معلوم ہوا، اس کے علاوہ تمام تحاریر سپرہٹ تھی۔ ہم یہی کہتی ہیں کہ "حیا" سے بڑھ کر کوئی رسالہ نہیں ہے اور یہ نمبر ون ہے۔ آپی جان، عطیہ کی طبیعت چند ماہ سے ناساز ہے، کان کے آپریشن کی بدولت ڈاکٹرز نے کچھ ماہ کے لئے لکھنے اور پڑھنے سے پرہیز بتایا ہے۔ تمام قاریات سے درخواست ہے کہ اس کی صحت یابی کے لئے دعا کریں کہ خدا اس کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ (آمین)۔ ....راحت آپی کی واپسی نے "حیا" کی رونق کو دوبالا کردیا اور اس کی کشش کو گیارہ چاند لگا دیئے۔ امید ہے کہ وہ بھی اس بابرکت شہر میں جہاں جانے کی خواہش ہر انسان کے دل میں رچی بسی ہوتی ہے، اپنی قاریات، بہنوں اور بیٹیوں کو خصوصی دعاؤں میں یاد رکھتی ہوں گی، خدا آپ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور ہر مسلمان کو وہاں کی زیارت کا موقع دے۔ آپی جان، آپ سے ملاقات کا بہت شوق ہے، پر فاصلوں نے دوریاں بڑھادی ہیں، جس کی بدولت مل نہیں پاتے، آپی جان، کرنے کی باتیں تو بہت ہیں، لیکن دیکھئے نا، دوسری بہنوں کو بھی تو جگہ دینی پڑتی ہے۔ آخر میں ایک دعا تمام قاریات اور آپ کیلئے۔

رب کرے آپ کا نصیب چمکتا دکھائی دے — آنکھیں جو بند کریں تو مدینہ دکھائی دے
سجدہ جہاں کریں وہاں کعبہ دکھائی دے — کھلے جو آنکھ تو گنبدِ خضراء دکھائی دے

امید ہے دعاؤں میں یاد رکھیں گی۔ اللہ حافظ

عطیہ اور اقراء بیٹا، "حیا" کے تمام سلسلے پسند کرنے اور ان پر تبصرہ کرنے کا شکریہ، اللہ تعالیٰ عطیہ کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆

ہمشیرہ محمد نصر اللہ، بورے والا سے لکھتی ہیں: محترمہ مہر افروز مہر صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی اور اللہ ہمیشہ آپ کو خوش اور آپ کو دین کا مزید کام کرنے کی توفیق دیں آمین۔ میں "حیا" رسالہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور ہر ماہ بے چینی سے انتظار کرتی ہوں۔ "حیا" کی ہر تحریر تعریف کے قابل ہے، لیکن قسط وار کہانیاں تو بہت زبردست ہیں، بنت عبدالمجید کی کہانی "کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں" بہت زبردست ہے۔ میں "حیا" رسالہ میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، وہ بھی محترمہ ام حیات ہنگورا کا خط پڑھ کر، بہت افسوس کی بات کہ یہ اصلاحی رسالہ ہے اور یہ اس رسالہ میں جو اصلاحی بھی ہے اور دینی بھی ہے، دوسروں کے اوپر تنقید کر رہی تھی۔ اگر یہ اس کے بارے میں کوئی رائے دینا بھی چاہتی تھی تو حقارت سے ملے جلے الفاظ کے بجائے اچھے الفاظ سے اپنی رائے کا اظہار کرتی۔ اس طرح ان کو بھی تکلیف نہیں ہوتی، کیونکہ وہ بہت محنت سے لکھتی ہوں گی۔ کسی کا دل توڑنا بھی تو اچھا نہیں، میں بھی کچھ لکھنا تو نہیں چاہتی تھی لیکن ان کے اس خط نے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا کہ ایک طرف تو وہ خود اتنا اچھا لکھتی ہیں اور دوسری طرف...... آخر میں تمام قسط وار لکھنے والیوں کو اور خصوصاً ام حیات ہنگورا کو سلام۔ اگر آپ کو (ام حیات ہنگورا) کوئی میری کوئی بات اچھی نہ لگی ہو تو پلیز مجھے معاف کردیجئے گا۔ کیونکہ میں خود ابھی طالب علم ہوں، یعنی میرا پہلا سال عالمہ کا ہے، اس لئے پلیز "حیا" کی پوری ٹیم سے گزارش ہے کہ وہ میرے لئے ضرور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے باعمل عالمہ بنادے۔ مارچ کے شمارے میں بہت زیادہ غلطیاں تھیں، مثلاً "عہد وفا"، "یہ حسین یادیں"، "جب چھٹی" وغیرہ، اور بھی بہت تحریر ہیں کہ جن میں بہت سی غلطیاں ہیں، جن کی وجہ سے پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے اور پلیز مجھے یہ بتادیں کہ "فردوس بریں" بالکل سچا ناول ہے یہ ضرور بتادیں ضرور۔ "حیا" کی پوری ٹیم کو سلام۔

ہمشیرہ محمد نصر اللہ، "فردوس بریں" سچا ناول ہے۔